شبابِ کشمیر

(تاریخِ کشمیر عہد زین العابدین بڈشاہ)

○

محمد الدین فوقؔ

○

ویری ناگ پبلشرز

میرپور آزاد کشمیر

58963

جُملہ حقوق محفوظ

بار اول ——— جنوری ۱۹۲۶ء

بار دوم ——— فروری ۱۹۸۶ء

ناشر ——— فاروق سہیل

تعداد ——— ۲۵۰

قیمت ——— ۴۵ روپے

مطبع ——— ایچ۔ وائی پرنٹرز لاہور

سٹاکسٹس

★ نثار دابک سنٹر۔ علامہ اقبال روڈ نزد کچہری چوک
میرپور آزاد کشمیر

★ بک ٹریڈرز ۲ بیگم روڈ ——— لاہور

★ چوہدری بک ڈپو دینہ ضلع جہلم

Marfat.com

عرضِ ناشر

۱۹۲۹ء میں لاہور سے شائع ہونے والی محمد الدین فوق مرحوم کی زیرِ نظر تصنیف جسے کشمیر اور تاریخ کشمیر سے متعلق کتابیں شائع کرنے والے آزاد کشمیر بھر میں واحد اشاعتی ادارے "ویری ناگ پبلشرز" نے دوبارہ زیورِ طباعت سے آراستہ کیا ہے تاریخِ کشمیر پر انتہائی اہم اور نادر دستاویز ہے جو کشمیر کے عظیم المرتبت بادشاہ زین العابدین بڈشاہ کے عہدِ اقتدار اور عروج و زوال کا احاطہ کرتی ہے۔ یہ کتاب اس ملک اور اس قوم کی تہذیب و ترقی کا مٹا ہوا خاکہ ہے جس نے کبھی پنجاب، سندھ، تبت، کاشغر، کابل اور بدخشاں تک در و دیوار سے اپنی شجاعت و بسالت، رواداری اور انصاف کی شہادت دلوائی تھی۔ اہلِ کشمیر اس درویش صفت بادشاہ کے عہد میں زندگی کے ہر شعبے میں اوجِ کمال کو پہنچ گئے تھے۔ جس طرح زین العابدین "بڈشاہ" یا "بڈہ شاہ" کہلاتا تھا اسی طرح اس کے عہدِ اقتدار کو بلاشبہ تاریخِ کشمیر کا زریں دور کہا جاسکتا ہے۔

راقم نے طالب علمی سے لے کر آجتک زندگی کے کم و بیش بیس بائیس سال ایک متحرک سیاسی کارکن کی حیثیت سے گزارے ہیں۔ اس تمام

Marfat.com

عرصہ میں مجھے اس بات کا شدت سے احساس ہوتا رہا کہ اہل کشمیر کے سینوں پر کھینچی گئی حد متارکہ کی لائن قائم ہونے سے لے کر آج تک آزاد کشمیر میں کسی سطح پر بھی اپنے مادرِ وطن کی معلومہ تاریخ اور اپنے اسلاف کے کارناموں سے نئی نسل کو آگاہ کرنے کا سوچا تک نہیں گیا حالانکہ اس کے برعکس بھارتی مقبوضہ کشمیر سرینگر میں ریاستی حکومت کے زیر انتظام ایک اشاعت گھر قائم ہے جس نے کشمیر کی تاریخ، ادب اور ثقافت پر سینکڑوں کتب ہی شائع نہیں کیں بلکہ ہر ماہ مختلف زبانوں میں متعدد رسائل بھی شائع کرتا ہے۔

راقم یہاں پر خصوصی طور پر خواجہ منظور الحق ڈار صاحب کا بھی شکریہ ادا کرنا ضروری سمجھتا ہے کیونکہ ان ہی کی کوششوں سے مجھے محمد الدین فوق مرحوم کی تصنیفات کے شائع کرنے کی اجازت مل سکی۔ نیز زیرِ نظر کتاب شبابِ کشمیر کے علاوہ دیگر کتب کی اشاعت کے سلسلہ میں ڈاکٹر غلام حسین اظہر صاحب پرنسپل گورنمنٹ ڈگری کالج بھمبر، محمد اکرم طاہر صاحب ڈین یونیورسٹی کالج کوٹلی، پروفیسر محمد خان زمان صاحب ڈائریکٹر کشمیر انسٹیٹوٹ آزاد کشمیر یونیورسٹی مظفر آباد، جناب محمد ممتاز ہاشمی ایڈوکیٹ میر پور، مرزا محمد اقبال صاحب ڈائریکٹر پبلک لائبریری مظفر آباد اور جناب محمد سرور عباسی رجسٹرار آزاد کشمیر یونیورسٹی کا بھی دل کی اتھاہ گہرائیوں سے مشکور ہے کہ جنہوں نے نہ صرف مجھے اپنے مفید مشوروں سے نوازا بلکہ طباعت کے سلسلہ میں میرے حوصلوں کو بڑھانے میں مدد دی۔

زیرِ نظر کتاب "شبابِ کشمیر" (تاریخ عہد بدشاہی) جب شائع کرنے کا پروگرام بنایا تو اس کتاب کے حصول کے لیے نہ صرف آزاد کشمیر بلکہ پنجاب کی متعدد لائبریریوں کے چکر لگاتا رہا مگر کتاب کا حصول ممکن نہ ہو سکا کہ اچانک ایک دن اپنے ہی پرانے اخبارات اور رسائل میں "شبابِ کشمیر" کی ایک فوٹوسٹیٹ کاپی مل گئی

Marfat.com

فوٹو اسٹیٹ کی حالت

انتہائی خستہ تھی۔ ایک ہی صفحہ پر متعدد سطور کا پڑھنا ہی ناممکن تھا، خاص کر فارسی۔ مگر یہ مسئلہ بھی جناب پروفیسر طارق امین۔ (شعبہ اسلامیات آزاد جموں وکشمیر یونیورسٹی) کی توجہ اور معاونت سے حل ہو سکا۔ میں اس کے لیئے ان کا بھی مشکور ہوں۔

"شباب کشمیر" آپ کے ہاتھوں میں ہے اسے پڑھیئے اور اس امر کا خود فیصلہ کیجئے کہ اگر ہمارے اسلاف اتنے عظیم المرتبت تھے تو آج ہماری یہ حالت کیوں ہے؟۔

امید ہے زیر نظر کتاب وطن عزیز کے تعلیمی، تاریخی، اور ثقافتی اداروں کے علاوہ تحقیقی مراکز کے لیئے انمول تحفہ ثابت ہوگی۔

فاروق سہیل

Marfat.com

Marfat.com

فہرستِ مضامین

عنوان	صفحہ	عنوان	صفحہ
دیباچہ	۱۵	علی شاہ کی حج کو روانگی اور ارادہ	
پہلا باب	۲۲	کی تنسیخ	۳۲
مؤرخین کشمیر کی فروگذاشتیں	۲۲	دونوں بھائیوں کی باہمی خونریز جنگ	۳۳
بادشاہ کا سال پیدائش	۲۳	**دوسرا باب**	۳۵
بادشاہ کا اصل نام	۲۴	حصولِ سلطنت پر بھائی بھائی اور	
بچپن اور تعلیم	۲۵	باپ بیٹے میں جنگ	۳۵
امیر تیمور کا حملہ ہند	۲۶	شاہی خاں سے زین العابدین	۳۷
امیر تیمور اور کشمیر	۲۷	تخت نشینی کا ایک مصرع	۳۷
شاہی خاں اور امیر تیمور	۲۸	عہدوں کی تقسیم	۳۸
شاہی خاں سمرقند میں	۲۹	تخت نشینی پر قیدیوں کی رہائی	۳۸
شاہی خاں کی مراجعت کشمیر	۳۰	بادشاہ کے رضائی بھائی	۳۸
سلطان سکندر کی وفات اور		ہندوؤں کی دلجوئی	۴۰
علی شاہ کی تخت نشینی	۳۱	سوکن کے جلاپے کا دلچسپ مقدمہ	۴۰
شاہی خاں منصب وزارت		چوری کا انسداد	۴۱
پر	۳۱	[illegible]	۴۲

Marfat.com

عنوان مضمون	صفحہ
بادشاہ کے جشن ہائے سالگرہ	۴۳
شفاخانے اور دائیاں	۴۳
حرمت ماہ رمضان	۴۳
تجارتی احکام	۴۵
بادشاہ کی دریائی سیر	۴۶
ہورپورہ کی چوکی میں لنگر خانہ اور حماموں کی بستی	۴۶
چشمہ کوثر ناگ میں بڈشاہی کشتی	۴۷
کوثر ناگ پر ایک ہولناک واقعہ	۴۸
ہرمکھ گنگا میں بادشاہ کی دریائی سیر	۴۸
ڈل اور وُلر کی سیر	۴۹
تیسرا باب	۵۰
اہل کشمیر کی فوجی سپرٹ	۵۰
فرقہ چک کی تباہی	۵۴
جنگ کاشغر و تبت	۵۴
کشمیری افواج کا حملہ پنجاب پر	۵۶
فیروز شاہی عہد نامہ کی تکمیل	۵۹
بادشاہ کی وسعت سلطنت	۶۱
مفتوحہ ممالک کے ساتھ بادشاہ کا سلوک	۶۲

عنوان مضمون	صفحہ
بڈشاہی افواج اور ممالک مفتوحہ کے خزانے	۶۳
چوتھا باب	۶۴
بڈشاہ کی پریشانیاں اور موت	۶۴
بادشاہ کی بیگمات	۶۴
بادشاہ کی اولاد	۶۶
بادشاہ کے بھائی کی وفات	۶۶
بادشاہ کی خیرات اپنے رضائی بھائیوں کی موت پر	۶۷
شہزادوں کی باہمی خانہ جنگیاں	۶۸
باپ بیٹے میں خونریز جنگ	۶۸
باغیوں کے سروں کا بلند مینار	۶۹
بادشاہ کے بڑے بیٹے کی بغاوت	۷۰
سوپور میں جنگ عظیم	۷۰
حاجی خاں کو خلعت ولی عہدی	۷۱
ولی عہد کی شراب نوشی	۷۲
بادشاہ پر ان خانہ جنگیوں کا اثر	۷۲
بادشاہ کو ہلاک کرنے کی کوشش	۷۲
بادشاہ کا جانشین مقرر کرنے سے انکار	۷۴

Marfat.com

عنوان مضمون	صفحہ	عنوان مضمون	صفحہ
شہزادوں کی منافقانہ صلح کا خاتمہ	۷۴	احمد آباد گجرات	۸۹
تقریب الرگ بادشاہ مسندِ شاہی پر	۷۵	سندھ	۸۹
امرائے دربار کے حاجی خاں سے		تخت دہلی	۸۹
عہد و پیمان	۷۶	مکہ مصر اور روم	۹۰
ادہم خاں کی ہجرت کشمیر سے	۷۶	**چھٹا باب**	۹۱
بادشاہ کی وفات	۷۸	بڈشاہ کا شوق تعمیرات	۹۱
بڈشاہ اور اکبر اعظم	۸۰	بڈشاہ کے تعمیری شوق کا ذکر	
پانچواں باب	۸۵	تاریخوں میں	۹۱
بڈشاہ کے ہمعصر سلاطین	۸۵	قدیم طرزِ عمارت	۹۲
شاہان دکن	۸۵	تعمیرات بڈشاہی	۹۴
شاہان گجرات	۸۶	ڈل میں بڈشاہی عمارت	۹۵
شاہانِ مالوہ	۸۶	ڈل میں مصنوعی جزیرہ دسونہ لنک	۹۶
شاہانِ بنگال و بہار	۸۶	یہ جزیرہ عہدِ مغلیہ و افغنہ میں	۹۶
شاہانِ سندھ	۸۶	زین العابدین کے ہفت زینہ	۹۷
مملکتِ پنجاب	۸۷	(۱) زینہ کوٹ	۹۷
بادشاہ کشمیر کے تعلقات دیگر		(۲) زینہ کدل	۹۹
بادشاہوں کے ساتھ	۸۷	(۳) زینہ بازار	۹۹
گوالیار	۸۷	(۴) زینہ پور	۹۹
خراسان	۸۸	زینہ ڈب یارا حبدھانی نوشہرہ	۱۰۱
لاسہ	۸۸	ڈل میں زینہ لنک کی تعمیر	۱۰۴

Marfat.com

عنوان مضمون	صفحہ	عنوان مضمون	صفحہ
ایک بُت خانہ کے آثار	۱۰۵	اندر کوٹ کی دوبارہ آبادی اور بڈشاہ کا شاندار محل	۱۲۵
زینہ لنک کی بنیاد و تعمیر	۱۰۶		
زینہ لنک کا قطعہ تاریخ	۱۰۷	بڈشاہی عہد کی خانقاہیں اور مسجدیں۔ جامع مسجد بارمولا	۱۲۷
زینہ لنک کا طول وعرض	۱۰۷		
زینہ لنک کی موجودہ حالت	۱۰۸	جامع مسجد سرینگر	۱۲۷
زینہ لنک یا خرم آباد	۱۰۹	خانقاہ شیخ العالم	۱۲۹
سوپور سے صفاپور تک طویل سنھو	۱۱۰	خانقاہ فیض پناہ	۱۳۰
زینہ لنک میں جشن عظیم	۱۱۰	خانقاہ سیّد برخوردار	۱۳۱
رنگ میں بھنگ	۱۱۱	خانقاہ سیّد مدنی	۱۳۱
زینہ گیر کی رونق و آبادی	۱۱۲	نج بہارہ میں بڈشاہی عمارت	۱۳۱
کشمیر میں نیشکر کی پیداوار	۱۱۵	سو پور میں بادشاہی محل	۱۳۲
نہر زینہ گیر کا اجرا زینہ گیر میں	۱۱۵	دانتی پورہ میں باغِ بڈشاہی	۱۳۳
زینہ گیر کی آمدنی وقف تھی	۱۱۵	ساتواں باب	۱۳۵
باغ زینہ گیر و عمارت بڈشاہی کی		کشمیر کے سِکّے اور اوزان	۱۳۵
تباہی	۱۱۶	کوڑیوں کا رواج	۱۳۵
کشمیر میں پُلوں کی تاریخ	۱۲۱	کشمیر میں سب سے پہلا سکّہ	۱۳۶
ہندو عہد قدیم کے پُل	۱۲۱	ہندو عہدِ قدیم کے سِکّے	۱۳۶
اسلامی عہد کا سب سے پہلا پُل	۱۲۲	سکّوں کا وزن	۱۳۷
بڈشاہ کا زینہ کدل	۱۲۳	سکّوں کا تعلق لباس سے	۱۳۸
بڈشاہ ہفت پُل	۱۲۴	کشمیر کے اسلامی سکّوں کی عبارتیں	۱۳۸

Marfat.com

عنوان مضمون	صفحہ
بڈشاہی سکوں کی قیمت عہد اکبری میں	۱۳۹
زین العابدین کا جدید سکہ	۱۴۱
بڈشاہی دارالضرب	۱۴۲
بڈشاہی سکہ کی شکل وصورت	۱۴۲
بڈشاہی اوزان اور پیمانے	۱۴۲
آٹھواں باب	۱۴۴
آبپاشی اجرائے انہار اور سڑکیں	۱۴۴
بڈشاہ کی زرعی دلچسپیاں	۱۴۴
لال کول	۱۴۵
شاہ کول	۱۴۹
شاہ کول اور حکومت ڈوگرہ	۱۵۲
نالہ ماریا مہاسرت ندی	۱۵۳
نہر زین گنگا	۱۵۷
بڈشاہی سڑکیں	۱۵۹
نواں باب	۱۶۲
انتظام مالیہ وارزانئے اجناس وغیرہ	۱۶۲
عہد قدیم کا طریق مالیہ	۱۶۲
عہد بڈشاہی میں مالیہ کا طریق	۱۶۳
شالی کا نرخ قدیم	۱۶۴

عنوان مضمون	صفحہ
سوا تین پیسہ کی خروار شالی	۱۶۴
قحط میں شالی کا نرخ ۲ر خروار	۱۶۴
بڈشاہی زمانہ کا نرخ	۱۶۴
انگور ۱½ پیسہ کا پانچ سیر	۱۶۵
نمک کا بڈشاہی نرخ	۱۶۵
نرخ نویسی کی ابتدا	۱۶۵
قحط اور اس کا انسداد	۱۶۶
دسواں باب	۱۶۹
بڈشاہ اور ہندو	۱۶۹
کشمیر کے قدیم مذاہب	۱۶۹
ذوالچو کا واقعۂ المناک	۱۷۰
حملۂ ذوالچو کے نتائج	۱۷۱
بڈشاہ کا سلوک ہندوؤں کے ساتھ	۱۷۲
مہاجر کشمیری پنڈتوں کی واپسی	۱۷۴
نومسلم کشمیری پنڈتوں کی شدھی	۱۷۵
جزیہ کی موقوفی	۱۷۵
ایک محب وطن کشمیری پنڈت	۱۷۶
ہندو جوگیوں کے لیے جوگی نگر	۱۷۷
مندر شنکراچارج کی مرمت	۱۷۹
مندروں کے ساتھ پات شالائیں	۱۸۰

Marfat.com

عنوان مضمون	صفحہ
سنسکرت اور فارسی کا میل جول	۱۸۱
کشمیری پنڈت اور فارسی	۱۸۲
پنڈتوں کے دو فرقے	۱۸۵
بڈشاہی دربار کے پنڈت ارکان	۱۸۶
گاؤکشی بند اور ستی کا اجراء	۱۸۷
ایک مسلمان درباری کو عبرتناک سزا۔	۱۸۸
بادشاہ پابرہنہ ایک برہمن کے مکان پر	۱۸۸
بڈشاہ اور امرناتھ کی یاترا	۱۸۹
شاردا تیرتھ اور بڈشاہ	۱۹۰
مسجدیں، پنڈت اور قشقہ	۱۹۱
ہندوؤں کے لیے ہندو عدالتیں	۱۹۲
شکار سے نفرت اور گوشت سے پرہیز	۱۹۲
رفاہ عام دان اور دہرم نبل	۱۹۳
بڈشاہ ہندوؤں پر کیوں مہربان تھا؟	۱۹۳
راجہ راجور کی بیٹی اور بڈشاہ	۱۹۵
گیارہواں باب	۱۹۸
علم موسیقی اور بڈشاہ	۱۹۸

عنوان مضمون	صفحہ
بڈشاہ کی موسیقی سے دلدادگی	۱۹۹
کشمیر میں موسیقی کے مدارس	۲۰۰
کشمیری آلات موسیقی	۲۰۱
کشمیر کے سب راگی مسلمان ہیں	۲۰۲
دربار بڈشاہی کے نامور موسیقی دان	۲۰۲
بودی بٹ	۲۰۳
مُلّا عود	۲۰۳
مُلّا جمیل	۲۰۳
سوم پنڈت	۲۰۴
بادشاہ آلات موسیقی کا موجد تھا	۲۰۴
کشمیری مطرب دربار اکبری میں	۲۰۵
موجودہ کشمیری موسیقی	۲۰۵
بارھواں باب	۲۰۸
کشمیری صنعت وحرفت بڈشاہی عہد میں	۲۰۸
کشمیری صنعت کی ترقی کا دور	۲۰۸
بیرونی ارباب صنائع کشمیر میں	۲۰۹
اہل صنعت وحرفت کی اقسام	۲۰۹
بڈشاہی صنعتی وظائف	۲۱۰
غالیچہ سازی	۲۱۰

Marfat.com

عنوان مضمون	صفحہ
ریشم کا کام	۲۱۰
کاغذسازی اور جلدسازی	۲۱۱
کاغذسازی پر ایک شاعر کی طبع آزمائی	۲۱۲
پیپر ماشی	۲۱۳
کشمیری تلوار اور بندوق	۲۱۳
تفنگ کا رواج اور آتش بازی	۲۱۵
تیرہواں باب	۲۱۶
بادشاہ کی علمی سرگرمیاں	۲۱۶
بادشاہ کئی زبانیں جانتا تھا	۲۱۶
بادشاہ ایک مصنف کی حیثیت سے	۲۱۷
دارالترجمہ اور دارالتصانیف کا اجرا	۲۱۷
علم و علماء کی سرپرستی	۲۱۸
ہندوؤں کے علوم کی اشاعت	۲۱۹
مختلف علوم وفنون کی کتابوں کے لیے بادشاہ کے تحائف	۲۱۹
ایک کتاب کے لیے مکہ معظمہ کو ایک کاتب کی روانگی	۲۲۰
نوشہرہ میں بادشاہی علوم	۲۲۲

عنوان مضمون	صفحہ
چودہواں باب	۲۲۴
بادشاہ کے عام اخلاق وعادات	۲۲۴
مال غیر اور زن بیگانہ سے نفرت	۲۲۴
عتاب میں الطاف	۲۲۵
ملک گیری و پیشقدمی کا حامی تھا	۲۲۵
دشمنوں سے سلوک	۲۲۶
سادگی و انکساری	۲۲۷
خزانہ شاہی پبلک امانت ہے	۲۲۷
بادشاہ کے ذاتی اخراجات	۲۲۷
بادشاہ کی بے تعصبی	۲۲۸
تبدیل لباس اور حالات رعایا	۲۲۸
بادشاہ کا زہد و اتقا	۲۲۹
پندرہواں باب	۲۳۲
دربار بڈشاہی کے ارکان	۲۳۲
بڈشاہ کس طرح بڈشاہ بنا؟	۲۳۲
رنجیت سنگھ اور اکبر کا ذکر	۲۳۳
ارکان بڈشاہی کی فہرست	۲۳۴
افسر الاطبا حکیم شری بٹ	۲۳۶
سید ناصر الدین	۲۳۷
ملک مسعود [illegible] جلال	۲۳۸

Marfat.com

عنوان مضمون	صفحہ
سولھواں باب	۲۴۰
عہد بڈشاہی کے مؤرخ وشاعر	۲۴۰
پنڈت زونراج	۲۴۰
سوم پنڈت	۲۴۱
ملک الشعرا مُلّا احمد بڈشاہی	۲۴۳
مُلّا نادری	۲۴۶
مُلّا محمد شاعر	۲۴۷
بادشاہ کی شاعری	۲۴۷
قاضی حمید	۲۴۸
سترھواں باب	۲۴۹
عہد بڈشاہی کے علماء ومشائخ	۲۴۹
علماء ومشائخ کی کثرت	۲۴۹
شیخ الاسلام مولانا کبیر	۲۵۱
قاضی مُلّا جمال الدین	۲۵۲
حافظ بغدادی	۲۵۳
میر علی بخاری	۲۵۴
علامہ سید شمس الدین اندرابی	۲۵۴
سید حسین قمی رضوی رحؒ	۲۵۷
باباحاجی ادہم	۲۶۰
حضرت سیّد محمد مدنی	۲۶۱
سید محمد عالی بلخی	۲۶۱
میر سیّد حسین و میر سیّد حسین منطقی	۲۶۲
سیّد جان بازولی	۲۶۳
بابا زین الدین	۲۶۴
بابا عثمان گنائی	۲۶۸
شیخ بہاؤالدین گنج بخش	۲۷۰
شیخ نورالدین دلی	۲۷۲
میر سیّد محمد امین اویسی	۲۷۷

Marfat.com

تذکرہ بڈشاہ پادشاہ

دیباچہ

راقم الحروف نے ۱۹۱۰ء میں مکمل تاریخ کشمیر تین جلدوں میں شائع کی۔ پہلی جلد جو قدیم راجگان ہنود کے حالات میں ہے۔ پڑھو تو معلوم ہوگا کہ راجہ للتادیتہ ایک شجاع و فاتح راجہ گزرا ہے جس نے اپنی فتوحات اور جنگ جویانہ سپرٹ سے کشمیر کا نام سارے ہندوستان میں مشہور کر رکھا تھا۔ دوسری جلد میں مسلمان سلاطین اور مُغل بادشاہوں اور افغان حکمرانوں کا ذکر ہے۔ ان میں مسلمان سلاطین کشمیری تھے۔ اور مُغل اور افغان دہلی و کابل سے آ کر کشمیر پر قابض ہو گئے تھے۔ مسلمان سلاطین میں شہاب الدین اور سلطان زین العابدین عرف بڈشاہ دو ایسے پادشاہ گزرے ہیں جنھوں نے ہندوستان بھر میں بلکہ بڈشاہ نے ہندوستان سے بھی باہر اپنی سطوت و شوکت اور علمی فیاضیوں اور سیر چشمیوں کا سکہ بٹھا رکھا تھا۔

اُسی زمانہ سے میرا ارادہ راجہ للتادیتہ اور بڈشاہ کے سوانحات طبع کرانے کا ہے اور اگر صرف تصنیف و تالیف ہی کا کام ہوتا تو شاید اب تک دونوں تذکرے چھپ چکے ہوتے۔ لیکن ایک ہفتہ وار اخبار (کشمیری) اور ماہواری رسالے (طریقت) کی مصروفیوں اور بعض اور چھوٹی بڑی تصانیف کے مشاغل اور دنیا کے دیگر دھندوں

Marfat.com

کی وجہ سے میں اپنے اس مقصد میں جلد کامیاب نہ ہو سکا۔

"تاریخ حریت اسلام" کی تصنیف (۱۹۲۰ء کے بعد) میں نے سب سے پہلے بڈشاہ کے حالات فراہم کرنے کی کوشش کی۔ چنانچہ کشمیر میں میرے قیام کا بہت سا وقت سری نگر کی پبلک لائبریری میں خرچ ہوتا۔ یا اپنے اُن احباب کے پاس جن کے پاس قلمی و غیر مطبوعہ تذکروں۔ بیاضوں اور تاریخوں کا مجھے پتہ ملتا۔ ۱۹۲۴ء میں مجھے صوفی غلام محی الدین صاحب ایم۔ اے سابق رجسٹرار دہلی یونیورسٹی کشمیر میں ملے۔ اُن دِنوں وہ اپنی کتاب اسلامک کلچران کشمیر (اسلامی تمدّن کشمیر میں) لکھ رہے تھے اور اس مطلب کے لیے کتابیں اور تاریخیں جمع کر رہے تھے۔ "تذکرہ بڈشاہ" کا ان سے بھی ذکر ہوا۔ وہ اس خود جلیل القدر پادشاہ کے مفصل حالات کے متلاشی تھے۔ جب کشمیر سے واپس لاہور تشریف لائے تو از راہ علم نوازی پھر مجھے ملے۔ میں خود اس معاملہ میں کم مایہ و تہدست تھا۔ تاہم میرے پاس مطبوعہ و غیر مطبوعہ جو کچھ تھا وہ ملاحظہ فرماتے رہے۔

اُن کی کتاب چھپ چکی ہے جس میں انھوں نے بڈشاہ کے حالات کئی سالوں کی مسلسل تحقیق و تفتیش کے بعد تفصیل سے لکھے ہیں۔ اس کتاب نے میری تحریکِ تمنّا کو اور بھی تقویت دی۔ میں "بڈشاہ" کے متعلق ہر سال اپنے معلومات میں کچھ نہ کچھ اضافہ کرتا، یہاں تک کہ ۱۹۲۸ء کے سفرِ کشمیر میں باوجود اپنی علالت اور باوجود اپنی اہلیہ کی طویل بیماری کی پریشانیوں کے میں نے توکلت علی اللہ اپنے منتشر مسوّدوں کو جولائی ۱۹۲۸ء میں کتاب کی صورت میں ترتیب دینا شروع کر دیا۔

"تذکرہ بڈشاہ" کا نام میں نے "شباب کشمیر" رکھا ہے اور بڈشاہ کے زمانہ میں کشمیر کو جو عروج و اقبال حاصل تھا اُس کے رو سے یہ نام غیر موزوں نہیں ہے۔ یہ کتاب اس غرض سے لکھی گئی ہے کہ دنیا کو اور بالخصوص ہندوستان کو معلوم

Marfat.com

یہ ملک کبھی اخلاق و ادب اور علم و فضل کی کان تھا [illegible] کی حیثیت [illegible] حاصل تھی۔ اور اسلام اپنے تمام [illegible] ممالک پر اگر کشمیر کو فوقیت نہ دیتا تھا تو [illegible] مشائخ کی [illegible] کی وجہ سے [illegible] ملک سے [illegible] نہ تھا۔

کتاب [illegible] کشمیر [illegible] شان و شوکت [illegible] عروج [illegible] دلآویز کیفیت اور دلکش تصویر ہے۔

آج جب کہ وفور علم و کثرت مطالع اور تہذیب جدید نے انسانی ترقیات کو [illegible] چہارم تک پہنچا دیا ہے صرف ایک چیز ہے جو [illegible] نظر آتی ہے وہ [illegible] اتحاد اور باہمی اعتماد و اختلاط ہے۔ یہ کتاب [illegible] کہ کشمیر کے ایک [illegible] میں ہندو مسلم اتحاد [illegible] بھائی بھائی [illegible] تھا [illegible] عنایات حاصل تھیں [illegible] حکومت [illegible] تھی۔

جب کوئی علمی [illegible] ذہانت اور [illegible] والے [illegible] سے [illegible] ہندوستان [illegible] ان کی مدد [illegible] دار الانشا [illegible] مسلمانوں کو جگہ دی۔ [illegible] زبان کا [illegible] اور [illegible] دار العلوم [illegible] تھے۔

یہ کتاب اسی ملک اور اسی قوم کی تہذیب [illegible] کا [illegible] خاکہ ہے جس نے [illegible] سندھ اور تبت و چین کے دروازے کبھی اپنی شجاعت و بسالت

Marfat.com

کی شہادت دلوائی تھی۔

بڑا ظلم ہوتا اگر ایسے نیک دل نیک نام علم پرور بے تعصب بادشاہ کے حالات جس نے اپنی تمام رعایا کو اپنا گرویدہ کر لیا تھا اور جس کے ساتھ غیر ممالک کے بادشاہ راہ ورابطہ پیدا کرنا باعثِ فخر سمجھتے تھے۔ اِس روشنی کے زمانہ میں بھی جبکہ پریسوں اور کتابوں نے علم کے دریا بہا دیے ہیں تاریکی اور اندھیرے میں رہتے اور ان سے کوئی استفادہ نہ اٹھایا جاتا۔

اس کتاب کے مطالعہ کے بعد جو کشمیر کے سیاسی اقتدار اور کشمیر کی علمی عظمت کی زندہ تصویر ہے۔ اہلِ کشمیر کو غور کرنا ہوگا کہ سلف ایسے تھے تو کیوں تھے؟ اور خلف اب ایسے نہیں تو کیوں نہیں۔ ؎

ہیں آج کیوں ذلیل کہ کل تک نہ تھی پسند
گستاخیٔ فرشتہ ہماری جناب میں

اور اگر اس کتاب کے مطالعہ نے کسی اہلِ وطن کے دل میں احساس، احساس میں حرکت، حرکت میں جوش اور جوش میں استقلال پیدا کر دیا تو میں سمجھوں گا کہ میری سالہا سال کی محنت و عرق ریزی رائیگاں نہیں۔؟

ذیل میں اُن کتابوں کی فہرست دی جاتی ہے جن کے مطالعہ اور جن کی مدد سے "شباب کشمیر" عالمِ وجود میں آیا۔ ان میں قلمی و غیر مطبوعہ دونوں قسم کی کتابیں شامل ہیں جن کے لیے میں مولوی محمد سعادت صاحب مفتی میونسپل کمشنر المشہور "مؤرخ کشمیر" سری نگر کشمیر، مولوی قوام الدین صاحب مفتی خلف اکبر مولانا شریف الدین صاحب مفتی اعظم کشمیر، راجہ فقیر علیخاں صاحب جاگیر دار راجپور کشمیر اور پیر شمس الدین صاحب حیرت پانداری سری نگر کا شکر گزار ہوں۔

بعض انگریزی تراجم کے لیے پنڈت گوراشہ لعل صاحب بی اے مصنف شارٹ

Marfat.com

ہسٹری آف کشمیر اور میر محمد نیاز صاحب جرنلسٹ (لاہور) کا بھی رہین منت ہوں۔

فہرست کتب مطبوعہ

نمبر شمار	نام کتب	نام زبان	نام مصنف	سال تصنیف	کیفیت
۱	مکمل تاریخ کشمیر	اردو	محمد دین فوق	سنہ ۱۹۱۰ء	
۲	گلدستۂ کشمیر	اردو	پنڈت ہرگوپال کول	سنہ ۱۸۸۳ء	
۳	تاریخ خواجہ اعظمی	فارسی	خواجہ محمد اعظم	ابتدا سنہ ۱۲۸۱ھ	سال طباعت سنہ ۱۳۰۳ھ وفات مصنف سنہ ۰۷۹ھ
۴	تذکرہ راجگان راجوری	اردو	مرزا ظفر اللہ خاں وزیر آبادی	سنہ ۱۹۰۷ء	
۵	ترجمہ راج ترنگنی معہ جغرافیہ قدیم ہردو جلد	اردو	مترجم ٹھاکر اچھر چند	سنہ ۱۹۱۲ء	
۶	دربار اکبری	اردو	محمد حسین آزاد	سنہ ۱۸۹۸ء	ایڈیشن اوّل
۷	ترجمہ سیر المتاخرین	اردو	مترجم گوکل پرشاد لکھنوی	سنہ ۱۸۷۱ء	سال طباعت سنہ ۱۸۹۸ء
۸	اسلامک کلچر ان کشمیر	انگریزی	صوفی غلام محی الدین ایم۔اے	سنہ ۱۹۲۵ء	
۹	شارٹ ہسٹری آف کشمیر	”	گوشہ لعل بی۔اے	سنہ ۱۹۲۸ء	
۱۰	ویلی آف کشمیر	”	سر والٹر لارنس	سنہ ۱۸۹۵ء	مطبوعہ لندن
۱۱	تاریخ ہندوستان	اردو	مولوی ذکاء اللہ	سنہ ۱۸۹۰ء	
۱۲	گلزار کشمیر	فارسی	دیوان کرپا رام	سنہ ۱۸۶۴ء	سال طباعت سنہ ۱۸۷۰ء
۱۳	تاریخ جدول کشمیر	”	محمد سیف الدین کشمیری	سنہ ۱۳۴۴ھ	

Marfat.com

فہرست کتب غیر مطبوعہ

نمبر شمار	نام کتب	زبان	نام مصنف	سال تصنیف	کیفیت
۱	تاریخ بہاؤالدین متو	فارسی	مُلا بہاالدین متو	سنہ ۱۲۴۳ھ	وفات سنہ ۱۲۲۹ بعمر ۱۰۰ سال
۲	اسرار الابرار	"	بابا داؤد مشکواتی	سنہ ۱۰۶۳ھ	
۳	بیان واقعہ حالات جامعہ	اُردو	مولوی محمد سعادت مفتی	سنہ ۱۳۴۵ھ	ولادت سنہ ۱۲۹۸
۴	تاریخ رشیدی	فارسی	مرزا حیدر کاشغری	از سنہ ۹۴۷ تا سنہ ۹۵۰ھ	
۵	مختصر التواریخ کشمیر	"	پنڈت بیربر کاچرو	سنہ ۱۹۰۰ بکرمی	لائبریری سری نگر میں موجود ہے۔
۶	تاریخ کشمیر	اردو	خواجہ حسن ملک		لائبریری سری نگر میں موجود ہے۔
۷	خوارق السالکین	فارسی	اخوند ملا احمد بن عبدالصبور	سنہ ۱۱۰۰ھ	
۸	احسن التواریخ	"	مولوی عزیز الدین مفتی	سنہ ۱۳۰۰ھ	
۹	وجیز التواریخ	"	ملا عبدالنبی مفتی	سنہ ۱۳۰۷ھ	
۱۰	فتحیات کبرویہ	"	شیخ عبدالوہاب نوری گنائی	سنہ ۱۱۵۳ھ	وفات بعمر ۹۰ سال سنہ [illegible]ھ
۱۱	معارف الحقانی	"	یعقوب بن عبدالعزیز حقانی	سنہ ۱۱۲۰ھ	

Marfat.com

نمبر شمار	نام کتاب	زبان	نام مصنف	سال تصنیف	کیفیت
۱۲	تذکرۃ العارفین	فارسی	مفتی صدرالدین وفائی	سنہ ۱۲۰۴ھ	بہ نظامت سردار جمعہ خاں الکوزئی
۱۳	تاریخ حسن چہار جلد	”	پیر حسن شاہ کھوئی ہامی	سنہ ۱۳۰۱ھ ۱۸۸۴ء	ولادت سنہ ۱۲۴۹ھ وفات سنہ ۳۱۶ھ
۱۴	بیاض	”	مملوکہ محمد اسماعیل ناجی		
۱۵	تاریخ کشمیر	”	نرائن کول عاجز	سنہ ۱۱۲۲ھ	بعہد عالمگیر
۱۶	تاریخ خلیل	”	اخوند ملا محمد خلیل مرجانپوری	سنہ ۱۲۸۳ھ	بعہد مہاراجہ رنبیر سنگھ
۱۰	گلشن کشمیر	اردو	مفتی محمد سعادت سری نگر	سنہ ۱۳۴۰ھ	بعہد مہاراجہ پرتاب سنگھ
۱۸	تاریخ کشمیر	فارسی	علامہ مولوی ہدایت اللہ		

اگر زندگی نے وفا کی تو انشاءاللہ جلد [illegible] ترجمہ للتا دتیہ کے فاتحانہ کارنامے بھی کتابی صورت میں پیش کیے جائیں گے۔

۴ر نومبر سنہ ۲۶ء
انوارِ شام

محمد الدین فوق
لاہور

Marfat.com

پہلا باب

عالمِ شہزادگی کی کیفیتیں

مؤرّخین کشمیر کی فروگذاشتیں

ہندوستان میں شاید خطۂ کشمیر ہی کو یہ واحد فخر حاصل ہے کہ وہ اپنی آبادی کی ابتدا سے آج تک کی مسلسل تاریخ اپنے پاس رکھتا ہے۔ اس تاریخ میں قدیم راجاؤں اور مسلمان سلاطین اور ملک کے مشائخ وصلحاء کا بالتفصیل ذکر ہے لیکن سب سے پہلے تاریخ نویس نے چونکہ تاریخ کی بنا نظم پر رکھی تھی۔ چنانچہ سنسکرت زبان میں کشمیر کی جو تاریخیں ہیں وہ سب نظم ہی میں ہیں۔ اس لیے سنسکرت کے بعد کشمیر کی کئی ایک فارسی تاریخیں بھی نظم ہی میں لکھی گئیں۔ یہاں تک بھی کوئی قباحت نہ تھی۔ مگر زیادہ افسوس یہ ہے کہ کشمیر کے مؤرخین نے قدیم راجاؤں نہ مسلمان بادشاہوں اور نہ صلحاء ومشائخ کے حالات میں اُن کے سنین پیدائش وغیرہ کا خیال رکھا۔ بزرگان دین کے سوانحات میں تو زیادہ زور "نقل است" روایت است۔ گفتند۔ می گویند" پر ہی دیا گیا ہے۔ اس بات کا مطلق لحاظ نہیں رکھا گیا کہ جو واقعہ "نقل است" کے ذریعہ وہ تحریر کر رہے ہیں اُس میں "عقل است" کی بھی ضرورت ہے یا نہیں۔ اور "گفتند اور می گویند" کی تاریخی واقعات سے بھی تطبیق ہو سکتی ہے یا نہیں۔ صلحاء ومشائخ کے تذکرہ نویسوں نے عقل تاریخ سے شہادت لینے کی بجائے اظہار کرامات وخوارق عادات ہی کو اپنا مقدس فرض سمجھا ہے۔

58963

Marfat.com

مؤرخین کشمیر پر یہ ایک بدنما دھبہ ہے کہ بڈشاہ جیسے مشہور جلیل القدر اور بے تعصب بادشاہ کی جو ہندوؤں اور مسلمانوں میں یکساں ہر دلعزیز تھا۔ کشمیر کی کسی تاریخ میں اُس کی تاریخ پیدائش تو کجا سنہ پیدائش کا بھی ذکر نہیں ہے۔

بادشاہ کا سال پیدائش

تمام مؤرخین نے بادشاہ کا سال وفات ۸۷۹ھ لکھا ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ بادشاہ نے بہت بڑی عمر میں انتقال کیا۔ یہاں تک کہ اُس کا ایک بیٹا جو خود بھی بڑی عمر کا تھا باپ کی طویل زندگی کو اپنی تخت نشینی کے لیے سدِ سکندری سمجھ کر اُس کے قتل پر آمادہ ہوگیا۔ اور پھر تمام مؤرخین نے یہ بھی لکھا ہے کہ وفات کے وقت بادشاہ کی عمر سلطنت ۵۲ سال اور عمر طبعی ۶۹ سال تھی۔[1]

مؤرخین نے یہ بھی لکھا ہے کہ اس نے ابتدا میں تعلیم بھی حاصل کی اور وہ سات سال تک شاہزادگی کے عالم میں سمرقند میں بھی رہا۔ البتہ ایک مصنف[2] نے لکھا ہے کہ وہ عین عنفوان شباب میں امیر تیمور کے ہمراہ سمرقند گیا۔

بعض مؤرخین نے لکھا ہے وہ اپنے باپ (سلطان سکندر) کی حیات ہی میں کشمیر میں واپس آگیا اور بعض نے لکھا ہے جب اُسے اپنے باپ کی موت اور بھائی کی تخت نشینی کی اطلاع ملی تو وہ اپنے وطن چلا آیا۔

ان تمام اختلافات وحالات پر غائر نظر ڈالنے کی ضرورت ہے "بہت بڑی عمر" کا معیار ۶۹ سال نہیں ہوسکتا۔ کم سے کم اسّی نوّے سال تک "بڑی عمر" کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔

---

[1] خود راقم الحروف نے بھی مکمل تاریخ کشمیر حصہ دوم میں بڈشاہ کی یہی عمر لکھی ہے۔

[2] صوفی غلام محی الدین صاحب ایم اے مصنف اسلامک کلچر ان کشمیر (انگریزی)

Marfat.com

اگر یہ فرض کیا جائے کہ پانچ چھ سال کی عمر میں بادشاہ کی تعلیم کا سلسلہ شروع ہوا۔ تو اوّل درجہ پانچ سات سال اُس کا عرصۂ تعلیم بھی سمجھنا چاہئیے۔ پھر سنہ ۱۰۱ ۳۱۹ میں سلطان بندری کے بعد وہ سمرقند جاتا ہے۔ اُس وقت اُس کی عمر بارہ تیرہ سال سے کیا کم ہو گی۔ چھ سات سال وہ سمرقند میں رہتا ہے۔ اور ۸۰۸ھ میں واپس آتا ہے۔ جبکہ اُس کی عمر بیس پچیس سال کے قریب تھی۔ یہ بھی سب نے تسلیم کیا ہے کہ وہ سمرقند میں بہت کچھ سیکھ کر آیا۔ اور صناعوں اور کاریگروں کی ایک جماعت اپنے ساتھ لایا۔ یقیناً یہ باتیں دس بارہ سال کے بچے سے ظہور میں نہیں آ سکتیں۔ سمرقند سے واپسی یعنی ۸۰۸ھ میں اس کی عمر کا کم سے کم اندازہ بیس سال ہی تصور کرنا پڑتا ہے۔ اس حساب سے وہ اپنے دادا سلطان قطب الدین کے عہد میں ۸۰۰ھ میں پیدا ہوا تھا اور اپنے باپ کی زندگی ہی میں سمرقند سے واپس آ گیا تھا۔

بادشاہ کا اصل نام کیا تھا

بادشاہ اپنے بھائی علی شاہ سے جس کا اصل نام میراں خاں تھا، چھوٹا تھا۔ جب یہ پیدا ہوا تو باپ نے آثارِ سعادت و اقبال دیکھ کر نام شاہرخ مرزا[1] رکھا۔ کشمیر میں چونکہ اصل نام سے بہت کم لوگ مشہور ہوتے ہیں ان کا کوئی نہ کوئی عرف ان کے اعمال یا ان کے خاندان یا اُن کے مشکل نام کی وجہ سے جو زبان پر آسانی سے نہیں چڑھ سکتا مشہور ہو جاتا ہے۔ یہاں تک کہ لوگ اُس کے اصل نام کو بالکل بھول جاتے ہیں۔ اسی طرح شاہرخ کا نام اہلِ کشمیر نے شاہی خاں پکارنا شروع کیا۔ اور شہزادگی کے زمانہ تک وہ اسی نام سے مشہور رہا۔ اور اب غالباً کوئی شخص بھی نہیں جانتا کہ اس کا اصل نام شاہرخ تھا یا شاہی خاں۔

---

[1] فتیاسِ کرم (اخیر مطبوعہ) صفحہ ۳۱۹

Marfat.com

بچپن اور تعلیم

شاہی خاں کے بچپن میں کوئی معمولی بات نہ تھی۔ محلات شاہی میں پیدا ہوا۔ وہیں پلا اور وہیں اُس نے بچپن گزارا۔ اُس کے بچپن کے صرف دو واقعات مختلف تاریخوں کی چھان بین کے بعد مل سکتے ہیں۔ اور اُن دونوں کا تعلق بھی مشائخ عظام کی ذات قدس سے ہے۔

سلطان سکندر بت شکن کے زمانہ میں سید حسین خوارزمی[1] ایک بڑے بزرگ کشمیر میں رونق افروز تھے۔ سکندر ایک دن اپنے دونوں شہزادوں کو دعائے حصول دولت و برکت کے لیے سید ممدوح کے پاس لے گیا۔ چنانچہ آپ کی دعا سے دونوں شاہزادے سعادت دارین سے بہرہ ور ہوئے یعنی پہلے علیشاہ تخت پر بیٹھا۔ اور اُس کے بعد شاہی خاں۔

شاہی خاں اپنے بچپن کے زمانہ میں ایک مرتبہ شیخ بہاؤالدین کی خدمت میں گیا۔ وہ اس کی خوش تمیزی و خوش کلامی سے بہت خوش ہوئے۔ بنظر فیض اثر سے دیکھا اور فرمایا (بحکم خدا) "ترا پادشاہ دین و دنیا کردیم و گنج ہائے فراواں بتو بخشیدیم"۔

شاہی خاں کے آئندہ حالات پڑھنے سے معلوم ہوگا کہ وہ واقعی "بادشاہ دین و دنیا" ہوکر "گنج ہائے فراواں" کا مالک بنا۔ اسی دن سے شیخ بہاؤالدین "بہاؤالدین گنج بخش" کے نام سے مشہور ہوگئے۔

---

[1] آپ کا مزار محلہ سنور میں ہے ۱۲۔

Marfat.com

سکندر نے اپنے ہونہار فرزند کے لیے مولانا کبیر کو استاد مقرر کیا۔ چنانچہ علوم ظاہری کی تکمیل اُس نے مولانا ہی سے حاصل کی۔ بادشاہ کو علوم دینی و دنیوی سے جو محبت تھی وہ سب مولانا ہی کی فیض صحبت کا نتیجہ تھی۔ شاہی خاں نے بادشاہ ہو کر مولانا کو شیخ الاسلام کا عہدہ عطا کیا۔ اور ہرات سے جہاں وہ سکندر کے زمانہ ہی میں چلے گئے تھے بڑی منتوں اور خواہشوں سے بلوایا۔

مولانا کبیر ہی کی تعلیم نے شاہی خاں کو علم تفسیر و حدیث اور فقہ و اصول سے باخبر کیا اور بعد میں وہ اپنے ذاتی شوق و مطالعہ سے ان علوم میں ماہر کامل ہو گیا۔

امیر تیمور کا حملۂ ہند سلطان محمود تغلق دہلی کا اور سلطان سکندر کشمیر کا بادشاہ تھا کہ تخت دہلی کی کمزوریوں کے حالات سُن سُن کر امیر تیمور[۱] ۱۲ محرم ۸۰۱ھ / ۱۳۹۸ء کو سمرقند و کابل عبور کر کے حدود پنجاب میں داخل ہوا اور دہلی پہنچنے تک جو مقام اور جو گاؤں راستے میں آیا۔ قتل عام کرنا اور لوگوں سے سامان خورد نوش چھین کر گاؤں کو جلانا اور خاک سیاہ کرتا گیا۔ دہلی پہنچ کر بھی پانچ دن تک وہ قتل عام کیا کہ ایک لاکھ سے زیادہ انسان موت کے گھاٹ اُتر گئے۔ صرف پاک پٹن کہ اُس زمانہ میں اُس کو اجودھن کہتے تھے۔ بابا فریدالدین شکر گنج کی زیارت کی وجہ سے جہاں امیر خود بھی حاضر ہوا تھا اُس کی تیغ ستم سے بچ رہا۔

تیمور دہلی میں تین ہفتہ سے زیادہ نہیں رہا۔ لیکن دہلی کی اُس نے اینٹ سے اینٹ بجا دی۔ ہندوستان کے تمام راجہ اور بادشاہ اُس کے نام سے

---

[۱]: پیدائش ۷۳۶ھ حملۂ ہند کے وقت اُسکی عمر ۶۵ سال تھی۔ تاریخ وفات ۸۰۷ھ۔ بابر اُسکی چھٹی پشت میں تھا۔

Marfat.com

کانپتے تھے۔ اور اُس کا نام سُن کر عود بخود طوق غلامی و متابعت اپنے گلے میں ڈالتے تھے۔

شیخا گکھڑ اور جسرت گکھڑ دو بھائی خاندان تغلق کی کمزوریوں کی وجہ سے پنجاب میں اپنا تسلط بٹھا رہے تھے۔ تیمور نے جسرت گکھڑ کو شکست دی جب تیمور دہلی میں قتل عام کر کے اور ایک لاکھ ہندی اپنے پنجۂ قہر میں گرفتار کر کے واپس آیا تو اُس وقت جسرت کا بھائی شیخا گکھڑ قلعۂ لاہور پر قابض تھا۔ تیمور نے اُسے گرفتار کر کے قتل کیا اور لاہور، دیپال پور اور ملتان کی حکومت خضر خاں کے سپرد کی جو پہلے تو تیمور کے نام ہی سے حکومت کرتا رہا اور بعد ازاں اپنا خطبہ و سکہ جاری کر کے خاندان سادات کی حکومت کا بانی بنا۔

امیر تیمور اور کشمیر ترکستان و خراسان بلکہ تمام وسط ایشیا میں سکہ بٹھانے کے بعد امیر تیمور نے جب تسخیر ہند کا ارادہ کیا۔ تو ہندوستان میں تہلکہ مچ گیا۔ کشمیر میں اُس وقت سکندر کی حکومت کو ابھی چار پانچ سال ہی گزرے تھے۔ اُس نے بھی اُسی دانشمندی سے کام لیا جو دوسرے والیان ملک تیمور کے مقابلہ میں ظاہر کر رہے تھے چنانچہ جب تیمور اٹک کو عبور کر چکا تو سلطان نے اپنا ایک ایلچی تیمور کے پاس اظہار متابعت کے لیے بھیجا۔ تیمور سلطان کی حُسن قابلیت سے بہت خوش ہوا اور اُس نے اپنے ایلچیوں کے ہمراہ دو زنجیر فیل ایک تمغہ شاہی اور ایک خلعت گراں قدر سلطان کے پاس بھجوایا۔ سلطان نے اُس کے جواب میں ایک وفد کے ہاتھ جس کے سرکردہ مولانا نور الدین تھے۔ بہت سے تحائف صاحبقران امیر تیمور کی خدمت میں بھیجے اور اخلاص اور بندگی کا اظہار کر کے لکھا کہ جس مقام پر حکم ہو، ملاقات کے لیے حاضر ہوں۔ اور امیر کے ایلچیوں کو زر خطیر اور علیحدہ علیحدہ خلعت دے کر بہ اعزاز و احترام رخصت کیا۔

ایلچیوں نے صاحبقراں کے پاس واپس آکر سلطان کے اخلاق حمیدہ بیان کیے۔ صاحبقراں بہت خوش ہوئے۔ اور ایک خلعت زردوزی اور ایک بیش قیمت گھوڑا معہ ساز و براق مرصع بادشاہ کشمیر کو اظہار خوشنودی کے طور پر بھیجا اور لکھا کہ جب ما بدولت و اقبال دہلی سے پنجاب کی طرف مراجعت فرمائیں۔ تو آپ کو ملاقات کے لیے آنا لازمی ہوگا۔

جب تیمور دہلی سے واپس پنجاب کی طرف روانہ ہوا تو سلطان سکندر بھی ملازمت شاہی سے مشرف ہونے کے لیے کشمیر سے باہر نکلا ابھی رستے ہی میں تھا کہ امرائے تیمور کا پیغام ملا، کہ سلطان کو مناسب ہے کہ صاحبقراں کی شان کے مطابق نذرانہ لائے اور کم سے کم تیس ہزار گھوڑے اور ایک لاکھ اشرفی طلائی پیش کش میں ضرور ہو۔ سکندر نے اس پیغام سے پریشان ہوکر اپنے ایلچی تیمور کے پاس یہ پیغام دے کر بھیجے کہ پیش کش بندگان حضرت کے لائق بہم نہیں پہنچ سکی۔ اس لیے چند روز توقف کے بعد حاضر ہوں گا۔ جب تیمور کو یہ علم ہوا کہ میرے امراؤ وزراء نے اس قسم کے بے جا اور نامعقول احکام جاری کر کے سلطان کو متردد کر دیا ہے تو وہ اُن پر بہت ناراض ہوا اور سخت چشم نمائی کی۔ چنانچہ تیمور نے سکندر کے ایلچیوں کی بہت خاطر تواضع کی اور کہا کہ سلطان کو مطلع کر دو کہ نذرانہ اور پیشکش کا کوئی تردد نہ کرے اور بہ اطمینان تمام دریائے اٹک کے کنارے پر حاضر رہے۔

ایلچیوں نے جب سلطان تیمور کے خیالات کا اظہار کیا۔ تو وہ بہت محظوظ ہوا اور سامان سفر درست کر کے پھر پنجاب کی سمت روانہ ہوا ابھی بارہ مولا ہی پہنچا تھا کہ سلطان کو تیمور کے اٹک سے پار ہو جانے کی خبر ملی۔

شاہی خان اور امیر تیمور

سلطان سکندر نے تیمور کے جانے کی خبر سن کر اپنا

Marfat.com

ارادہ تو فسخ کر دیا اور اپنے دوسرے بیٹے شاہی خاں کو تمام مخالف [illegible] تیمور کے پاس بھیجا۔ خواجہ[ئ] بدیع اللہ بانڈے جو تیمور کا ملازم تھا وہ بھی شاہی خاں کے ساتھ ہو گیا۔ گھکھی خاں اور حاتم خاں[شعہ] دو نو مسلم راجپوت جو دونوں حقیقی بھائی تھے وہ بھی اس سفر میں اس کے ساتھ تھے۔

شاہی خاں آندھی اور بگولے کی طرح دوڑا اور تیمور کے [illegible] ہی میں جا ملا۔ وہ سلطان کی وعدہ وفائی اور شاہی خاں کی سعادتمندی سے [illegible] ہوا اور حکم دیا کہ تیمور کے ساتھ سمرقند تک چلے۔ یہ واقعہ آخیر رجب ۸۰۱ھ یا [illegible] کا ہے۔

شاہی خاں سمرقند میں

شاہی خاں کبھی کشمیر سے باہر نہ نکلا تھا اور نہ [illegible] پرورده نے ایک دشوار گزار اور طویل سفر [illegible] [illegible] چونکہ [illegible] ساتھ تھی۔ اس لیے اس کی [illegible] [illegible] اور حاتم خاں نے [illegible] شاہی خاں کی خدمات [illegible] [illegible] نے خوش ہو کر [illegible] [illegible] کشمیر میں [illegible] نصیب ہوئی تو تم دونوں بھائیوں کو [illegible] گیا [illegible]

ئ: [illegible]

شعہ: [illegible] کشمیر [illegible] ان کے [illegible] مسلمان ہو کر [illegible] اپنے نام [illegible] خاں [illegible] جلد اول صفحہ [illegible]

Marfat.com

چنانچہ شاہی خاں نے اپنی بادشاہی کے زمانہ میں علاقہ کھاوڑ میں ان کو جاگیر عطا کر کے اپنا وعدہ پورا کیا۔

شاہی خاں کی عمر بہت زیادہ نہ تھی۔ ابھی عنفوان شباب کا عالم تھا اور ہر چند بعض مؤرخین کے قول کے مطابق وہ سمرقند میں بطور یرغمال رہائش رکھتا تھا تاہم گرد و پیش کے حالات سے وہ بے خبر نہ تھا۔ سمرقند اور ترکستان میں تمام ایسے حالات کو جو اُس کے اپنے وطن کے لیے مفید تھے وہ بہ نظر غائر دیکھتا تھا۔

اُس نے دیکھا کہ اُس کے ملک میں صنّاعوں پیشہ وروں اور کاریگروں کی بہت کمی ہے اُن سے میل جول رکھتا اُن کو بلاتا اور اُن کی حوصلہ افزائی کرتا۔ اسی طرح سمرقندی علماء و مشائخ سے اُس نے علوم دینیہ حاصل کیے۔

شاہی خاں کی واپسی کشمیر میں

شاہی خاں سات سال تک کشمیر میں رہا۔ اُس نے امیر تیمور سے کئی مرتبہ مراجعت وطن کی اجازت طلب کی لیکن تیمور اس شہزادہ پر بہت مہربان تھا۔ اُس کو اُس نے اپنی زندگی میں کبھی واپسی کی اجازت نہ دی۔ شاہی خاں شہزادہ تھا۔ وہاں بھی شاہزادوں کی طرح رہا۔ تیمور نے اس نوعمر شاہزادے اور اُس کے ہمراہیوں کے آرام کے لیے ہر قسم کا سامان ضرورت سے زیادہ اُن کو عنایت کیا۔ شاہزادہ کو وہاں کوئی تکلیف نہ تھی لیکن مہجورئ وطن کا ایک ایسا آزار تھا کہ اُس کو کسی کروٹ چین نہ لینے دیتا تھا۔

آخر جب ۱۷ شعبان [۱] ۸۰۷ھ کو چہار شنبہ کے دن امیر تیمور کا

---

[۱] از تذکرۃ الصادقین غیر مطبوعہ سال تصنیف ۱۲۰۴ھ بعہد تیمور شاہ درانی بہ نظامت کشمیر سردار جمعہ خاں الکوزئی مصنف مفتی صدر الدین وفائی دختر زادہ شیخ الاسلام مُلّا قوام الدین کاشمیری۔

Marfat.com

انتقال ہو گیا تو شاہی خاں کو واپسی وطن کی امیدیں ہونے لگیں چنانچہ وہ اوائل ۸۰۸ھ میں
کشمیر پہنچ گیا۔ سلطان سکندر اُس کا باپ زندہ تھا۔ اُس نے اپنے بیٹے کو لڑکپن کی عمر میں دیکھا
تھا جوان دیکھ کر اُس کی باچھیں کھل گئیں۔ دھوم دھام سے استقبال کر کے محلات شاہی
میں لایا۔

سلطان سکندر کی وفات اور علیشاہ کی تخت نشینی

سلطان سکندر کا دامنِ ... بن کر ... نیپ بحرقہ حسب مرض ... موت
ہوا تو اس نے اپنے تینوں بیٹوں، میر خاں۔ شاہی خاں اور محمد خان کو بلوایا۔ اتفاق و اتحاد کی
نصائح کیں۔ پسر کلاں میر خاں کو خلعت ولی عہدی عطا کیا اور باقی دونوں کو اُس کی متابعت کا
حکم دیکر آپ ۲۲ محرم ۸۲۰ھ/۱۴۱۷ء کو اس جہان فانی سے رخصت ہو گیا۔

ملک سیف الدین جو سکندر کے زمانہ میں سلطنت کا مختار ... تھا
تھا بدستور میر خاں کا جس نے اپنا نام بادشاہ ہو کر علیشاہ رکھا تھا وزیر بنا رہا۔ شاہی خاں اور محمد
خاں کو جاگیرات عطا کی گئیں۔ پانچ سال کے بعد ۸۲۵ھ میں ملک سیف الدین انتقال کر گیا

شاہی خاں منصب وزارت پر

علیشاہ نے منصب وزارت پر اپنے چھوٹے بھائی شاہی
خاں کو سرفراز کیا۔ اُس وقت ملک کی یہ حالت تھی کہ
چاروں طرف ملک سیف الدین کے خوف و تشدد سے سناٹا چھایا ہوا تھا ...
سہمے ہوئے تھے اور کھلے بندوں پوجا پاٹ تک بھی نہ کر سکتے تھے۔

شاہی خاں نے نہایت نازک حالات میں وزارت کا عہدہ
اپنے ہاتھ میں لیا چونکہ انہی کے حضور طرح اپنے سمرقند میں دیکھ آیا تھا ... اسلام کی ...

مسلمانوں کا جو سبق اُسے دیا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ اپنے ملک میں بھی رائج کرے اور اسلام اور مسلمانوں سے جو بدگمانی ماتحت قوم کو ہو رہی ہے، اُس کو دور کرے۔ اس نے بادشاہ سے کامل انتظام و اختیارات طلب کیے جو اُس نے عنایت کر دیے۔

شاہی خاں نے تھوڑی ہی مدت میں عدل و انصاف کا وہ سکہ بٹھایا کہ ہندو جو ہمیشہ مضطرب الحال رہتے تھے امن و امان سے زندگی بسر کرنے لگے۔ بادشاہ نے بھی محسوس کیا کہ اب میرے ملک میں کوئی بے چینی اور بدمزگی نہیں ہے چنانچہ وہ شاہی خاں کو اپنا نائب السلطنت بنا کر زیارت حرمین شریفین کے لیے روانہ ہو گیا اس وقت اس کی سلطنت کو چھ سال چھ ماہ کا عرصہ گذر چکا تھا۔

علیشاہ کی حج کو روانگی اور جموں پہنچ کر ارادہ کی تنسیخ

علیشاہ شاہی خاں کو نائب السلطنت اور اُس سے چھوٹے بھائی محمد خاں کو اُس کی فرمانبرداری کے احکام دیکر جاہ و جلال اور دھوم دھام کے ساتھ حج کا ارادہ کیے ہوئے کشمیر سے باہر نکلا۔ جب جموں پہنچا تو راجہ جموں نے جس کو مختلف مؤرخین[۱] نے علیشاہ کا خسر لکھا ہے۔ ترک جہانداری پر ملامت کی۔ شہاب الدین[۲] راجہ راجوری بھی بادشاہ کے آنے کی خبر

---

[۱] تاریخ فرشتہ۔ تاریخ نادری۔ تاریخ کشمیر پنڈت نرائن کول عاجز غیر مطبوعہ۔ سال تصنیف ۱۱۲۳ھ [illegible] قلمی۔ واجیز التواریخ قلمی۔ تاریخ پنڈت بیربر کاچرو قلمی وغیرہ

[۲] از تذکرہ راجگان راجور مطبوعہ ۱۹۰۷ء صفحہ ۶۳، ۶۴ جہانگیر تزک میں لکھتا ہے فیروز شاہ خلجی کے زمانہ میں راجگان [illegible] مشرف باسلام ہوئے مصنف راجگان راجور صفحہ ۴۴ پر لکھتا ہے کہ راجہ صاحب سینہ اور اس کے بیٹے [illegible] دیگر متعلقین نے بزمانہ سلطان شہاب الدین غوری بطیب خاطر اسی کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا۔ راجہ کا اسلامی نام [illegible] شہاب الدین خاں اور اس کے بیٹے کا نام نور الدین خاں رکھا گیا۔ صاحب تاریخ۔ حاشیہ صفحہ ہذا آئندہ صفحہ پر دیکھیں۔

Marfat.com

سن کر سلام و ملاقات کو جموں آیا ہوا تھا۔ اس نے بھی راجہ جموں کی تائید کی اور حج کے ارادہ سے باز رکھا۔ سلطان بھی آخر انسان ہی تھا۔ اُن کی باتوں میں آگیا اور پشیمان ہو کر بازگشت کا ارادہ کرنے لگا لیکن یہ خوف لحظہ بہ لحظہ غالب آرہا تھا کہ ملک بھائی کے قبضہ میں ہے۔ فوج سپاہ خزانہ سب اُس کے پاس ہے۔ میں تنہا بازگشت بھی کر دوں گا تو کونسا پہاڑ ڈھالوں گا

راجہ جموں کو جب یہ خبر ہوئی تو اُس نے اپنی تمام فوج اُسکے سپرد کر دی۔ بلکہ راجۂ راجور نے بھی علیشاہ کو اپنی فوج سے بہت مدد دی اور نقد روپیہ بھی دونوں راجوں نے کافی تعداد میں دیا۔

دونوں بھائیوں کی باہمی خوں ریز جنگ

شاہی خاں کو جب راجگان راجوری و جموں کی اس ساز باز کا علم ہوا تو اس نے بھائی کی اس حالت پر بس سے وہ دین و دنیا دونوں سے محروم نظر آرہا تھا بہت افسوس کیا لیکن اُس نے اپنے ملک کے ماتحت راجگان کی فوجی مدد کے خوف سے دب کر ہاتھ میں آئی ہوئی سلطنت کا واپس دینا نامناسب نہ سمجھا۔

چنانچہ جب اُس نے یہ سُنا کہ علیشاہ دو راجاؤں کی فوج سے کر براہ بھکلی (رہزارہ) کشمیر پر حملہ آور ہونے کی غرض سے آرہا ہے تو وہ بھی مقابلہ کے لیے باہر نکلا لیکن یہ ابھی چونکہ نائب السلطنت تھا اور عوام پر بادشاہ کا رعب غالب تھا۔ اس لیے اہل ملک نے اس کی خواہش کے مطابق اُس کا ساتھ نہ دیا تاہم اوڑی کے میدان میں دونوں بھائی آمنے

حاشیہ صفحہ سابقہ :۔ حسن راجگان راجور کے حالات میں لکھتے ہیں: "درعہد محمد شاہ دین اسلام قبول کردہ مطیع صوبہ کشمیر شدہ بودند" لیکن ہمارے خیال میں تزک جہانگیری یا راجگان راجور دونوں میں سے کسی ایک کی تحریر صحیح ہے

Marfat.com

سامنے ہو گئے۔ اس لڑائی میں ہر چند کشتوں کے پشتے لگ گئے مگر شاہی خاں کی حکومت کو چونکہ ابھی استقلال نہ ہوا تھا۔ اس لیے وہ ہزیمت اٹھا کر پنجاب کی طرف بھاگا[1] اور سیالکوٹ میں پہنچ کر اس نے دم لیا۔

علیشاہ پھر کشمیر کا بادشاہ ہو گیا مبارک سلامت کے شور و غل سے پہاڑ گونج اٹھے۔ راجہ جموں و راجور کے احسانات سے بادشاہ کی گردن دبی جا رہی تھی کہ تین ماہ کے بعد شاہی خاں جسرت گکھڑ سے جو نواح پنجاب میں بڑے عروج پر تھا مدد لیکر کشمیر پر چڑھ آیا۔ دونوں بھائیوں میں پھر ایک سخت خون ریز جنگ ہوئی۔ مگر اس مرتبہ تقدیر شاہی خاں کے سر پر چتر شاہی کا سایہ کر رہی تھی۔ اس لیے شاہی خاں نے کامل فتح پائی۔ علیشاہ گرفتار[2] ہو کر پھکلی میں[3] نظر بند کیا گیا۔ اور اسی حالت نظر بندی میں وہ انتقال کر گیا۔[4]

---

[1]: از تذکرہ راجگان راجور صفحہ ۶۳، ۶۴۔

[2]: دبیر التواریخ و دیگر تواریخ ہائے کشمیر۔

[3]: سرکار پھکلی میں تین ولایتیں ہیں۔ بنیر۔ سواد۔ باجور۔ میر سید علی ہمدانی کشمیر سے واپس اپنے وطن جاتے ہوئے اسی علاقہ میں وفات پا گئے تھے اور اپنی وصیت کے مطابق خطلان میں دفن ہوئے تھے۔ یہ علاقہ بڑا سرسبز اور نگریز ہے۔ یہ تینوں ولایتیں جن کا نام سرکار پھکلی تھا سلاطین کشمیر کے ماتحت تھیں۔ (از سیر المتاخرین جلد اول در ذکر سرکار پھکلی)۔

[4]: صاحب سیر المتاخرین جلد اول و صاحب تاریخ فرشتہ جلد اول میں لکھتے ہیں کہ یہ واقعہ جمادی الاول ۸۲۳ھ میں پیش آیا اور اس وقت علیشاہ ٹھٹھ (سندھ) سے واپس آ رہا تھا جسرت گکھڑ اس کی قلیل جمعیت دیکھ کر پنجاب میں اس کا سد راہ ہوا اور حرب و ضرب کے بعد اس نے علیشاہ کو زندہ گرفتار کر لیا اور غنیمت بے شمار حاصل کر کے مغرور و متکبر ہو گیا۔ اس زمانہ (بقیہ حاشیہ بر صفحہ آئندہ)

Marfat.com

دوسرا باب

بادشاہ کی تخت نشینی

جشن وجلوس۔ ملکی ومالی تغیر وتبدل۔ طائفہ کوچیاں کا استیصال۔ بادشاہ کے نام میں تبدیلی۔ ہندوؤں کی دلجوئی۔ شفاخانے اور دائیاں۔ بادشاہ کے تجارتی احکام اور کسٹم چوکیاں وغیرہ۔

حصولِ سلطنت پر بھائی بھائی اور باپ بیٹے میں جنگ

جب جہانگیر کی تخت نشینی پر اُس کے بیٹے خسرو نے بغاوت کی اور وہ آگرہ سے بھاگ کر لاہور کی طرف اپنی جمعیت بنانے اور باپ کا مقابلہ

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) میں حضر خان کا بیٹا مبارک شاہ دہلی کا بادشاہ اور ملک جسرت سدوزئی نادری دیپال پور پنجاب کا گورنر تھا۔ کشمیر کی مسلمان تاریخیں جن میں نسخہ مطبوعہ کی نقل ہے سیر المتاخرین اور تاریخ فرشتہ کی تائید کرتی ہیں اور نہ علیشاہ کے حالات سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ نواح پنجاب میں کبھی جسرت کے ہاتھ میں گرفتار رہا۔ البتہ یہ ممکن ہے کہ شاہی خاں نے جسرت سے امداد لیکر جو حملہ علیشاہ پر کیا تھا اُس میں جسرت بھی شامل ہو۔ چونکہ اس لڑائی میں علیشاہ گرفتار ہوکر پکلی میں نظر بند کر دیا گیا تھا۔ اسلئے مورخین ہند نے اس خیال سے کہ شاہی خاں کیساتھ افواج جسرت ہی کی کثرت تھی جسرت ہی کے ہاتھ میں علیشاہ کا گرفتار ہونا لکھ دیا۔

Marfat.com

کرنے کے لیے بھاگ آیا اور بادشاہ نے اس کے تعاقب میں اپنے معتمد افسر بھیجے تو افسروں نے بادشاہ سے دریافت کیا کہ اگر وہ بغیر لڑائی کے قابو نہ آئے تو کیا ارشاد ہے۔ بادشاہ نے کہا۔ معاملات سلطنت میں کوئی خویشاوندی نہیں ہے۔ نرمی سے گرمی سے جس طرح وہ رام ہو اسے قابو کر د اور اگر دوران جنگ میں اُس کی جان بھی چلی جائے تو اس کی کوئی باز پُرس بازنہ ہو گی بلکہ وہ اپنے کیے کی سزا پائے گا۔

معاملات سلطنت تو بڑی بات ہیں معمولی معمولی باتوں پر حقیقی بھائیوں اور باپ بیٹوں تک خون خرابے ہو جاتے ہیں لیکن بعض امورات میں کوئی نہ کوئی حکمت الٰہی بھی پوشیدہ ہوتی ہے مثلاً اگر خسرو تخت پر بیٹھ جاتا تو وہ اپنی عادات اپنے اخلاق اور اپنے ہم جیسوں کی نالائقیوں کی وجہ سے حکومت کے قطعی نا قابل تھا۔ ملک میں خانہ جنگیوں اور بغاوتوں کا بازار گرم ہو جاتا اور رعیت و راعی دونوں تباہ ہو جاتے۔

دارا شکوہ اور اس کے بھائیوں کے قتل اور شاہجہان کی قید کے واقعات واقعی بڑے درد ناک ہیں اور اس لحاظ سے اورنگ زیب کی تصویر نہایت ہیبت ناک اور خونریز نظر آتی ہے اور یہ بھی صحیح ہے۔ ؎

شربت سلطنت و جاہ چناں شیریں است
کہ شہاں از پئے آن خون برادر ریزند ...

لیکن کوئی نہیں جانتا کہ دارا شکوہ باوجود شاہجہان کی ہر قسم کی امداد کے کسی لڑائی میں کامیاب نہ ہو سکا اور اس کی وجہ محض یہ تھی کہ وہ ایک صوفی مزاج شہزادہ تھا اور سلطنت کی اہلیت نہ رکھتا تھا۔ اس کے دوسرے بھائی اخلاقی حیثیت سے تمام عیوب کے ملجا و ماویٰ تھے۔ اورنگ زیب گو سب سے چھوٹا تھا لیکن نواب سعد اللہ خاں وزیر شاہجہان

Marfat.com

نے اورنگ زیب کی شہزادگی کے عالم ہی میں کہہ دیا تھا کہ اورنگ زیب ہی زیب اورنگ ہونا نظر آتا ہے اور کون نہیں جانتا کہ اس فرزانہ وزیر کی پیشن گوئی حرف بہ حرف صحیح نکلی۔

یہی حال شاہی خاں اور علیشاہ کے متعلق قیاس کیا جاسکتا ہے۔
علیشاہ سے تمام رعایا ناراض تھی۔ شاہی خاں نے وزیر ہو کر تمام رعایا کی دلجوئی کی۔ جب علیشاہ حج کو روانہ ہوا ہے اور جموں اور راجور کے راجاؤں نے اُسے بھائی کی طرف سے بدگمان اور ثواب حج سے محروم کر کے بھائی کے ساتھ جنگ کرنے کو بھیجا ہے۔ تو شاہی خاں نے اس بدگمانی کو اپنی ذلت و تحقیر کا باعث سمجھ کر جنگ کا مقابلہ جنگ سے کیا۔ ظاہر بین نگاہوں میں شاہی خاں کو ایسا نہ کرنا چاہیئے تھا۔ لیکن کس کو خبر تھی کہ قدرت اس بدگمانی و سرکشی اور بڑے بھائی کی شکست و نظر بندی اور چھوٹے بھائی کی تخت نشینی و بادشاہی کے پردہ میں کشمیر کے انتہائی عروج کے اسباب پیدا کر رہی ہے۔

شاہی خاں سے زین العابدین

قدرت نے جس کو بطن مادری سے باہر آتے ہی شاہ رُخ بنا دیا تھا عوام نے اس کو شاہی خاں کا خطاب دیا اور جب سید حسین خوارزمی جیسے عابد و مرتاض بزرگ کی قبولیت دُعا کا وقت آیا تو شاہی خاں کا نام زین العابدین رکھا گیا جو واقعی اپنے تزکیۂ نفس اور اپنی ریاضت و عبادت سے زین العابدین اور اپنی طویل حکومت و رعایا پروری اور ہر دلعزیزی سے بڈشاہ یعنی بادشاہ اعظم ثابت ہوا۔

تخت نشینی کا ایک مصرع

بادشاہ نے تخت نشین ہونے کی خوشی میں عظیم پیمانہ پر ایک جشن کیا اور شان و شوکت سے ایک جلوس نکالا۔ شاعروں نے جلوس و جشن اور تخت نشینی پر قصیدے لکھے۔ تاریخیں کہیں۔ جو مقدر میں تھا وہ انعام بھی لیا۔ لیکن ایک تاریخ جس سے اس کی مسند آرائی کا مادہ نکلتا ہے نہ صرف اس سے بادشاہ کی

Marfat.com

آئندہ زندگی پر روشنی پڑتی ہے۔ بلکہ اس عام احساس کا بھی اظہار ہوتا ہے جو رعایا اس کے متعلق رکھتی تھی۔ یہ تاریخ ہے۔ ع

سایہ الطاف خدائے واہب

۸۲۶ھ میں بادشاہ نے تخت کو قدموں کے نیچے اور تاج کو جو اُس کا خاندانی اور نشینی "کلاہ" تھا سر پر رکھا۔

عہدوں کی تقسیم بادشاہ نے اپنے بڑے بھائی علیشاہ کو جس کا وہ نائب السلطنت تھا پہلے ہی میں نظر بند کر رکھا تھا۔ چھوٹا بھائی محمد خاں موجود تھا اُس کو نائب السلطنت یعنی وزارت عظمیٰ کا عہدہ تفویض کیا۔ ہمت رینہ اور احمد رینہ کو منصب سپہ سالاری عطا کیا۔ ملک مسعود ٹھاکر کو اپنے بھائی کے ماتحت مدار المہامی کا عہدہ عطا کیا۔ لیکن محکمہ عدالت و انصاف کا اعلیٰ عہدہ جس کا نام قاضی القضاۃ تھا۔ اُس وقت تک اپنے ہاتھ میں رکھا جب تک اُسے قاضی جمال الدین جیسا قابل جج نہ مل گیا۔

تخت نشینی پر قیدیوں کی رہائی تخت نشینی پر بادشاہ کے کسی خاص اعلان کا پتہ نہیں ملتا۔ لیکن تخت کے بعد اُس نے اپنی قابلِ تقلید رعایا پروری سے جو لازوال شہرت حاصل کی ہے وہ ظاہر کر رہی ہے کہ بادشاہ کی نظروں میں سب مذاہب کی یکساں عزت تھی۔ اُس کا طرزِ عمل ہی اُس کے گفتار و کردار کا مظہر ہے۔ اُس نے تخت نشین ہو کر نہ صرف اپنے بھائی کے زمانہ کے بلکہ سلاطین سابق کے عہد کے بھی تمام قیدی رہا کر کے زندان خانے بالکل سنسان کر دیے۔

بادشاہ کے رضاعی بھائی بادشاہ نے تخت پر بیٹھتے ہی جب نگاہ دور بین سے چاروں طرف دیکھا تو اُسے نظر آیا کہ ملک میں فتنہ پردازوں کی ایک جماعت موجود ہے جو اپنی ذاتی اغراض یعنی لوٹ مار کے لیے ملک میں شورش و سرکشی کے آثار

Marfat.com

پیدا کرتی رہتی ہے۔ چنانچہ بادشاہ نے نہایت نرمی و ملائیت اور کمال حکمت و تدبیر سے خون کا ایک قطرہ بہائے بغیر اس جماعت کے کئی سرکردہ لوگوں کو وظائف و جاگیرات عطا کر کے یا تو اپنا فرمانبردار بنا لیا یا اپنی حکمت عملیوں سے کام لے کر اُن کو ذلیل و خوار اور کمزور و بیجان کر دیا۔

لیکن کوچکان جو کئی پشتوں سے سلاطین کے کوکہ چلے آتے تھے اور بادشاہ کے دودھ بھائی کہلاتے تھے اس قدر عروج پا چکے تھے کہ امورات سلطنت میں دخل انداز ہوتے تھے اور اپنے اثر و رسوخ کی وجہ سے بعض اوقات بادشاہوں کے احکام کو بھی پس پشت ڈال دیتے تھے۔ زین العابدین ان کا تسلط و تغلب نائب السلطنت ہونے ہی کے زمانے سے دیکھ رہا تھا لیکن اب جبکہ وہ بادشاہ ہو گیا۔ اُس نے اُن کا رُعب داب اور اثر و رسوخ کم کرنا شروع کیا۔

بادشاہ کے دودھ بھائی اپنی یہ بے عزتی نہ دیکھ سکے۔ انھوں نے بادشاہ کا مقابلہ کیا اور بادشاہی احکام بلکہ شاہی افواج کو تنگ کرنے لگے۔ بادشاہ نے اپنی حکمت عملیوں سے اُن میں پھوٹ ڈالی کسی ایک کو جاگیر یا عطا کیں کسی ایک انعام و اکرام کی وجہ سے جاسوسی کا کام دینے لگے۔ آخر اس جماعت کے تین سرکردہ کسی نہ کسی طرح بادشاہ کے پاس نوشہرہ میں پہنچائے گئے۔ بادشاہ نے اُن کو اور اُن کے چند ساتھیوں کو اس حکمت و حسن دانائی اور حُسنِ تدبیر سے قتل کر دیا کہ کسی کو کانوں کان خبر بھی نہ ہوئی۔

فرقہ کوچکان کے باقی لوگ شرارتوں اور فتنہ انگیزیوں سے باز آ کر بادشاہ کے دربار میں آئے اور معافی کے خواستگار ہوئے۔ بادشاہ رحم و الطاف کا مجسّم نمونہ تھا۔ اُس نے سب کی جان بخشی کی۔

Marfat.com

بادشاہ کو تخت نشین ہوتے ہی سب سے زیادہ زبردست طاقت جو اپنے مقابلہ کی نظر آئی۔ وہ سلطان کے کوکون کا غلبہ و اقتدار تھا اب اُس کے مٹ جانے اور رضاعی بھائیوں کے راہِ راست اختیار کر لینے پر اُس نے اپنی دلی مسرت کا اظہار کیا۔

ہندوؤں کی دلجوئی

زین العابدین کی تخت نشینی سے پیشتر ہی اُس کے باپ اور بھائی کے زمانہ میں کشمیر کے کئی ہندو بعض جدید قوانین کی سختیوں کی تاب نہ لاکر یا تو اسلام قبول کر چکے تھے یا ترک وطن کر کے ملک سے باہر چلے گئے تھے۔ جب زین العابدین خود تخت پر بیٹھا اور ملک کو سرکشوں اور باغیوں اور دودھ بھائیوں کے فتنہ و فساد سے پاک کر چکا تو اس نے رعایا کی آبادی و سرسبزی کی طرف توجہ کی۔ سب سے پہلے اُس نے ہندوؤں کی دلجوئی کی۔ جو اب کشمیر میں خال خال نظر آتے تھے۔ اُس نے " لا اکرہ فی الدین "کی تفسیر وتشریح کے لیے بڑے بڑے علماء سے گفتگو کی اور بتایا کہ میرے باپ اور بھائی کے زمانہ میں " لا اکرہ فی الدین " کے خلاف عمل ہوتا رہا ہے۔ انھوں نے غیر اقوام اور غیر ممالک میں اسلام کو ایک خوفناک مجسمہ بنا کر پیش کیا ہے۔ حالانکہ اسلام ایک خوشنما قابل عمل اور آسانیاں پیدا کرنے والا مذہب ہے جو فطرت کے عین مطابق ہے۔

چنانچہ زین العابدین نے باپ اور بھائی کے عہد کے تمام قوانین و آئین جو غیر قوم کے لیے سوہان روح کا باعث تھے یک لخت موقوف کر دیے۔ جو لوگ ترک وطن کر چکے تھے ان کو واپس بلوایا۔ اُن کو بہت سی مراعات دیں اور ان کو اپنا بندۂ بے دام بنا لیا۔ ان تمام مراعات و احسانات کا ذکر علیحدہ ایک باب میں کیا جائے گا۔

سوکن کے جلاپے کا ایک دلچسپ مقدمہ

اس کی فراست میں بہت کچھ کتابوں میں لکھا ہے مسطور ہے کہ ہر ایسے کام کی تہ کو جس کے حل کرنے میں اکثر لوگ عاجز ہو جاتے تھے۔ وہ بخوبی اسلوبی پہنچ جاتا تھا۔ ایک شقی القلب

Marfat.com

عورت کا ذکر ہے کہ اُس نے سوکن کے جلاپے کی عداوت سے اندھی ہو کر اپنے صغر سن بچے کو اپنے ہاتھوں سے ہلاک کر کے مشہور یہ کر دیا کہ اس کی سوتیلی ماں نے اس کو مار ڈالا ہے۔ ماتحت عدالتوں سے ہوتے ہوتے یہ مقدمہ سلطان تک پہنچ گیا۔ اُس نے ملزمہ کو خلوت میں طلب کیا اور معافی کا وعدہ دیکر اصل حقیقت دریافت کرنی چاہی۔ لیکن وہ بدستور اس حرکت کے ارتکاب سے انکار کرتی رہی۔ آخر سلطان نے بہت کچھ سخت سست کہنے کے بعد کہا کہ اگر تو سچی ہے اور بے گناہ ہے تو کپڑے اتار کر تمام لوگوں کے سامنے برہنہ ہو کر کھڑی ہو جا۔ اور اسی برہنگی کی حالت میں کوچہ و بازار سے ہوتی ہوئی اپنے گھر چلی جا۔ عورت نے شرم و حیا سے سر نیچا کر لیا اور کہا "نزد من مُردن بہ ازیں عمل است۔ بخون خود راضی شدم ولیکن اختیار ایں عمل بخود قرار نمے توانم داد[1]"

سلطان نے اس کے بعد مدعیہ کو بلوایا اور اُسے بھی وہی کچھ کہا جو متہمہ عورت کو کہا تھا۔ مدعیہ نے برہنہ ہونے اور برہنگی کی حالت میں اپنے گھر تک جانے پر آمادگی ظاہر کی۔ بلکہ اپنے آپ کو سچا ثابت کرنے کے لیے کپڑے اتارنے لگی۔ بادشاہ نے اس بے حیائی و برہنگی سے اُسے منع کیا اور کہا یہ کام تمہارا ہی ہے۔ تم نے اپنی سوکن پر محض عداوت کی وجہ سے تہمت لگا رکھی ہے لیکن اس عورت نے پھر بھی انکار کیا۔ اس پر بادشاہ نے حکم دیا کہ اس کو تازیانے لگائے جائیں۔ چنانچہ اس نے اپنے مجرمہ ہونے کا اقبال کر کے اس دردناک قتل کی تمام کیفیت من وعن بیان کر دی اور آخر اپنے کیے کی سزا پائی۔

چوری کا انسداد

صاحب طبقات لکھتے ہیں اس کے عہد میں جہاں کہیں چوری کا کوئی واقعہ ہوتا مال و اسباب کا نقصان اُس موضع کے باشندوں سے وصول

---

[1] : طبقات اکبری صفحہ ۲۰۲ ۔ ۲۰۶ ۔

Marfat.com

کر لیا جاتا۔ اس طریق سے اس کے زمانہ میں چوری بالکل بند ہو گئی تھی۔

صاحب وجیز التواریخ بھی اس کی تائید کرتے ہیں اور لکھتے ہیں:

جہاں کہیں بھی چوری کی خبر سنی جاتی۔ شہر کے رئیس اور علاقہ کے کوتوال سے مال مسروقہ کی قیمت وصول کی جاتی اور یہ رقم جو اس زمانہ میں تاوان کے نام سے موسوم تھی اس شخص کو بہ اخذ رسید دی جاتی جس کا مال چوری ہو جاتا۔

مکمل تاریخ کشمیر حصہ دوم میں ان دونوں کی تصدیق کی گئی ہے۔
اور لکھا ہے اس قسم کے قوانین اور اشتہارات سے چوری اس کے عہد میں بالکل عنقا ہو گئی تھی۔

حقیقت یہ ہے کہ یہ بات بادشاہ کے ذہن نشین ہو گئی تھی کہ گاؤں میں جو لوگ صاحب اثر ہوتے ہیں۔ چوریاں اُن کے ایما سے ہوتی ہیں اور وہ اُن میں حصہ دار ہوتے ہیں[۱]۔ اسی لیے اُس نے چوروں کو سزا دینے کی بجائے گاؤں کے ذمہ دار لوگوں پر مال مسروقہ کی قیمت کا تاوان ڈال رکھا تھا۔

مجرموں کو سزائیں

بادشاہ نے کسی کے قتل سے اپنے ہاتھ بہت کم آلودہ کیے ہیں۔ محکمہ انصاف مدت تک اُس نے اپنے ہاتھ میں رکھا ہے۔ بلکہ سمجھنا چاہیے کہ وہ بادشاہی کے علاوہ عرصہ دراز تک جب تک کہ اُس نے قاضی جمال الدین کو عہدہ مفتاء اعلیٰ مرحمت نہیں فرمایا چیف جج کے فرائض بھی خود ہی ادا کرتا تھا۔ اُس نے کسی کے قتل کا حکم دینے میں بڑی پس و پیش اور مقدمہ کے نشیب و فراز اور واقعہ کے کذب و

---

[۱]: یہ حقیقت آج بھی واقعات پر مبنی ہے۔ کشمیر کے دیہات میں اغوا، چوریاں وغیرہ اکثر نمبرداروں چوکیداروں بلکہ بعض مقامات پر ذیلداروں تک کے ایما و حکم سے ہوتی ہیں۔

Marfat.com

صدق پر گھنٹوں غور کیا ہے۔ اُس کے عہد میں بڑی سے بڑی سزا یہ تھی کہ مجرموں کے پیروں میں بیڑیاں ڈال کر اُن سے سلسلۂ تعمیرات میں مٹی اور پتھر کی ڈھلائی کا کام لیا جاتا تھا۔

بادشاہ کے جشن ہائے سالگرہ

بادشاہ اپنی سالگرہ ہر سال مناتا تھا۔ اس تقریب پر جشن بڑی دھوم دھام سے ہوتا تھا۔ رات کو دریائے بہت (جہلم) کے کناروں پر اس آب و تاب سے جشن چراغاں کرتا کہ تمام شہر بقعۂ نور بن جاتا۔ مستحقین اپنے حقوق حاصل کرتے۔ غُربا اور نادار لوگ خیرات کی مدد سے اپنا پیٹ پالتے۔

شفاخانے اور دائیاں

شری بٹ پنڈت نہ صرف افسر الاطبا ہی تھا بلکہ بادشاہ نے جو شفاخانے تیار کرائے تھے جن میں مریضوں کو دوائیں مفت ملتی تھیں وہ سب بھی اُسی کی نگرانی میں تھے۔ بادشاہ نے بہت سی طبّی کتب بھی ہندی سنسکرت اور عربی فارسی میں ترجمہ کرائیں۔

معلوم ہوتا ہے اس کی ہمدردی عورتوں کے ساتھ بھی تھی سمرقند سے واپسی کے وقت دیگر ارباب صنائع کے ساتھ دائیوں کی ایک جماعت بھی اپنے ہمراہ لایا۔ جیسا کہ تاریخ اعظمی[1] میں مذکور ہے۔

جمے از ارباب صنائع راشل کاغذگر وصحاف وقابلہ باف وزین ساز وقابلہ ہا کہ وقت وضع حمل خدمت عورات بہ کنند۔ باخود بہ کشمیر آورد۔

حرمت ماہ رمضان

بادشاہ کو اپنی انتہائی رحم دلی کی وجہ سے شکار سے نفرت تھی۔ بلکہ رمضان کا سارا مہینہ گوشت سے قطعی پرہیز کرتا تھا۔ اس

---

[1]: صفحہ ۴۸ مطبوعہ لاہور

Marfat.com

سے سمجھ لینا چاہیے کہ وہ حرمت ماہِ رمضان کے لیے اور کیا کچھ نہ کرتا ہوگا افطاری کا انتظام بادشاہ کی طرف سے کس اہتمام سے ہوتا ہوگا اور نوشہرہ کی شاہی مسجد میں بادشاہ کس ذوق وشوق سے تراویح کے لیے آتا ہوگا۔

زینہ جامہ بادشاہ نے اپنے عہد میں زینہ گیر کو آبادی و آبپاشی و باغات و ایوانات کی کثرت سے نمونۂ خلد بنا رکھا تھا۔ اُس زمانہ میں یہاں پٹوسازوں کی بھی کثرت تھی اور تمام کشمیر میں زینہ گیری پٹو سب سے بہتر سمجھا جاتا تھا۔ بادشاہ نے ایک کرتہ ایجاد کیا تھا جس کو زینہ جامہ[1] کہتے تھے اور وہ عموماً اُسی کا پٹو بنتا تھا[2]۔

کشمیر میں لباس کی تبدیلی ۷۸۵ھ سے شروع ہوئی ہے جبکہ امیر کبیر سید علی ہمدانی تیسری مرتبہ کشمیر میں آئے اور سلطان قطب الدین کو کشمیر کے قدیم لباس سے جو تنگ اور چست ہوتا تھا، منع کیا اور عرب کا لباس ایک لمبا کرتہ جس کو اب ہم پھرن کی شکل میں دیکھ رہے ہیں پہننے کا مشورہ دیا۔ یہ معلوم نہیں ہوسکا کہ وہ کرتہ کس قسم کا تھا جس کو زینہ جامہ کہتے تھے۔

پولیس چوکیاں کشمیر کے پہاڑوں نے کشمیر کی وادی کو چاروں طرف سے محفوظ رکھنے میں بہت مدد دی ہے لیکن ملک کی زیادہ حفاظت کے لیے کوہستانی درّوں پر زمانہ قدیم ہی سے چوکیوں کا سلسلہ بھی جاری رہا ہے۔ یہ چوکیاں عموماً قلعہ یا گڑھی کی صورت میں ہوتی تھیں۔ جن میں فوج اور پولیس کی کچھ تعداد رہا کرتی تھی جو اس بات کی ذمہ دار ہوتی تھی

---

[1]: تاریخ خواجہ اعظمی صفحہ ۷۶۔

[2]: صالح ماجی بیگم سلطان محمد شاہ نے خانقاہ معلّٰی کی مرمت و تعمیر کے اختتام پر معماروں نجاروں اور مزدوروں کو پنجہزار کلہ پرش پٹو کے علاوہ زینہ گیری پٹو کے بارہ سو زینہ جامہ بھی انعام میں دیے تھے۔ تاریخ اعظمی صفحہ ۷۶۔

Marfat.com

کہ کوئی شخص بلا اجازت یا بلا پروانہ ملک سے نہ باہر جا سکے نہ اندر آسکے۔ چنانچہ جب راجا سسل کا قاتل اتپل پشیان ناد کی طرف سے جس کا موجودہ نام پشیان ہے کشمیر میں داخل ہونے کی کوشش کر رہا تھا تو ہورپور کی چوکی کے محافظوں نے اس کو گرفتار کر لیا۔

پولیس اور فوج کی ذمہ داریاں علیحدہ علیحدہ بھی تھیں۔ پولیس نظم و انتظام کو برقرار رکھتی اور پروانہ راہداری دیکھتی تھی اور فوج پہاڑی شورہ پشتوں سے میدانی لوگوں کو محفوظ رکھتی تھی۔ قدیم ہندو زمانہ میں ان تمام سرحدی مقامات کے اختیارات ایک اعلیٰ سرکاری افسر کے سپرد ہوتے تھے جسے دوارپتی یا اسی قسم کے کسی اور نام سے مخاطب کیا جاتا تھا۔

اس طریق کا حوالہ عہد بڈشاہ کے نامور مؤرخ پنڈت زونراج نے بھی دیا ہے اور یہ بھی لکھا ہے کہ پروانہ راہداری کے سلسلہ میں بڈشاہ کے زمانہ میں بھی اس کے سخت احکام کے باوجود عہد قدیم کا جبر و تشدد قائم تھا اور پولیس لوگوں سے جبر یہ رقمیں وصول کر کے اُن کو ملک سے باہر جانے یا اندر آنے کی اجازت دیتی تھی۔

تجارتی احکام سوداگروں کا قاعدہ تھا کہ جو مال وہ دیہات و متصلات یا بیرون کشمیر سے لایا کرتے تھے اس کو گراں قیمت پر بیچنے کے لیے چھپا رکھتے۔ تجارت کے متعلق اسلام نے جو احکام دے رکھے ہیں۔ بادشاہ ان سے بے علم نہ تھا۔ وہ جانتا تھا کہ رسول خدا صلعم کا ارشاد ہے کہ جو شخص غلہ لا کر بہ نرخ حال بیچتا ہے خدا اس کی روزی میں برکت دیتا ہے اور جو شخص گرانی کی خاطر غلہ کو روک رکھتا ہے وہ رضائے حق سے دور کر دیا جاتا ہے۔ اس لیے بادشاہ نے نہایت سختی سے سوداگروں کے نام احکام جاری کیے کہ جو شخص اپنا مال گراں بیچنے کے لیے پوشیدہ رکھتا ہے اور زیادہ منافع لگا کر قحط اور گرانی کا موجب ہوتا ہے وہ [illegible] کا مجرم ہے۔ کوئی شخص [illegible] مال پوشیدہ

Marfat.com

نہ رکھے بلکہ بہت کم منافع پر فروخت کیا کرے ؎۵

بادشاہ کی دریائی سیر بادشاہ بالعموم سیر وسیاحت میں رہتا۔ میدانی سیر کی طرح وہ دریائی تفریحات کا بھی عاشق تھا اور بلند ورفیع پہاڑوں پر بھی جہاں وسیع چشمے ہوتے تھے وہ کشتی کی سیر کیا کرتا تھا۔ سب سے پہلے یہ دیکھنے کہ اس کے زمانہ میں کس قسم کی کشتیاں اس ملک میں رائج تھیں۔ ایک قسم لرّہ ناؤ کہلاتی تھی اس کو آجکل ہاؤس بوٹ سمجھنا چاہیے۔ اس کا طول ۳۰ سے ۴۰ اور عرض ۴ سے ۵ گز ہوتا تھا۔ اس کشتی کے درمیان اس کی نوکدار سمت جو سطح آب سے بہت اونچی رہتی تھی۔ ایک قد آدم آشیانہ یعنی سقف بنایا جاتا تھا جس کو حکام وسلاطین کے لیے سجایا جاتا۔ اس کے ہر دو جانب چالیس پچاس ملاح بیٹھتے اور اس ہاؤس بوٹ کو اس طرح چلاتے کہ وہ پانی پر چلتا نہیں بلکہ دوڑتا نظر آتا۔ اس قسم کی کشتی دریا۔ ڈل اور وُلر کے سوا اور کہیں استعمال نہ ہوسکتی تھی۔

کشتی کی دوسری قسم پرندہ کہلاتی تھی۔ اس کا طول ۲۰ سے ۳۰ گز اور عرض ۳ گز ہوتا۔ اس کی نوک پر ایک مربع بنگلہ تیار کیا جاتا جس میں حکام وسلاطین نشست فرماتے۔ لرّہ ناؤ اور پرندہ یہ دونوں قسم کی کشتیاں بادشاہ اور حکام کے لیے مخصوص تھیں۔

ہورپورہ کی چوکی میں لنگر خانہ اور حمالوں کی بستی انقلاب حکومت و مذہب کی وجہ سے ہیرہ پوریا ہورپور کی چوکی کی پہلی شان قائم نہ رہی تھی۔ زین العابدین نے اس تجارتی راستہ کی اہمیت برقرار رکھ کے یہاں مسافروں کے لیے ایک لنگر خانہ جاری کیا اور علاقہ ابھیارہ ،

؎۵: اس کا قدیم نام شور پور ہے راجہ اونتی ورمن کے وزیر شور نے اسے نویں صدی عیسوی میں آباد کیا تھا۔ اکبر کے زمانہ میں اس کا نام ہورپور یا ہیرہ پور تھا اب بھی یہی نام ہے۔

Marfat.com

(موجودہ نام بھمبر) کی طرف سے حمّال اور قلی لاکر یہاں آباد کیے۔ چنانچہ ہیرہ پورہ پشیاں یا پشیانہ اور درہ پنجال کے قریب اب بھی پیشہ ور حمّال اور قلی بکثرت ہیں۔

چشمہ کوثر ناگ میں بڈشاہی کشتی

شوپیاں کے بلند پہاڑ پر یہ مشہور و معروف چشمہ واقع ہے۔ اس کا دور زمین چار میل تک بتایا جاتا ہے اور شکل اُس کی کف پا سے مشابہت رکھتی ہے۔ ہندوؤں کا خیال ہے کہ یہاں وشن جی بیٹھتے تھے۔ اُن کے پاؤں کے نیچے سے یہ چشمہ پھوٹ نکلا۔ اس کا پانی ہمیشہ نیلگوں رہتا ہے اور اس کے عین درمیان برف کے ٹکڑے نظر آتے ہیں۔ اس کی بلندی سطح سمندر سے ۱۵۵۲۰ فٹ بیان کی جاتی ہے۔

بادشاہ کہ بیرنگی فطرت و نقش ہائے قدرت کا عاشق تھا اس قدر بلند مقام پر پہنچا اور مرغزار و چشمہ سار کے لطف اٹھاتا۔ کوثر ناگ میں سیر کرنے کے لیے اُس نے چوب صندل کی ایک خوشنما کشتی بنا رکھی تھی۔ جو ہمیشہ اسی چشمہ پر رہا کرتی تھی۔ صاحب تاریخ حسن زینہ ترنگی کے حوالہ سے لکھتے ہیں: "مصنف زینہ ترنگی می نگارد کہ سلطان زین العابدین در موسم تابستان برائے سیر و سیاحت و کسب ہوا بر کوہ کوثر قطع زحمت می کرد۔ و اکثر اوقات در چشمہ کوثر ناگ بہ سوارئ سفینہ یکے از بندگان آں زمان کہ مربی او بود۔ ہمراہ گرفتہ در مسائل و مسائل تصانیف تصوف و بحث دقائق و نکات آں اوقات خود در سیر چشمہ معروف می داشت"

بادشاہ کی علم دوستی کی انتہا یہ ہے کہ سیر و تفریح کے اوقات کو بھی مطالعہ و علمی مباحثہ میں صرف کرتا ہے۔

Marfat.com

کوثر ناگ پر ایک ہولناک واقعہ

مصنّف تاریخ حسن لکھتا ہے میں ایک مرتبہ چند احباب کے ہمراہ اس چشمہ پر گیا۔ ایک ہمراہی نے اس میں نہانا شروع کیا۔ تھوڑا سا تیرنے کے بعد وہ باہر آیا۔ ابھی اُس کے پاؤں پانی کے اندر ہی تھے کہ اُس نے شور مچانا شروع کر دیا۔ ہم اُس کو کشاں کشاں ساحل پر لائے دیکھا کہ ایک جانور نے جو دو گز لمبا سمت اسفل سے ایک گز اور سر کی جانب کی سے آٹھ گرہ چوڑا ہے اس کے دونوں پاؤں کو منہ میں ڈالا ہوا ہے۔" ہر چند از سنگ و چوب و تبر مضروب ساختیم موثر نگشت"۔ یہاں تک کہ ہمارا رفیق زانو تک اُس کے منہ میں چلا گیا۔ جب ہم نے کوئی تدبیر اس سے چھٹکارے کی نہ پائی تو ہم نے اس کے سر پر لکڑیاں رکھ کر اُن کو جلانا شروع کیا۔ جب آگ زیادہ بھڑکی تو بندوق و توپ کی سی ایک آواز نکلی۔ وہ جانور ہمارے رفیق کو لیے ہوئے ہوا میں اُچھلا اور دریا میں جا پڑا۔" آں اجل رسیدہ طعمۂ خود نمود"۔

مصنّف مذکورہ لکھتے ہیں۔ اُس جانور کا پوست دانہ دار تھا اور اس پر چوب و تبر کا کوئی اثر نہ ہوتا تھا۔

اس چشمہ کا پانی اپنے منبع سے نکل کر دو حصّوں میں تقسیم ہوتا ہے۔ جنوبی حصہ کا پانی دریائے چندر بھاگا (چناب) میں اور دوسرے حصہ کا پانی کشمیر کی طرف آجاتا ہے۔ اس چشمہ کی گہرائی بحساب اوسط دو سو گز عمیق بتائی جاتی ہے۔

ہر مکھ گنگا میں بادشاہ کی دریائی سیر

کوہ ہرمکھ کے دامن میں بارہ ہزار فٹ کی بلندی پر قریب ۱/۲ میل لمبا اور ۲۵۰ گز چوڑا چشمہ ہے۔ کشمیر کے ہندو اُسے ہردوار کے برابر مقدس خیال کرتے ہیں۔ ہر سال ماہ اگست میں یہاں میلہ ہوتا ہے جس میں ہزاروں ہندو جمع ہوتے ہیں۔ دریائے گنگا کی طرح اس میں بھی مُردوں

Marfat.com

کی سوختہ ہڈیاں یعنی پھول ڈالے جاتے ہیں۔ گرمیوں کے ایک دو مہینوں کے سوا یہاں بھی کوثر ناگ کی طرح ہمیشہ برف جمی رہتی ہے۔

اس وسیع دعریض چشمہ کو گنگا بل بھی کہتے ہیں۔ بادشاہی کشتیاں یہاں بھی موجود رہتی تھیں۔ جب کبھی بادشاہ آتا اور تہرلستان میں ضرور آتا تو وہ اس آسمانی تالاب میں جو فلک کوہ پر قدرت نے پیدا کر رکھا تھا کشتیاں ڈالتا اس کے قدیم مصاحب اس کے ہمراہ ہوتے۔ اور وہ سب دریائی تفریحات سے اپنے دلوں کو بہلاتے۔

ڈل اور وُلر کی سیر

ڈل میں سونہ لنک اور وُلر میں زینہ لنک اُس کی یادگاریں اب تک کسی نہ کسی صورت میں موجود چلی آتی ہے۔ جب وہ دریا اور دریا سے ڈل اور وُلر کی طرف نکل جاتا تو اپنے "لنکوں" میں اقامت گزیں ہوتا اور وہاں مختصر سے مصاحبوں کا جو اس کے ہمراہ ہوتے ایک چھوٹا سا دربار منعقد کرتا اور کبھی امورات ملکی اور کبھی مذہبی نکات کی موشگافیوں میں اپنا وقت صرف کرتا۔

Marfat.com

تیسرا باب

بادشاہ کے فوجی کارنامے

اہلِ کشمیر کی فوجی سپرٹ۔ فرقہ چک کی تباہی۔ جنگ کاشغر و تبت۔ پنجاب و دہلی پر حملے۔ فیروز شاہی عہد نامہ کی تکمیل۔ مفتوحہ ممالک کے ساتھ بادشاہ کا سلوک۔

اہلِ کشمیر کی فوجی سپرٹ کشمیر کے راجگان قدیم میں اکثر راجے کشمیر ہی پر قناعت نہیں کرتے تھے بلکہ ہندوستان میں بنگال اور ہندوستان سے باہر لنکا۔ اور چین و افغانستان۔ اور ترکستان تک مار کرتے تھے اور کامیاب ہو کے واپس آتے تھے۔ راج ترنگنی[1] جو آج سے تقریباً آٹھ سو سال پیشتر کی تاریخ ہے۔ اس قسم کے جرأت آفریں واقعات سے لبریز ہے۔

کشمیر کے مسلمان مذہباً گو اُن سے مختلف تھے مگر نسلاً انھی لوگوں کی اولاد تھے اور جو نہیں تھے یعنی بیرون ممالک سے کشمیر میں آئے تھے وہ کشمیری تمدّن و

---

[1]: اندازہ حال تصنیف راج ترنگنی ۱۱۴۸ء یا ۱۱۴۹ء بعہد راجہ جے سنگھ والئی کشمیر۔

Marfat.com

معاشرت اختیار کر کے کشمیر ہی کو اپنا وطن قرار دے چکے تھے۔

مسلمان بادشاہوں میں سلطان شہاب الدین کشمیر میں نہایت نامور بادشاہ گذرا ہے۔ اپنی فتوحات عظیمہ اور شجاعت بے نظیر کے لحاظ سے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ شہاب الدین غوری کی غیور فاتح روح اُس کے اندر تڑپ رہی ہے۔

کشمیر کی تاریخوں میں عام اس سے کہ ہندوؤں نے لکھی ہیں یا مسلمانوں نے اس کے شجاعانہ کارناموں کا تفصیل سے ذکر ہے۔ لکھا ہے ہزارہ، سوات، باجور، کو پامال کر کے یہ کابل تک جا پہنچا۔ وہاں سے بدخشاں۔ نعمان۔ غزنی۔ غور۔ قندہار۔ ہرات کو فتح کرتا ہوا خراسان اور وہاں سے مراجعت کر کے کوہ ہندوکش کے رستے کشمیر آگیا۔ اس کی فوج اس کے کمانڈر اس کے سپہ سالار سب کشمیری ہی تھے اور اگر اس کی ہمت وجرأت اور اس کے شوق ملک گیری و ملک بخشی کا ساتھ اُس کی افواج بھی دیتیں اور وطن کی محبت ان کے اوپر غالب نہ آجاتی تو معلوم نہیں کہ وہ کہاں تک پہنچتا۔

تاریخ فرشتہ کا مصنف بھی اس کی فوجی سپرٹ کا اعتراف کرتا ہے اور لکھتا ہے "یہ[1] بادشاہ نہایت شجاع تھا۔ اس کی شجاعت کا یہ عالم تھا کہ جس دن فتح نامہ کسی مقام سے نہ آتا تھا اس دن کو ایام عمر میں محسوب نہ کرتا تھا اور کدورت کے آثار اس کے چہرہ سے ظاہر ہوتے تھے۔ یہ بادشاہ آب سندھ کے کنارے تک پہنچا۔ وہاں کے حاکم کو جام[2] کہتے..

---

[1] تاریخ فرشتہ جو جہانگیر کے زمانہ میں لکھی گئی ہے اس کے حصہ دوم میں بذمرہ سلاطین کشمیر اس کا ذکر ہے۔

[2] شہاب الدین کا بیٹا حسن خاں سندھی بیگم کے بطن سے تھا اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بادشاہ نے سندھ کے حاکم جو اس زمانہ میں حاکم ٹھٹھہ کہلاتے تھے بیٹی سے شادی بھی کر لی تھی۔

Marfat.com

تھے۔ اُسے شکست دی۔ قندھار اور غزنی تک اُس کے نام سے لرزتے تھے باسپ[۱] نگر کی راہ سے جواب باشش نفر مشہور ہے وہ پشاور میں گیا اور مخالفوں کی جماعت کثیر کو قتل کر کے کوہ ہندوکش میں داخل ہوا۔

شہاب الدین نے کشمیر میں ۷۶۱ھ/۱۳۶۰ء سے ۸۰۰ھ/۱۳۷۸ء تک حکومت کی ہے ہندوستان میں اس زمانہ میں فیروز شاہ تغلق کی حکومت تھی[۲]

شہاب الدین نے اس سے جنگ کی اور آخر ۷۷۵ھ میں ایک عہد نامہ لکھا گیا جس کے رُو سے سرہند سے کشمیر تک کا تمام علاقہ سلطان شہاب الدین کے قبضہ میں آیا۔ چنانچہ صاحب گلزار کشمیر[۳] شہاب الدین کے حالات میں کابل و بدخشاں کے تصرّف اور تسخیرِ تبّت کا ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں "ازاں جا متوجہ دہلی گردید۔ برلب دریائے ستلج۔ فیروز شاہ مملکت طراز ہند۔ محارب پیوست و فیروز شاہ چوں سر پنجۂ نبرد آزمائی راقوت تقابل ندید بہ مصالحت از کشمیر تا سرہند جنوب رویہ مملکت سلطان شہاب الدین مسلّم بشد۔

شہاب الدین کے بعد قطب الدین۔ پھر سکندر بت شکن۔ اُس کے بعد علیشاہ اور زین العابدین بڈشاہ یکے بعد دیگرے تخت پر بیٹھے۔ یہ سب بہادری

۱ھ: باسپ نگر جس کا نام جہانگیر کے زمانہ میں باشش نفر تھا معلوم نہیں سرحد کے کس مقام پر واقع ہے۔
۲ھ: عہدِ حکومت ۷۵۲ھ تا نہایت ۷۸۹ھ۔
۳ھ: دیوان کرپارام مدار المہام مہاراجہ رنبیر سنگھ والئی جموں و کشمیر۔

Marfat.com

وشجاعت اور تلوار کے دھنی تھے۔ بلکہ بڈشاہ کے پڑپوتے سلطان محمد شاہ کے عہد (۸۹۲ھ) تک یہ جنگی روح اہل کشمیر میں موجود تھی اور اس کا ثبوت تاریخ فرشتہ کے حوالہ ہی سے جو معلومات کشمیر میں تاریخ رشیدی اور طبقات اکبری جیسی قدیم و مستند تاریخوں کا نچوڑ ہے، دیا جاتا ہے فرشتہ لکھتا ہے۔

محمد خاں حسن شاہ بادشاہ کشمیر کا بیٹا تھا۔ باپ کی وفات کے وقت ۸۹۲ھ مطابق ۱۴۷۹ء میں اس کی عمر صرف سات سال کی تھی جب وہ مسند حکومت پر فائز ہوا۔ اس کا نام محمد خاں کی بجائے محمد شاہ رکھا گیا" اور وزرا۔ اور تمام وہ لوگ جن کے سپرد خزانے اور فراش خانے تھے۔ تخت نشینی کے دن طلائی و نقرئی ہتھیار۔ قیمتی لباس اور متاع نفیسہ اس کے سامنے لائے وہ خورد سال بچہ سب کچھ بغور دیکھتا رہا۔ (نہ اُس نے خزانوں کی طرف نظر کی۔ نہ قیمتی ملبوسات پر توجہ کی۔ نہ دوسرے سامانِ تعیش پر نگاہ ڈالی) اس نے ان سب میں سے ایک کمان۔ (اور بقول مورخین کشمیر تلوار) ہاتھ میں لے لی۔ اور کہا یہ میرے پاس ہے تو ہر چیز میرے قبضہ میں ہے" اہل دربار اس خورد سال بادشاہ کی ذہانت و زیرکی پر آفریں اور جزاک اللہ کہتے تھے اور اپنے مشاہدہ کو اس کی بزرگی و مردانگی پر محمول کرتے تھے۔

کیا کسی اور ملک میں بھی ایسی شہادت موجود ہے کہ سات سال کے بچہ کو جب تخت حکومت نصیب ہوا ہو اور خزانے اور جواہرات اور عجائبات اور اصطبل خانے اور ملبوسات نفیس اس کے سامنے پیش کیے گئے ہوں تو اُس نے ان سب کو کھلونے سمجھ کر نظر انداز کر دیا ہو اور تلوار یا تیر کمان کو ہاتھ میں لے کر کہا ہو کہ یہ میرے قبضہ میں ہیں۔ تو بادشاہی کے تمام لوازمات بھی میرے ہی پاس سمجھے جائیں۔

Marfat.com

غرض بڈشاہ میں بھی وہ تمام شاہانہ وشجاعانہ خصائل موجود تھے جو شہاب الدین میں اور اُس کے بعد کے سلاطین میں تھے جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے۔ اُس نے سب سے پہلے فرقہ کو چکان یعنی اپنے دودھ بھائیوں کے فتنہ وفساد سے اپنے ملک کو پاک کیا۔

فرقہ چک کی تباہی

اس کے بعد فرقہ چک کی طرف توجہ کی جس کا رئیس پانڈ چک زینہ گیر کی شاہی عمارات کو اس لیے تباہ کر جاتا تھا کہ بادشاہ کا قرب اُس کی غارت گیریوں میں رکاوٹیں ڈالتا تھا جب پانڈ و چک دردستان کی طرف بھاگ گیا تو بادشاہ نے اُس کا پورا تعاقب کیا اور دردستان پر چڑھائی کر دی اور حاکم دردستان کو یہ بھی لکھا کہ پانڈ و چک کو تلاش کر کے ما بدولت کے پاس جلد بھیج دو۔ ورنہ اُس کے ساتھ اپنی تباہی کے لیے بھی تیار رہو۔ حاکم دردستان کی حقیقت و حیثیت ہی کیا تھی کہ وہ مقابلہ کرتا۔ اس لیئے فوراً تعمیل کی۔ پانڈو چک گرفتار ہو کر آیا اور بادشاہ نے اس کو ہلاک کر کے ملک کو اس کے فتنہ وشر سے نجات دی۔

جنگ کاشغر وتبت

تبت کلاں[1] جس کو لداخ کہتے ہیں اور تبت خورد جس کو سکردو کہتے ہیں۔ سلاطین کشمیر کے قبضہ میں تھے لیکن علیشاہ کے زمانہ میں سلطان کاشغر نے ان پر قبضہ کر لیا تھا اور جب دونوں بھائی یعنی علیشاہ اور

---

[1]: تبت کلاں لداخ سطح سمندر سے ۱۱½ فٹ اور سکردو ۷،۴۲ فٹ بلند ہے۔ یہاں کے باشندے بدھ اور مسلمان ہیں۔ مسلمان سب سُنّی تھے مگر بڈشاہ کی وفات کے ۲۲ سال بعد ۹۰۰ھ میں میر شمس عراقی نے وہاں شیعہ عقاید کی تبلیغ کی اس کے بعد نوربخشی فرقہ میں بھی اکثر لوگ داخل ہو گئے۔ یہاں بعض جاگیردار راجے بھی ہیں جو شیعہ مسلمان ہیں اور اپنے آپ کو سلطان سکندر کاشغری کی اولاد بتاتے ہیں۔

Marfat.com

شاہی خاں آپس میں لڑ رہے تھے۔ وہ ہر دو تبت پر قبضہ کرنے کے بعد کشمیر پر حملہ کی تیاریاں کر رہا تھا۔

بادشاہ فرقہ کوچکان اور فرقہ چک کے فسادات مٹا کر اب اُن ممالک کی طرف متوجہ ہوا جو اُس کے بھائی کے زمانہ میں اور اُن کی باہمی خانہ جنگیوں کی وجہ سے اُس کے خاندان سے نکل گئے تھے۔ اُس کو تبت کے نکل جانے ہی کا صدمہ کچھ کم نہ تھا کہ بادشاہ کاشغر کے حملۂ کشمیر کی خبروں نے اُسے اور بھی پراگندہ کر دیا۔

بادشاہ کی دل آویز شخصیت اُس کے افسروں بلکہ اُس کی تمام رعایا پر مقناطیسی اثر رکھتی تھی اور اُس کی رعایا کا ہر فرد اُس کے ہر دشمن کا مقابلہ کرنے اور ناموس وطن کی خاطر "بجاں و خوں غلطیدن" ہونے کے لیے ہر وقت مستعد رہتا تھا۔ اُس نے امرائے مملکت اور سرداران لشکر محمد ماگرے ملک مسعود ٹھاکور۔ بلمت رینہ۔ احمد رینہ۔ اوتر رینہ وغیرہ کو جمع کیا۔ اور ان "ترکتازان رستم نشان" کے مشورہ سے نہ صرف کشمیر کو دشمن کے حملہ سے بچانے بلکہ تبت کو واپس لینے کی تیاریاں ہونے لگیں۔ حیدر ملک چاڈورہ اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں کہ اوتر رینہ جو اس فوج کے سپہ سالار تھے۔ وہ میرے جد بزرگوار تھے۔

ساعت سعید میں افواج لوشہرہ کی چھاؤنیوں سے باہر نکلیں اور پہلی منزل لار میں ہوئی۔ یہاں بادشاہ نے فوج کا جائزہ لیا جس کی تعداد مختلف مؤرخین نے مختلف بتائی ہے۔ صاحب "اسلامک کلچر ان کشمیر" لکھتے ہیں۔ ایک لاکھ پیادہ اور تیس ہزار سوار تھے۔ تاریخ سلاطین بہاؤالدین گلزار کشمیر اور تاریخ حسن میں پیادہ فوج کی تعداد تو ایک لاکھ ہی ہے مگر رسالہ کی تعداد تیس ہزار درج ہے۔ مکمل تاریخ کشمیر میں سواروں کی تعداد پچاس ہزار بتائی گئی ہے۔ پیادہ فوج کی تعداد

Marfat.com

میں سب متفق ہیں۔

والئ کاشغر کو جب یہ خبر ہوئی تو اُس نے بھی جمعیت کثیر کشمیری افواج مقابلہ کے لیے بھجوائی۔ علاقہ تبت میں ایک موقع شی زئی یا شبہ زئی ہے۔ وہاں دونوں افواج آمنے سامنے ہوگئیں۔ محاربہ عظیم نے خون کی ندیاں بہادیں۔ کشتوں کے پشتے لگ گئے۔ دونوں طرف کے سپاہیوں اور سرداروں نے دادِ مردانگی دی اور بقول تاریخ ملا بہاؤ الدین "نسبت بہ لشکر کاشغر لشکر کشمیری بسیار کم بود۔ اما جرأت و مردانگی بے حدے کردند" بادشاہ کاشغر کی افواج نے ہزیمت اٹھائی۔ اور ہر دو تبت پر بادشاہ نے اپنا عمل دخل کر لیا۔

بادشاہ کی غیر حاضری میں ملک کا انتظام بادشاہ کے چھوٹے بھائی محمد خاں کے سپرد تھا جس کو بادشاہ نے نائب السلطنت بنا کر مہمات جزوی و کلی کا مختار کر دیا تھا۔

کشمیری افواج کا حملہ پنجاب پر

زمانہ گزشتہ میں ہندوستان کی حدود اُس مقام تک تھیں جس کا نام آج سرہند ہے اور یہ نام بھی اس کا اسی وجہ سے ہے کہ وہ ہندوستان کی سرحد سمجھا جاتا تھا۔ جب سلطان شہاب الدین کاشمیری اور فیروز شاہ تغلق کے درمیان جنگ کے بعد صلح ہوئی تو سرہند اور پنجاب شہاب الدین کے حصہ میں آئے تھے اور سرہند سے دہلی اور دہلی سے پرے تک کے تمام ممالک میں فیروز شاہ کی حکومت تسلیم کی گئی تھی۔

شہاب الدین کے بعد کشمیر کے جو بادشاہ ہوئے اُن کے زمانہ میں جو ممالک کشمیر سے دور تھے۔ ان کی طرف ان کی توجہ کم ہوتی گئی۔ اُدھر تغلق بادشاہوں اور تیموری حملہ اور اس کے بعد خضر خاں کے جانشینوں کی کمزوری و غفلت کی وجہ سے کئی صوبے خود مختار ہو گئے۔ اور

Marfat.com

پنجاب میں ہر چند کوئی علیحدہ صورت مستقل طور پر قائم نہ ہو سکی لیکن گکھڑوں نے جن کے سرکردہ شیخا گکھڑ اور جسرت گکھڑ دو بھائی تھے۔ ہمیشہ اس کو فتنہ و فساد اور بدامنی و بے چینی کا گھر بنائے رکھا۔ یہاں تک کہ پنجاب سلاطین کشمیر کے ہاتھ سے بالکل نکل گیا۔[۵]

بلکہ ایک وقت ایسا آیا کہ بڈشاہ کو شاہزادگی کے زمانہ میں بھائی سے شکست کھانے کے بعد جسرت گکھڑ کے پاس پناہ لینی پڑی اور اپنی منتشر فوج کے ساتھ جب تک جسرت کی امداد اس نے شامل نہ کی وہ تخت کشمیر پر قابض نہ ہو سکا۔

جسرت کا بھائی شیخا گکھڑ تو تیمور کا مقابلہ کرتے ہوئے تیمور کے ہاتھوں قتل ہو چکا تھا مگر اب جسرت کو بادشاہ بننے کی بڑی تمنا تھی۔ لیکن لوٹ مار اور حرب و ضرب کے سوا چونکہ آئین ملک داری سے وہ بالکل نابلد تھا اور کچھ تقدیر بھی ساتھ نہ دیتی تھی۔ اس لیے کئی مرتبہ کامیاب ہو جانے کے باوجود بھی اُسے استقلال و اطمینان نصیب نہ ہو سکتا تھا۔

آخر اُس نے اپنے قدیم رفیق شاہی خاں سے جو سلطان زین العابدین کے نام سے کشمیر میں جاہ و جلال کے ساتھ داد حکمرانی دے رہا تھا۔ اپنے احسانات کے بھروسہ پر امداد طلب کی۔ اس امداد کا ذکر صاحب طبقات لکھتے ہیں "جسرت کھوکھر (گکھڑ) بہ قوت سلطان اگرچہ نتوانست تسخیر دہلی نمود اما تمام پنجاب را در تصرف آورد۔" فرشتہ لکھتا ہے "سلطان نے دہلی و پنجاب کی تسخیر کے لیے افواج کشمیر جسرت کے ہمراہ کی۔ اگرچہ جسرت بادشاہ دہلی کی برابری نہ کر سکتا تھا۔ لیکن کشمیری لشکر کی قوت و اعانت سے اُس نے پنجاب و ملحقات پر

---

[۵] حصہ دوم ذکر سلاطین کشمیر۔ (ترجمہ)۔

Marfat.com

قبضہ کر لیا۔ [۱]

ان دونوں تاریخوں سے معلوم ہوتا ہے کہ جسرت تسخیر پنجاب ہی کا ارادہ نہ رکھتا تھا بلکہ بادشاہ کشمیر کی امداد سے وہ دہلی پر بھی قبضہ کرنا چاہتا تھا۔

اس قدر اہم واقعہ پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ضرور آپس میں کچھ شرائط بھی طے ہوئی ہوں گی اور چونکہ پنجاب و سرہند پر سلاطین کشمیر کے حقوق غالب تھے اس لیے کچھ تعجب نہیں ہے اگر یہ طے ہو گیا ہو کہ فتح دہلی کے بعد دہلی کی بادشاہی تو جسرت کو ملے اور پنجاب و سرہند پر زین العابدین اپنے اجداد کی وراثت سمجھ کر قابض رہے۔

دہلی پر تو وہ قابض نہ ہو سکا لیکن پنجاب پر اُس نے اپنا تسلط جما لیا یہ واقعہ کب پیش آیا۔ اس کے متعلق سب تاریخیں خاموش ہیں لیکن جسرت کے حالات و واقعات پر غائر نظر ڈالنے سے یہ معمہ بھی حل ہو سکتا ہے۔

۸۲۶ھ یا ۸۳۷ھ میں جسرت رائے بھیم والیے جموں کو شکست دیتا ہے۔ اس کے بعد ۸۳۱ھ میں پھر اس کے حملہ لاہور و جالندھر کی خبر ملتی ہے ۸۳۵ھ میں وہ پھر کہیں سے سر نکال کر جہلم، راوی اور بیاس کو عبور کر کے جالندھر جاتا اور ملک سکندر تحفہ حاکم لاہور کا

---

[۱]: تاریخ ہند جلد چہارم مؤلفہ مولوی ذکا اللہ مرحوم میں بھی ان الفاظ کی تائید کی گئی ہے۔ صاحب سیر المتاخرین بھی جلد اول میں لکھتے ہیں: جسرت کشمیر سے کشمیری فوج لے کر بہلول لودھی پر دہلی میں حملہ آور ہوگا مگر کامیاب نہ ہو سکا پھر کشمیر آیا اور سلطان زین العابدین نے پھر اس کو ایک لشکرِ جرار فتح پنجاب کے لیے دیا جہاں اس نے اس فوج کی مدد سے خوب دست برد کی۔

Marfat.com

گھوڑا زندہ گرفتار کرکے اور بے شمار مال اسباب لوٹ کر لاہور آتا ہے۔ لیکن دو چار مہینوں کے بعد ہی بادشاہی حملہ (مبارک شاہ بن خضر خاں) کے خوف سے وہ پھر کوہستان میں بھاگ جاتا ہے ۸۳۶ھ میں پھر اس کے حملۂ لاہور کی خبر ملتی ہے۔ اس زمانہ میں ملک اللہ داد لودھی یہاں کا حاکم تھا جسرت اس کو شکست دے کر لاہور و جالندھر پر قابض ہوگیا ۸۳۷ھ۔ ۹ رجب کو مبارک شاہ کے قتل ہو جانے پر سلطان محمد شاہ اس کا جانشین ہوا جس نے کئی سال کی خاموشی کے بعد ۸۴۰ھ میں جسرت کو لاہور سے باہر نکالا اور مختلف حاکموں کے بعد ۸۴۵ھ میں ملک بہلول لودھی کو خان خاناں کا خطاب دے کر لاہور و دیپال پور کا حاکم بنایا اور تاکید کی کہ جسرت کا قلع و قمع کر دیا جائے۔ اس کے بعد صفحات تاریخ میں جسرت اور لاہور کا کوئی تعلق نظر نہیں آتا۔

متذکرہ واقعات سے پایا جاتا ہے کہ ۸۳۶ھ ۱۴۳۳ء سے ۸۴۰ھ ۱۴۳۶ء تک جسرت لاہور پر امن و امان سے قابض رہا۔ اس کے تمام حملوں میں صرف یہی تین چار سال اس کو اطمینان کے ساتھ لاہور میں رہنا نصیب ہوا ہے ورنہ کبھی دو ماہ کبھی چار ماہ وہ لاہور پر قابض رہا اور کئی دفعہ تو اُسے ناکام ہی جانا پڑا۔ اس سے یہ بات بالکل قرین قیاس معلوم ہوتی ہے کہ ۸۳۶ھ ہی میں بادشاہ نے اس کو فوج اور خزانہ اور جملہ لوازمات جنگ کی مدد دی ہوگی۔

فیروز شاہی عہدنامہ کی تکمیل

خاندان تغلق کی کمزوریوں اور باہمی خانہ جنگیوں کی وجہ سے امیر تیمور نے سمرقند سے تسخیر ہند کا ارادہ کر لیا تھا اور خاندان سادات کی اپنی ناہلیوں اور ان کے وزراء امراء کی باہمی سازشوں کی خبر سن سن کر ہندوستان کے کئی صوبے آزاد ہو گئے اور کئی ممالک آزاد و خود مختار ہونے کے لیے تڑپ رہے تھے اور ملک بہلول پنجاب کی حکومت پر قانع نہ رہ کر دہلی کا بادشاہ بننے کے منصوبے سوچ رہا تھا۔ ان حالات میں کوئی تعجب کی بات نہیں اگر سلطان زین العابدین بھی پنجاب و سرہند بلکہ دہلی تک اپنی فوجیں لے آیا ہو۔

Marfat.com

کشمیر کی قریباً تمام تاریخوں میں اس بات کا ذکر ہے کہ زین العابدین نے اپنی حکومت کو پشاور سے سرہند تک تمام پنجاب پر حاوی کر لیا اور بہت سی خونریزیوں کے بعد شاہ دہلی سے آخری فیصلہ اس بات پر ہوا کہ فیروز شاہ تغلق کے عہد نامہ ۷۸۵ھ کے مطابق سرہند سے کشمیر تک کا تمام ملک زین العابدین کے پاس رہے۔

صاحب اسلامک کلچران کشمیر لکھتے ہیں[۱]: "وہ فتح پنجاب کے دوران میں اس مقام پر بھی ٹھہرا جس کو اب امرتسر کہتے ہیں۔ وہاں اُس نے اپنی فوجی ضروریات کی وجہ سے کنواں کھدوایا تھا وہ اب تک بڈکھوہ یا بٹ کھوہ کے نام سے مشہور ہے۔

صاحب اسلامک کے خیال میں یہ واقعہ ۱۴۶۰ء سے ۱۴۷۰ء کے درمیان کا ہے۔ شمس العلماء مولوی ذکا اللہ اپنی ضخیم وجیم تاریخ ہند میں لکھتے ہیں: جب کشمیری افواج نے جسرت کی امداد سے پنجاب پر قبضہ کیا تو دہلی کا بادشاہ سلطان بہلول لودھی تھا۔ یا بہ الفاظ دیگر یہ حملہ ۱۴۵۱ء سے ۱۴۸۱ء کے درمیان ہوا ہے۔

لیکن راقم الحروف کو ان دونوں باتوں سے اختلاف ہے۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ بہلول لودھی کے اور زین العابدین کے تعلقات نہایت شگفتہ تھے۔ یہ بات بعید از قیاس معلوم ہوتی ہے کہ ان تعلقات کی موجودگی میں زین العابدین نے پنجاب و دہلی پر خود حملہ کیا ہو یا جسرت کو اپنی افواج فتح پنجاب و دہلی کے لیے دی ہوں۔ فیروز شاہی عہد نامہ کی تکمیل اگر ہوئی ہے تو اسی زمانہ میں جب جسرت کو زین العابدین نے حملہ پنجاب کے لیے

---

[۱]: صفحہ نمبر ۸۶۔

Marfat.com

مدد دی تھی۔ یعنی ۱۴۳۳ء سے ۱۴۳۶ء کے درمیان پنجاب کا حملہ اور سرہند کے عہد نامہ کی تکمیل ایک ہی سال کا واقعہ ہیں۔

بادشاہ کی وسعت سلطنت زین العابدین کے حالات جب آئندہ صفحوں میں پڑھیں گے تو معلوم ہوگا کہ وہ ایک زمیندار کی حیثیت رکھتا ہے جو زراعت و کاشت کو ترقی دینے کی تدابیر میں سرگرم رہتا ہے یا وہ ایک انجینئر ہے جو نئی نئی عمارتیں تعمیر کراتا اور نہریں کھدانا رہتا ہے یا ایک باغبان ہے جو باغات کی تیاریوں اور انواع و اقسام کے ثمردار و بے ثمر مگر سایہ دار درختوں کی آبیاریوں میں محو رہتا ہے۔ جس بادشاہ کے اس قسم کے خصائل ہوں جس کو اپنے ملک کی آبادی و شادابی کی تجاویز ہی سے فرصت نہ ملتی ہو وہ شجاعانہ اوصاف رکھنے کے باوجود اپنے ملک کو قتال و جدال میں کس طرح تباہ کرا سکتا ہے۔

باایں ہمہ سر دو تبت پر اس کا قبضہ تھا اور کاشغر بھی اس کے زیر اثر تھا کشمیر کی تاریخیں سرہند تک اس کی وسعت سلطنت کا پتہ دیتی ہیں۔ ابو الفضل کی آئین اکبری کے مطابق زین العابدین سندھ میں بھی جا پہنچا۔ ہزارہ کا ضلع جس کا نام اس زمانہ میں پھکلی تھا۔ بڈشاہ ہی کے ماتحت تھا اور کئی سرحدی مقامات میں جو آج یاغستانی یا آزاد علاقہ کہلاتے ہیں اس کا رعب داب قائم تھا۔

لارنس صاحب نے بھی اپنی تصنیف ویلی آف کشمیر میں تسلیم کیا ہے کہ بڈشاہ کی حکومت کشمیر میں تو تھی ہی مگر پشاور سے پنجاب و سرہند تک بھی اس کا قبضہ تھا۔

Marfat.com

مفتوحہ ممالک کے ساتھ بادشاہ کا سلوک

جب بادشاہ اپنے بھائی علیشاہ کو گرفتار اور نظر بند کر کے کسی کھٹکہ کے بغیر کشمیر میں حکومت کرنے لگا تو علیشاہ کے دونوں معاون راجگان راجور و جموں اپنے اعمال و کردار کی وجہ سے اس کے آگے سر بسجود ہونے لگے۔ تاریخ راجگان راجور" میں راجہ راجوری کی معافی کے متعلق لکھا ہے "چند روز بعد راجہ راجور نے سلطان سے معافی چاہی۔ چونکہ سلطان رحیم الطبع۔ عالی حوصلہ اور بلند خیال تھا اس نے معافی دیدی اور ویسے ہی روابط ریاست اور سلطان میں ہو گئے جیسے کہ پہلے تھے" راجہ جموں کو بھی اپنی حرکت پر نادم ہونے اور معافی مانگنے کے بغیر کوئی چارہ نظر نہ آیا۔ معافی بھی ملی اور جموں کی حکومت بھی ؎

سالکان رہِ ہمت چو ارادت بینند ملک کاؤس فریدوں بہ گدائے بخشند

پانڈو چک نے اس کو کیسی کیسی تکلیفیں دیں۔ اُس کی عالیشان و سربفلک عمارات کو نذرِ آتش کر کے خاک میں ملا دیا۔ بادشاہ نے گو پانڈو چک کو اس کی بداعمالیوں کی سزا دیدی۔ مگر اس کے بیٹے حسین چک کو نوازشات شاہی کا مورد بنا دیا اور رفتہ رفتہ چکوں نے وہ زور و اقتدار حاصل کیا کہ بڈشاہ کی وفات کے نوّے سال بعد ہی وہ کشمیر کے بادشاہ ہو گئے۔

جس ملک پر فتح پاتا اُس پر اُس کی حیثیت و طاقت سے زیادہ خراج مقرر نہ کرتا اور نہ اُس سے نذرانہ اس قدر زیادہ طلب کرتا کہ اُس کو اپنی رعایا پر ظلم کر کے روپیہ فراہم کرنے کی ضرورت محسوس ہوتی اور اپنے باپ سلطان سکندر اور امیر تیمور کا واقعہ ہمیشہ یاد رکھتا جبکہ تیموری امراء نے اس کے باپ کو تیس ہزار گھوڑوں اور ایک لاکھ اشرفی کے نذرانہ کا پیغام بھیجا تھا۔

Marfat.com

بڈشاہی افواج اور ممالک مفتوحہ کے خزانے

اس کا قاعدہ تھا کہ جب کسی ملک پر قبضہ کرتا تو اُس ملک کا خزانہ اور مالِ غنیمت جو اُس کے ہاتھ آتا سب کا سب اپنی فوج میں بانٹ دیتا۔ اس ترکیب وزر پاشی سے تمام فوج اُس کے پسینہ کی جگہ اپنا خون بہانے کو تیار رہتی تھی. اس کی اپنی حکمت عملیوں کی وجہ سے اس کی فوج جہاں گئی کامیاب ہو کے آئی۔ بنت و پنجاب اور پشاور کے علاوہ اسی فوج کے بھروسہ پر اس نے ساحل سندھ تک اپنی فتوحات کا سکہ بٹھایا جیسا کہ صاحب طبقات بھی لکھتے ہیں

" و تمام ولایت کہ در کنار آب سندھ۔ واقع است در تصرف سلطان در آمد ":

چوتھا باب

بڈشاہ کی پریشانیاں اور موت

بادشاہ کی بیگمات۔ بادشاہ کے بھائی کی دفات۔ بادشاہ کے دودھ بھائی۔ شہزادوں کی باہمی خانہ جنگیاں۔ باپ بیٹے میں خون ریز جنگ۔ سوپور میں جنگ عظیم۔ بادشاہ پر ان خانہ جنگیوں کا اثر۔ بادشاہ کو ہلاک کرنیکی کوشش۔ قریب المرگ بادشاہ مسند شاہی پر۔ امرائے دربار کے حاجی خاں سے عہد و پیمان۔ بادشاہ کی دفات۔ بڈشاہ اور اکبر اعظم۔

بادشاہ کی بیگمات ہندو کہتے ہیں کہ اُن کے مذہب میں ایک عورت کی زندگی میں کوئی شخص دوسری عورت نہیں کرسکتا تھا۔ مسلمانوں کو گو چار بیویوں کی اجازت ہے لیکن ان کے ساتھ عدل و مساوات سے سلوک کرنے کی ایسی سخت شرائط ہیں کہ بہت کم لوگ ان کے پابند ہو سکتے ہیں۔ مگر تعجب ہے کہ والیانِ ملک کا درجہ مذہب و اخلاق دونوں سے بالاتر سمجھا جاتا ہے اور وہ ایک دو نہیں بلکہ درجنوں اور سینکڑوں عورتیں کر لیتے ہیں اور کوئی مذہب اور اخلاق اور کوئی مولوی اور کوئی برہمن ان کو اس قسم کی نازیبا حرکات سے منع کرنے کی جرأت نہیں کرتا۔

Marfat.com

اکبر چونکہ خود کئی درجن "بیگمات" کا خاوند تھا۔ اس کے عہد میں ہندو مسلمان امراء اس سے بھی کئی درجہ بڑھے ہوئے تھے۔ چنانچہ راجہ مان سنگھ حاکم بنگالہ کی بارہ سو رانیاں تھیں۔

تاریخ میں شاذونادر ہی کوئی ایسی مثال ملتی ہے کہ بادشاہ یا راجہ نے ایک دو بیویوں پر اکتفا کیا ہو۔ انھی شاذونادر مثالوں میں ایک نظیر بڈشاہ کی بھی ہے۔ بادشاہ کی ایک بیگم بیہقی بیگم کے نام سے موسوم تھی جو سید میر حسن منطقی بیہقی کے باپ سید نورالدین کی بہن اور سید تاج الدینؒ[1] کی بلند اختر دختر تھی۔ اس کا نام بی بی خاتون[2] تھا۔ وہ لاولد تھی۔ سید حسن بیہقی نے اپنا سب سے چھوٹا نوزائیدہ بچہ محمد امین اویسی جب بادشاہ کو بطور تبرک بخشا تو بادشاہ نے بیگم کی دلدہی و دلبستگی کے لیے یہ بچہ اسی کے سپرد کر دیا۔ فتحیات الکبرویہ میں لکھا ہے کہ بیگم کو دودھ اتر آیا اور اس نے اپنے دودھ سے اس کی پرورش کی۔ بیگم نے اپنی زندگی ہی میں اپنا مقبرہ تیار کرا لیا تھا۔ بلکہ ایک مقبرہ شیخ بہاؤالدین گنج بخش کے لیے بھی اسی احاطہ میں تعمیر کرایا تھا اور ان سے وعدہ لے لیا تھا کہ وہ بعد وفات اسی جگہ دفن ہوں گے۔ بیگم نے ایک مسجد بھی یہاں تیار کرائی تھی اور یہ اپنی زندگی ہی میں آباد کرادی تھی۔ چنانچہ شیخ گنج بخش اسی جگہ مدفون ہیں۔ بیگم کی اپنی قبر بھی دروازہ کے متصل ہے۔ یہ مقبرہ بیگم نے سنہ ۸۴۰ھ[3] میں تیار کرایا تھا۔

۱: آپ کا سلسلہ نسب چاروں واسطوں سے سید جلال الدین بخاری سے ملتا ہے۔ فتحیات الکبرویہ قلمی صفحہ ۳۱۲۔ ۲: از حسن التواریخ قلمی مصنفہ مولوی عزیز الدین صاحب مفتی و قاضی کشمیر مرحوم جو کشمیر کے مشہور مولوی مفتی شریف الدین صاحب کے والد بزرگوار تھے۔ ۳: از حسن التواریخ قلمی مصنفہ مولوی عزیز الدین مرحوم۔

Marfat.com

بادشاہ نے دوسری شادی[1] اولاد کے لیے کی۔ اور غالباً شاہی خاندان ہیں کی اور شاید یہ بھی اس کی وجہ سے کی کہ محمد امین شاہانہ تعلیم و تربیت حاصل کرنے کے باوجود سلوک و تصوّف کی طرف زیادہ مائل اور امورات مملکت سے بالکل دلچسپی نہ رکھتا تھا۔ بادشاہ کی دوسری بیگم سے تین بیٹے ہوئے جن کا ذکر اپنے اپنے موقع پر آئے گا۔

بڈشاہ چاہتا تو دیگر بوالہوس اور عیش پرست بادشاہوں کی طرح عورتوں کے مینا بازار لگا سکتا اور اپنے محل کو نمونہ پرستان بنا کر رنگ رلیاں منا سکتا تھا لیکن تاریخ شاہد ہے کہ اس نیک خصلت بادشاہ نے اپنی دو بیگمات کے سوا کسی تیسری عورت کا منہ نہیں دیکھا۔

بادشاہ کی اولاد بادشاہ کا ایک بیٹا محمد امین اویسی لے پالک تھا جو اس کے مرشد سید حسین منطقی نے اُس کو بطور تبرک دیا تھا اور جس کو بیہقی بیگم نے بچّوں کی طرح پالا تھا لیکن افسوس ہے اس ہونہار اور زیرک بچہ نے امورات سلطنت کی طرف مطلق توجہ نہ کی۔

بیہقی بیگم لاولد تھی۔ دوسری بیگم کے بطن سے بادشاہ کے تین بیٹے ہوئے۔ سب سے بڑا ادہم خاں تھا۔ دوسرا بیٹا حاجی خاں اور تیسرا بہرام خاں تھا۔ ان لڑکوں نے جوان ہو کر اپنی بے اعتدالیوں، خانہ جنگیوں اور منافقتوں سے ایسے اولوالعزم سلطان اور ایسے نیک و ہردلعزیز بادشاہ کی زندگی تلخ کر دی۔

بادشاہ کے بھائی کی وفات بادشاہ نے اپنی آغاز سلطنت ہی سے اپنے چھوٹے

---

[1] صاحب اسلامک کلچر ان کشمیر صفحہ ۵۸ پر بادشاہ کی صرف ایک ہی بیگم کا حوالہ دیتے ہیں جو غلط ہے۔

Marfat.com

بھائی محمد خاں کو وکیل مطلق بلکہ بقول صاحب تاریخ فرشتہ ولی عہد مستقل مقرر کر رکھا تھا۔ بھائی نے بھی پوری متابعت سے کام لیا۔ جب زین العابدین تبت کی مہم پر گیا۔ تو محمد خاں نے اندرون ملک میں کوئی خرابی نہ آنے دی۔ بلکہ ایسا انتظام کیا کہ بادشاہ نے واپس آکر اپنی دلی خوشنودی کا اظہار کیا۔

بیکن محمد خاں کی وفات نے اس کے دست و بازو کمزور کر دیے۔ بھائی کے مرنے کا اُس نے بڑا غم کیا۔ اور اُس کے فرزند حیدر کو اس کا جانشین بنا کر اس کی دستار بندی کرائی۔ اور بھائی کی جگہ مہمات ملکی کے تمام اختیارات اپنے بھتیجہ کو سونپ دیے۔

بادشاہ کی خیرات اپنے رضائی بھائیوں کی موت پر

بادشاہ کے دو کوکہ یعنی دودھ بھائی تھے ایک کا نام مسعود تھا دوسرے کا شیرہ۔ دونوں حقیقی بھائی تھے اور دونوں بادشاہ کو اپنی حسن خدمات کی وجہ سے نہایت عزیز تھے۔ بدقسمتی سے قرب سلطانی نے دونوں میں بغض و حسد پیدا کر دیا اور اس نے یہاں تک ان دونوں بھائیوں میں خصومت و عداوت بڑھائی کہ وہ مادر زاد دشمن معلوم ہونے لگے۔ آخر شیرہ نے موقع پا کر اپنے بڑے بھائی مسعود کو ہلاک کر دیا۔ بادشاہ کو اس واقعہ کا علم ہوا۔ تو بہت رنج کیا۔ چونکہ دامن انصاف کو اس نے کبھی ہاتھ سے نہ جانے دیا۔ اس لیے شیرہ کو اُس کے قصاص میں قتل کرا دیا۔ مگر دونوں چونکہ اُس کی نظروں میں یکساں عزیز تھے۔ اس لیے سلطان نے ایک کروڑ کشمیری اشرفیاں جن کو صاحب تاریخ فرشتہ نے "چار سو شتہ بار طلا" لکھا ہے۔ ان کی روح کی ترویج کے لیے کم عمر نادار بچوں میں بطور خیرات تقسیم کیں۔

Marfat.com

شہزادوں کی باہمی خانہ جنگیاں

اپنے فرزندوں کی باہمی خانہ جنگیوں اور عداوتوں سے بادشاہ کی عمر کے آخری ایام بڑے تلخ گزرے۔ ادہم خاں سب سے بڑا تھا۔ لیکن اپنی شرارتوں اور شوخ چشمیوں سے بادشاہ کی نظروں میں ذلیل و حقیر تھا۔ منجھلے بھائی حاجی خاں سے جس کو بادشاہ بہت چاہتا تھا۔ اس کی سخت عداوت تھی۔ تیسرا بیٹا بہرام خاں بھی اپنے دونوں بھائیوں سے صاف نہ تھا۔ ان کے باہمی رشک و حسد نے جب ایک خوفناک صورت اختیار کر لی تو ملک میں تین پارٹیاں شہزادوں کی اور ایک پارٹی بادشاہ کی ہوگئی اور بد امنی اور فتنہ و فساد کے آثار ظاہر ہونے لگے۔ رفع شر کیلئے ادہم خاں کو بغاوت تبت فرو کرنے کے لیے ایک لشکرِ جرار دے کر دارالخلافہ سے دُور بھیج دیا وہ ہوا کی طرح گیا اور ملک کو تہ و بالا اور باغیوں کا قلع قمع کر کے بگولے کی طرح واپس آگیا۔ بلکہ بہت سا مالِ غنیمت بھی سلطان کے پاس لایا اور اپنی مردانگی و شجاعت اور فتح و نصرت کی بدولت نوازش ہائے خسروانہ کا مورد ہوا۔

باپ بیٹے میں خونریز جنگ

ادہم خاں کے اس طرح مظفر و منصور ہو کر واپس آنے اور بادشاہ کی نظروں میں وقار و عزت حاصل کرنے سے حاجی خاں کو بڑا صدمہ ہوا۔ بھائیوں کی کدورت لڑائی میں ظاہر ہونے والی تھی کہ بادشاہ نے حاجی خاں کو لوہر کوٹ کا حاکم بنا کر سری نگر سے دور بھجوا دیا۔

در اندازوں اور فتنہ پروروں کا کام اس وقت تک چل سکتا ہے جب تک فریقین میں بدمزگی و نفاق قائم رہے۔ چنانچہ مفسدوں اور خود غرضوں نے حاجی خاں کو باپ اور بھائی کے خلاف بھڑکانا شروع کیا۔ باپ کو فتنہ سازوں کی ان حرکات کی خبر ہوئی تو بیٹے کو خط و کتابت کے ذریعہ اس کو نہ اندیشی و خیرہ سری سے باز رکھنے کی کوشش کی لیکن حاجی خاں کے سر پر تو "بادشاہ کشمیر" بننے کا بھوت سوار ہو رہا تھا۔ اور

Marfat.com

اس کے مصاحب اس کو مبارک سلامت کے نعروں سے باپ اور بھائی سے جنگ کرنے پر آمادہ کر رہے تھے۔ پہلے تو وہ باز نہ آیا۔ پھر باپ نے ملائمت کے ساتھ اُس کو سمجھایا اور اس کی پچھلی سعادت مندیوں کے حوالے دیے اور آئندہ کے لیے امیدیں دلائیں اور لکھا کہ ہم تم کو خود بلائیں گے۔ تم ہماری اجازت کے بغیر لوہر کوٹ سے قدم باہر نہ نکالو اور خلق خدا کے خون سے درگزرو۔ حاجی خاں پر باپ کی اس تحریر کا بڑا اثر ہوا۔ ایک عریضہ معذرت آمیز لکھنے کو تھا کہ مصاحبوں نے پھر گمراہ کر دیا۔ اور کہا سلطنت کے معاملات میں اس قسم کی باتوں پر یقین و اعتبار کرنا آئین عقلمندی کے خلاف ہے۔ غرض وہ لشکر لے کر کشمیر پر حملہ آور ہوا۔ باپ اور بھائی بھی مقابلہ کو نکلے۔ میدان تیل میں دونوں لشکر آمنے سامنے ہو گئے۔ طلوع آفتاب سے غروب آفتاب تک جنگ ہوتی رہی۔ حاجی خاں شاہی افواج کی تاب نہ لا سکا۔ ہیرہ پورہ کی طرف بھاگ گیا۔ اس کے بہت سے نامی سردار مارے گئے تھے اور ایک کثیر تعداد باغیوں کی قتل ہو چکی تھی۔ ادہم خاں حاجی خاں کی گرفتاری کے لیے اس کا تعاقب کرنا چاہتا تھا مگر باپ یہ جانتا تھا کہ ادہم خاں تعقب کے بہانے حاجی خاں کو جان سے مار دے گا، اجازت نہ دی۔

باغیوں کے سروں کا بلند مینار حاجی خاں تو ہیرہ پور جا کر اپنے زخمیوں کی مرہم پٹی کراتا رہا۔ ادھر بادشاہ نے حکم دیا کہ مقتولوں کے سروں سے ایک بلند مینار قائم کیا جائے تاکہ پھر کسی اور ناخلف و خودسر کو بغاوت کی جرأت نہ ہو سکے بلکہ قیدیوں میں سے بھی بہت سے آدمی قتل کیے گئے۔ اس قسم کی سزاؤں کا نتیجہ یہ ہوا کہ بہت سے لوگ حاجی خاں سے علیحدہ ہو گئے۔

یہ لڑائی ۸۶۲ھ مطابق ۱۴۶۰ء میں ہوئی۔ انہی ایام میں بارش طوفان کی صورت میں آئی۔ اور قحط نے موت کا لباس اختیار کر کے راعی و رعایا دونوں کو پریشان کر دیا۔ موسم کھل جانے پر بادشاہ نے قحط کا انسداد بھی کیا اور لگان میں بھی زمینداروں کو بہت

Marfat.com

سی رعائتیں دے دیں اور اکثر مقامات پر مالیہ بالکل معاف کر دیا۔

بادشاہ کے بڑے بیٹے کی بغاوت

بادشاہ کا بڑا بیٹا ادہم خاں اب باپ کا منظور نظر بلکہ ولی عہد تھا۔ بادشاہ نے امور ملکی و مہمات سلطنت میں بھی اس کو شریک کر لیا۔ لیکن اس قسم کے مراحم خسروانہ اور شفقت پدرانہ نے ایک نا اہل پر کوئی اچھا اثر نہ ڈالا۔ ولی عہد کے غرور نے اس سے بہت سے نامناسب و ناواجب کام کرائے۔ کامراج کے علاقہ میں تو اس نے کسی کے پاس نقد و جنس بھی نہ چھوڑا۔ لوگوں نے تنگ آکر بادشاہ کے پاس اس کے ظلم و ستم کی فریاد کی۔ بادشاہ رعایا آزار حرکتوں سے اس کو منع کرتا۔ مگر وہ بادشاہی احکام کی ذرا پرواہ نہ کرتا۔ اور چونکہ جانتا تھا کہ بادشاہ اب چراغ سحری ہے اس لیے عمداً اور اعلانیہ باپ کے احکام کی خلاف ورزی کرتا۔ طبقات اکبری میں لکھا ہے کہ حاجی خاں کی شکست کے بعد چھ سال تک ادہم خاں بڑے استقلال سے بادشاہ کا محبوب بنا رہا یا بہ الفاظ دیگر چھ سال تک ادہم خاں کے ظلم برداشت کرتی رہی۔ آخر وہ بہت سا لشکر لے کر باپ پر حملہ کرنے کے ارادہ سے روانہ ہوا اور قطب الدین پور میں آکر ڈیرے ڈال دیئے۔ سلطان کچھ محبت پدری سے کچھ مصلحت ملکی سے کچھ مخلوق خدا کی بہتری کے لیے اس کی گستاخیوں کو نظر انداز کرتا رہا آخر بغیر اس سے ملاقات کرنے کے بادشاہ نے اُسے سمجھا بجھا کر واپس کامراج بھجوا دیا۔

سوپور میں جنگ عظیم

سوپور سرکاری علاقہ تھا۔ وہاں شاہی دفاتر اور شاہی مکانات بھی تھے۔ ادہم خاں جب سری نگر سے واپس کامراج آیا تو اُس نے سوپور میں حاکم سوپور سے جنگ کی۔ وہ لڑائی میں مارا گیا۔ ادہم خاں نے شہر اور نواحات کو غارت کیا۔ جب باپ کو خبر ہوئی کہ بیٹا یہاں سے تو خاموشی کے ساتھ چلا گیا ہے مگر سوپور میں جا کر اُس نے کھیل کھیلا ہے تو اُس نے اپنے منجلے بیٹے حاجی خاں کو جو باپ اور بھائی کے خوف سے چھ سال سے پونچھ اور بھیرہ پور کے پہاڑوں میں سر چھپائے بیٹھا تھا بہ تعجیل تمام بلوایا۔ اس سے آگے طبقات میں لکھا ہے کہ بادشاہ خود افواج قاہرہ لے کر بیٹے کی سرکوبی

Marfat.com

کے لیے سوپور روانہ ہوا۔ تاریخ کشمیر میں لکھا ہے کہ وہ آپ دارالخلافت میں رہا اور حاجی خاں کو اُس نے بھائی کے مقابلہ پر سوپور میں بھیجا۔ جس نے بھائی سے شکست کھائی[1]۔ پھر بادشاہ خود سوپور گیا۔ بہرحال لڑائی ہوئی۔ طرفین سے بہت سے لوگ مارے گئے۔ ادہم خاں جان سلامت لے کر نیلاب کی طرف بھاگ گیا۔

پُل سوپور جو دریا پر واقع ہے اس افراتفری میں ٹوٹ گیا جس سے تقریباً تین سو[2] آدمی ادہم خاں کی فوج کے غرق ہو گئے۔ بادشاہ سوپور آیا اور رعایا کو دلاسہ دیا۔ جو کچھ ہوا اس پر افسوس ظاہر کیا اور کہا بغیر اس جنگ کے ہمیں امن و امان ملنا مشکل تھا۔

حاجی خاں کو خلعت ولی عہدی

حاجی خاں بارہ مولا میں تھا کہ بادشاہ نے اپنے چھوٹے بیٹے بہرام کو اُس کے استقبال کے لیے بھیجا۔ چھ ماہ کے بعد سوپور میں باپ بیٹا ملے۔ سلطان نے بڑی محبت کا اظہار کیا۔ اُسے اپنے ہمراہ شہر لایا اور ایک دربار کر کے بڑے بیٹے کو ولی عہدی سے علیحدہ کیا اور حاجی خاں کو خلعت ولی عہدی عطا کیا۔ حاجی خاں نے بھی اخلاص و ادب میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کیا۔ تقصیرات سابق کی تلافی بوجہ احسن کی اور اپنے ملازمین کو جو سفر و حضر میں اُس کے رفیق تھے، بادشاہ سے سفارش کر کے منصب ہائے اعلیٰ تک پہنچایا اور جاگیریں اُن کے نام مقرر کرائیں۔ باپ نے ایک کمربند اور ایک شمشیر کہ دونوں جواہرات قیمتی سے مرصع و مطلا تھے، عنایت کر کے اپنی مزید خوشنودی کا اظہار کیا۔

---

[1]: فرشتہ بھی اسی واقعہ کی تائید کرتا ہے۔

[2]: طبقات اور مکمل تاریخ کشمیر حصہ دوم میں تین سو اور تاریخ فرشتہ میں تین ہزار کا ذکر ہے۔

ولی عہد کی شراب نوشی

حاجی خاں اب باپ کا خدمت گذار تھا اور اس کے خلاف کبھی بغاوت میں حصہ نہ لیتا تھا۔ لیکن مے نوشی کا مرض اس کو اندر ہی اندر گھن کی طرح کھا رہا تھا۔ شراب اس کی گھٹی میں پڑ چکی تھی۔ ہاتھوں میں رعشہ پیدا ہو رہا تھا اور دل و دماغ اپنا صحیح کام کرنے سے عاری ہو رہے تھے۔ باپ نے بیٹے کی یہ حالت دیکھی تو اُسے اس عادتِ بد کے نشیب و فراز سمجھائے۔ مذہب نے جو احکام اس لعنت کے متعلق دے رکھے ہیں وہ اس کو بتائے۔ سلطنت پر جو اس کا اثر پڑے گا وہ سمجھایا لیکن حاجی خاں اس قسم کی نصیحتوں کو قبول کرنے کے لیے تیار نہ تھا۔ وہ باپ کی باتوں کو اِس کان سے سنتا اور اُس کان اڑا دیتا۔

بادشاہ پر خانہ جنگیوں کا اثر

بادشاہ بہت ضعیف العمر تھا۔ وہ بیٹوں کی حرکات سے تنگ آ چکا تھا۔ حاجی خاں کو ولی عہد مقرر کر کے کچھ آرام کا سانس لیا تھا کہ اُس کی شراب نوشی نے کاروبار سلطنت میں خلل عظیم پیدا کرنا شروع کر دیا۔ اس رنج اور صدمہ سے بادشاہ اس قدر بیمار ہو گیا کہ اس کو اسہال دموی یعنی خون کے دست شروع ہو گئے۔

امراء وزراء نے یہ حالت دیکھی تو بادشاہ کے علم و اطلاع کے بغیر ادہم خاں کو بلوا بھیجا۔ وہ آیا اور باپ کی خدمت میں حاضر ہوا لیکن باپ نے بیٹے کی طرف کوئی التفات نہ کی بلکہ ضعف کے عالم میں بھی امراء کی اس حرکت پر ناراضگی و رنجیدگی کا اظہار کیا۔

بادشاہ کو ہلاک کرنے کی کوشش

جہانگیر نے اپنی توزک میں بڈشاہ کی خوارق عادات کا جو اہل کشمیر میں مشہور ہیں ذکر کرتے ہوئے ایک جگہ لکھا ہے۔

Marfat.com

بادشاہ زینہ لنک کے عبادت خانہ میں تھا کہ ایک ناخلف زادہ اس کو قتل کرنے کے قصد سے عبادت خانہ میں تنہا سمجھ کر شمشیر کشیدہ آیا مگر جب اپنے باپ پر اُس کی نظر پڑی تو صلابت پدری اور شکوہ صلاح سے سراسیمہ ہو کر اُلٹے پاؤں پھرا۔ اسی اثنا میں سلطان بھی عبادت خانہ سے نکل کر اسی بیٹے کے ساتھ کشتی میں بیٹھ کر شہر کو روانہ ہوا۔ اثنائے راہ میں بیٹے سے کہا میں عبادت خانہ میں اپنی تسبیح بھول آیا ہوں۔ کشتی پر سوار ہو کر میری تسبیح لے آؤ۔ بیٹا عبادت خانہ میں آیا تو دیکھا باپ بھی وہاں موجود ہے۔ یہ بے سعادت از روئے شرمندگی باپ کے قدموں پر گرا اور معافی کا خواستگار ہوا۔

بادشاہ بیٹوں کے اوضاع واطوار اور اخلاق وعادات سے واقف تھا کہ وہ حکومت وریاست کی طلب میں میری طبعی موت کے بھی منتظر رہنا نہیں چاہتے۔ تزک جہانگیر کے الفاظ میں اُس نے اپنے بیٹے کو معافی کا خواستگار دیکھ کر کہا۔ "برمن[1] ترک حکومت چہ بلکہ گزشتن از حیات بسیار آسان ست۔ اما بعد از من کارے نخواہید ساخت ومدت دولت شمایان بقا نخواہد داشت۔ و بہ اندک زمانے بہ جزائے عمل زشت و نیت خود خواہید [illegible]۔ ایں سخن گفتہ ترک خوردن و آشامیدن نمود"۔

اس واقعہ کو ملک حیدر چاڈورہ نے بھی جو کشمیر کا نامور مورّخ ہے اپنی تاریخ میں لکھا ہے۔ اس نے اتنا اضافہ کیا ہے کہ وہ ناخلف ادہم خاں تھا جو سب بڑا بیٹا ہے۔ بادشاہ نے اُس کو یہ شعر بھی پڑھ کر سنایا تھا۔

پدر کُش بادشاہی را نشاید ۔۔۔ دگر شاید بجز شش مہ نپاید

---

[1] صفحہ ۴۶ مطبوعہ ایشیاٹک سوسائٹی بنگال

Marfat.com

بادشاہ کا عبادت خانہ میں دوبارہ موجود ہونا صحیح ہو یا غلط[۵] لیکن اس میں کلام نہیں کہ توزک جہانگیری کی تحریر کے مطابق جو الفاظ اس نے اپنی ناخلف اولاد کے متعلق اپنے بیٹے سے کہے، وہ آخر پورے ہو کر رہے۔ یعنی سلطنت اس خاندان کے ہاتھ سے نکل کر چک خاندان کے قبضہ میں چلی گئی۔

بادشاہ کا جانشین مقرر کرنے سے انکار

تینوں شہزادوں نے باہمی صلح و موافقت کر کے آپس میں کچھ عہد و پیمان کر لیے۔ لیکن دل چونکہ کسی کا صاف نہ تھا اس لیے تمام قول و قرار نقش برآب سے زیادہ ثابت نہ ہوئے اور دل ہی دل میں ہر ایک عہد شکنی کے منصوبے کرنے لگا۔ حالانکہ ہر ایک کیلئے غیب سے صدا آرہی تھی ؂

به نقض عهد دلیری مکن که چرخ فلک　　نتیجهٔ عملت زود در کنار نهد

ضعیفی و بیماری روز بروز بادشاہ پر غالب آرہی تھی خیر خواہان سلطنت نے بادشاہ سے عرض کیا کہ سب شہزادے حضور میں حاضر ہیں۔ حضور والا جس کو لائق و افضل سمجھیں کاروبار سلطنت سپرد کر دیں تاکہ ملک میں نظام و امن قائم رہ سکے۔ بادشاہ تمام شاہزادوں کی نیتوں اور ان کی ہنگامی و عارضی صلح آرائیوں سے واقف تھا۔ اُسنے خیر خواہانِ سلطنت کی کسی بات کا جواب نہ دیا اور نہ اپنے کسی بیٹے کو کاروبار سلطنت کے قابل خیال کیا۔ البتہ اس کی خاموشی میں جو معنے تھے ان کو ذیل کا شعر شاید صحیح طور پر ادا کر سکتا ہو ؂

عروس ملک کسے در کنار می گیرد　　که بوسه بر لب شمشیر آبدار زند

شہزادوں کی منافقانہ صلح کا خاتمہ

اہلِ نفاق کو بھائیوں کے لڑانے کا موقع مل گیا۔ مختلف پارٹیاں بن گئیں اور ہر شہزادہ اپنی اپنی جگہ ولی عہدی کا دعوےٰ کرنے لگا۔ بہرام خاں جو سب سے چھوٹا تھا ان سب سے

---

[۵] مصاحب اسلامک کلچر ان کشمیر صفحہ ۹۸ [illegible] کو دلچسپ مگر غلط قرار دیتے ہیں۔

Marfat.com

چالاک ثابت ہوا۔اس نے سنخان نفاق سے دونوں بڑے بھائیوں کو باہم دشمن بنا دیا۔ چنانچہ ادھم خاں شاہی محلات سے رخصت ہو کر قطب الدین پور میں چلا گیا۔

بادشاہ کی اب یہ حالت تھی کہ کھانا پینا قطعاً ترک ہو چکا تھا۔ ضُعف پیری بیماری سے بھی غالب تھا اور جب شاہزادوں کی حرکات ناشائستہ کی خبریں اُسے پہنچتی تھیں تو اُسے اور بھی صدمہ ہوتا تھا۔ چنانچہ امراء نے شاہزادوں کی باہمی منافقت اور آئندہ فتنہ وفساد کو مدِنظر رکھ کر یہ فیصلہ کر دیا کہ اُس کا کوئی بیٹا بادشاہ کے پاس عیادت کے لیے نہ جائے۔

قریب المرگ بادشاہ مسندِ شاہی پر

بادشاہ کے انتقال کی روز افواہیں اڑتی تھیں اور چونکہ ہر افواہ کے ساتھ بدامنی وبدنظمی کا اندیشہ رہتا تھا۔ اس لیے امراء ہر روز ڈھنڈوروں کے ذریعہ ان افواہوں کی تردید کرتے تھے اور رعایا کو اپنے اپنے مذہبی طریقوں پر بادشاہ کی صحت وسلامی کے لیے دعا کی طرف توجہ دلاتے تھے۔اس ڈھنڈورہ کے علاوہ امرائے سلطنت نے ایک یہ تجویز بھی نکالی کہ بیمار بلکہ قریب المرگ اور زندگی سے نااُمید بادشاہ کو تکلیف وتکلف کے ساتھ محل کے ایک بلند مقام پر لے جاتے جہاں سے سب لوگ بہ آسانی دیکھ سکتے۔ وہاں اُسے مسندِ شاہی پر بٹھاتے اور نقارے بجائے جاتے تاکہ لوگوں کو سلطان کے صحت یاب ہو جانے کا یقین آجائے اور شورہ پشت اور شاہزادے بدامنی سے باز رہیں۔

رفتہ رفتہ سلطان کے ہوش وحواس میں بھی فرق آنے لگا اور اکثر بے ہوشی بھی طاری رہنے لگی۔ بلکہ ایک دفعہ تو سلطان شبانہ روز بے ہوش رہا۔

Marfat.com

امرائے دربار کے حاجی خاں سے عہد و پیمان

حاجی خاں اور بہرام خاں یہ دونوں چھوٹے بھائی اپنے بڑے بھائی ادہم خاں کے خلاف تھے۔ ادہم خاں انہی کے خوف سے قطب الدین پور میں تنہا رہتا تھا۔ جب اُس نے سنا کہ بادشاہ پر اب بیہوشی طاری رہتی ہے اور معلوم نہیں کہ کس وقت اس کا دم نکل جائے تو اپنی فوج کو شہر کی محافظت کیلئے چھوڑ کر خود تنہا چند سواروں کے ہمراہ نوشہرہ میں آیا تاکہ حاجی خاں اور اس کے دوسرے دشمن اس پر کچھ بدگمانی نہ کریں۔ فرشتہ لکھتا ہے کہ یہ رات اُس نے بادشاہ کے دیوان خانہ میں بسر کی۔ طبقات میں لکھا ہے کہ حسن خاں کچی نے جو امرائے بڈشاہی میں بزرگ تر تھا۔ دربار کا رنگ ادہم خاں کے خلاف دیکھ کر اس کو کسی آئندہ مناسب وقت کے وعدے پر واپس بھجوا دیا اور امراء کے منشار کے مطابق حاجی خاں کو بلوایا اور اس کے عہد و پیمان کر کے سلطان کا اصطبل خانہ جس میں ہزارہا گھوڑے تھے اس کے سپرد کر دیا۔ یہ خبر چشم زدن میں دارالخلافہ بلکہ سارے شہر میں پھیل گئی۔ حاجی خاں نے بادشاہ کے پاس جانے کی اجازت مانگی۔ لیکن امراء نے فتنہ و فساد کے خوف سے اجازت نہ دی۔

ادہم خاں کی ہجرت کشمیر سے

ادہم خاں نے جب حاجی خاں کے استقلال و اقبال کا حال سنا تو سمجھ گیا کہ اب نہ صرف تخت کشمیر ہاتھ سے نکل گیا بلکہ میری جان کی بھی خیر نہیں ہے چنانچہ وہ جان بچا کر ہندوستان کی طرف بھاگ گیا۔ اس کی سپاہ نے بھی مایوس و بیدل ہو کر اس کا ساتھ چھوڑ دیا۔

حاجی خاں نے زین لارک اپنے ایک معتبر کو کچھ سپاہ دے کر ادہم خاں کے تعاقب میں بھیجا۔ طبقات اور فرشتہ اور دیگر مؤرخین نے لکھا ہے کہ ادہم خاں نہایت شجاع و جوانمرد تھا اور کچھ شک نہیں کہ اگر وہ اپنی نافرمانیوں کی وجہ سے بادشاہ کو ناراض نہ کر لیتا تو وہ بادشاہ کا بہتر جانشین ثابت ہوتا۔ اس کی شجاعت کے سلسلہ میں لکھا ہے کہ ہر چند اس کے

Marfat.com

تعاقب میں ایک جماعت تھی اور وہ بالکل تنہا تھا۔ دشمن اس کے سر پر بھی جا پہنچا لیکن وہ مردانہ وار دشمنوں کو کاٹتا اور مارتا اور چیرتا ہوا نکل گیا۔[۵]

باپ کی ناراضگی کے ایّام میں حاجی خاں بیرہ پور اور پونچھ کے پہاڑوں میں پناہ گزیں تھا اور چھ سال کے بعد بادشاہ نے اس سے بمقام سوپور ملاقات کی تھی اور پھر اسے دارالخلافہ ہی میں اپنے ہمراہ لے آیا تھا لیکن حالات چونکہ بادشاہ کی ضعیفی اور بھائیوں کی ناہمواریوں کی وجہ سے بد سے بدتر ہوتے رہتے تھے۔ اس لیے بال بچوں کو اس نے پونچھ ہی میں رکھا۔ جب اس کے بیٹے حسن خاں کو پونچھ میں معلوم ہوا کہ ادہم خاں کشمیر سے بھاگ گیا ہے اور اس کے باپ نے عروج حاصل کر لیا ہے اور اس کا دادا زین العابدین مرنے کے قریب ہے تو وہ سری نگر میں اپنے باپ کے پاس چلا آیا جس سے حاجی خاں کی طاقت و قوت اور بھی زیادہ ہو گئی۔

۵: حاجی خاں الملقب بہ سلطان حیدر شاہ کے زمانہ میں لولی نام حجام کا اقتدار تمام وزرا پر غالب ہو گیا اور ملک میں بادشاہ کی غفلت اور وزرا کی خودغرضیوں سے شورش کے آثار ظاہر ہونے لگے تو ادہم خاں ایک فوج کثیر جمع کر کے کشمیر پر حملہ کرنے کے لیے جموں پہنچا۔ وہاں اُس نے سنا کہ حسن خاں کچھی بھی جس کی اعانت و مدد سے حاجی خاں کو بادشاہی نصیب ہوئی تھی اس حجام کے ہاتھوں مارا گیا ہے۔ اسی اثناء میں ملک دیو راجہ جموں پر مغلوں نے حملہ کا ارادہ کیا۔ راجہ جموں نے ادہم خاں سے مدد مانگی۔ ادہم خاں حملۂ کشمیر کا ارادہ فسخ کر کے راجہ کے ہمراہ مغلوں کی لڑائی میں شامل ہوا۔ دوران جنگ میں ایک تیر اس کے منہ پر آ کر لگا جس سے وہ جانبر نہ ہو سکا۔ سلطان حیدر شاہ کو جب ہوئی اس نے بہت افسوس کیا اور راجہ جموں کی معرفت اس کی لاش منگوا کر بہ اعزاز تمام اپنے باپ کے مقبرہ کے نزدیک دفن کرائی۔

Marfat.com

بادشاہ کی وفات ضعیف العمری بجائے خود ایک بیماری ہے لیکن جب فرزندان ناہموار باہمی لڑائیوں میں مصروف ہوں۔ بلکہ باپ کا مقابلہ کرنے اور اس کی جان لینے سے بھی دریغ نہ کرتے ہوں۔ اور امراء اور مصاحبین فتنہ پردازیوں اور فتنہ سازیوں سے ایک دوسرے کو گرانے اور ذلیل کرنے کے درپے رہتے ہوں۔ تو ان روحانی صدمات سے موت وحیات کی جو کشمکش ہے۔ اُس کو بدنصیب باپ کے لیے دائمی رخصت کا پیام لانے کے سوا اور کوئی چارہ نہیں رہتا۔

۸۷۹ھ مطابق ۱۴۷۴ء کی ایک رات کا وہ وقت تھا جب خدائے قدوس کا نزول اجلال ساری دنیا پر چھا جاتا ہے اور رحمت حق اپنے بہت سے مضطرب اور جویائے حقیقت قلوب کو اپنی آغوش میں لینے کے لیے سیماب وار بے قرار ہو جاتی ہے۔ ٹھیک اسی وقت ایک جلیل القدر بادشاہ کی مقدس اور سعید روح لقائے محبوب کے شوق میں رفیق اعلیٰ سے جا ملی اور اپنے فدا کاروں کو تڑپتا ہوا چھوڑ گئی۔

ڈ[illegible]ناہ کہنے کو بادشاہ تھا لیکن ایسا بادشاہ نہیں تھا کہ رعایا کے کسی [illegible] فرد کی رسائی بھی اس تک ناممکن ہوتی۔ وہ بیوہ عورتوں، یتیموں، ناداروں، محتاجوں اور ستم رسیدہ [illegible] انصاف و عدل میں ہندو مسلمانوں کو یکساں تصور کرتا تھا۔

اس کی موت دنیائے شریعت و طریقت کے لیے ایک سانحہ عظیم تھی۔ اس کی موت ملکی امن و فارغ البالی کے لیے صدمہ روح فرسا تھی۔ امراء وزراء عالم اور صوفی، مشائخ اور شاعر، ہندو اور مسلمان سب اس مقدس انسان کے انتقال اور اس متاع عزیز [illegible] جانے پر جس کو وہ "مرشد عالم و عالمیاں" سے کم نہ سمجھتے تھے، جس قلب و زباں سے

Marfat.com

ماتم کناں تھے۔ کاش یہ ہر دلعزیزی و مقبولیت اس کے جانشینوں کو بھی نصیب ہو سکتی۔

۸۷۴ھ۔ یا اس کے پس و پیش کی پیدائش کے مطابق بادشاہ
کی عمر نوے سال سے زیادہ تھی۔ باون سال اس نے بادشاہی کی، سال وفات تو ۸۷۴ھ سب
نے لکھا ہے لیکن یوم وفات کا کسی نے ذکر نہیں کیا۔

رعایا کے ہر طبقہ اور ہر گروہ نے اپنے محبوب بادشاہ کا جو ماتم کیا
اس نے ع "دل بیگانگاں بہر تو خون است" کا قول صحیح کر دکھایا۔ بادشاہ کی الم انگیز وفات
پر نوحے اور مرثیے لکھے گئے۔ دو ایک نوحوں کے چند اشعار ذیل میں درج ہیں۔ ؎

سلطان زین العابدین زد خیمہ در خلد بریں
بے نور شد تاج و نگین بے نور شد ارض و سما
از بہر تاریخش عیاں بے سر شدہ اندر جہاں
عدل و کرم علم و حلم جاہ و حشم صلح و صفا

دیگر — دریغا بادشاہ مسلمین رفت امام وقت زین العابدین رفت
جہاں تاریک شد از ماتم او کہ خورشید زماں زیر زمیں رفت

۔۔۔ عدل، کرم، علم، حلم، جاہ، حشم، صلح، صفا کو بے سر کرنے یعنے ان لفظوں کا پہلا پہلا حرف اڑانے
سے ۔۔۔ ۸۵۹ عدد نکلتے ہیں۔ حالانکہ وفات ۸۷۴ھ میں ہوئی ہے۔ نیز مصرع میں علم کا لفظ بہ فتح
۔۔۔ ہے۔ حالانکہ وہ بے سکون ہے۔ البتہ اگر مصرع تاریخ بہ قرار دیا جائے ع عدل و کرم
۔۔۔ ۔۔۔ زیب و خیم صلح و صفا تو ہر لفظ کو بے سر کرنے یا اس کا پہلا حرف اڑانے سے ۸۷۴ھ برآمد ہوتا ہے
جو ۔۔۔ سال وفات ہے۔ معلوم نہیں غلط مصرع کس طرح نقل در نقل ہوتا چلا آیا۔

Marfat.com

کشید از آسماں سر ہاتف غیب ندا در داد ماہ ملک دیں رفت

آسمان کا سر الف = ۱ ۸۸۰ + ۱ = ۸۷۹ھ

بڈشاہ کی قبر اس کے باپ کی قبر کے سامنے مزار السلاطین میں بنائی گئی اور وہ نادر الوجود ہستی جس نے اپنی انصاف پرور علم دوست اور بے تعصب حکومت کی وجہ سے کشمیر کی عظمت کا سکہ تمام ہندوستان اور ہندوستان سے باہر عرب وروم اور ایران و خراسان تک بٹھا رکھا تھا۔ فرجی جاہ وجلال کے ساتھ سپرد خاک کر دی گئی۔

زین العابدین عرف بڈشاہ کی قبر ہی کے باعث آج مزار السلاطین "مقبرہ بڈشاہ" کہلاتا ہے۔ مقبرہ کے احاطہ کے اندر کشمیر کے کئی بادشاہ، کئی شاہزادے، کئی بیگمات اور کئی نامی سردار اور مشائخ دفن ہیں لیکن مقبرہ بڈشاہ کی جو حالت آج نظر آرہی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کشمیر میں کسی کو بھی شیخ سعدی کی اس زریں نصیحت [۱]

نام نیک رفتگان ضائع مکن تا بماند نام نیکت برقرار

کا خیال نہیں ہے۔

بڈشاہ اور اکبر اعظم بڈشاہ کو کشمیر اور اکبر کو سارے ہندوستان میں عظیم شہرت و ہردلعزیزی حاصل ہے اور اس ہردلعزیزی میں ان دونوں کا مقابلہ بھی کیا گیا ہے۔ اکبر چونکہ سارے ہندوستان کا شہنشاہ تھا۔ بڈشاہ کی حکومت صرف کشمیر و کاشغر و تبت و پنجاب اور سرحدات کے بعض حصص پر تھی۔ اس لیے بقول صاحب

---

[۱] یہ مقبرہ زینہ کدل کے پل سے چند قدم آگے برلب دریا ڈاکخانہ مہاراج گنج بازار کے سامنے۔ قبرستان کی چار دیواری تک سلامت نہیں ہے۔ تمام قبریں شکستہ اور خراب ہیں اور روز بروز معدوم ہو رہی ہیں۔

Marfat.com

"اسلامک کلچران کشمیر" ان کی مماثلت و مشابہت وسعت ملک کے لحاظ سے نہیں بلکہ وسعت اخلاق کے لحاظ سے ہونی چاہیے۔

بڈشاہ کے دربار میں بھی ابوالفضل، فیضی۔ بدایونی اور ٹوڈرمل جیسے یگانہ روزگار مصاحب موجود تھے لیکن دقت یہ تھی کہ بڈشاہ کے حالات کی کتابیں اور تاریخیں کشمیر کی چار دیواری ہی میں محدود رہیں اور انقلاب روزگار نے آج ان میں سے بھی کئی ایک کو صفحۂ عالم سے مٹا رکھا ہے۔ اکبر کے عہد کی تاریخیں اس کی توسیع حکومت کے ساتھ سارے ہندوستان میں پھیلتی گئیں اور جب ہندوستان میں مطابع کا اجرار ہوا تو ان کی شہرت نے ان کو زیور طبع سے آراستہ ہونے کا موقع بھی دے دیا۔

نیز اُس کے دربار میں اہل فرنگ بھی آئے اور انھوں نے اپنے ملکوں میں واپس جا کر مشرقی درباروں کا بطور عجائبات ذکر کیا اور بادشاہ کے حالات پر جس نے نصاریٰ کو اپنے ملک میں ہر قسم کا آرام دیا بلکہ اُن کا بڑا اعزاز کیا تھا، کتابیں لکھیں اور شائع کیں اور مدارس کی تاریخ ہند نے نمایاں طور پر اکبر کو اپنے صفحات میں جگہ دی۔ پھر اکبر کے حالات جب مولانا آزاد دہلوی نے اردو زبان میں لکھے تو انھوں نے اپنی مشہور جادو نگاری سے اس کی شہرت کو بقائے دوام کا خلعت پہنایا ؎[۲]

چھاپہ کی برکت سے نہ صرف اکبر کے عہد کی بلکہ اس سے ماسبق

---

[۱] دربار اکبری عہد اکبری کی شاندار تاریخ ہے۔

[۲] اس کے مقابلہ میں بڈشاہ کے حالات اردو زبان میں لکھے تو مجھ جیسے بے مایہ و ہیچ مدان نے۔

Marfat.com

زمانہ کی کئی کتابیں بھی آج عام طور پر مل سکتی ہیں لیکن کشمیر کی جتنی فارسی کشمیری[1] یا سنسکرت کی تاریخیں اور دیگر علوم و فنون کی کتابیں ہیں اہلِ کشمیر کی تنگدلی و جہالت کی وجہ سے ہنوز پردۂ گمنامی میں ہیں بلکہ اکثر ضائع ہو چکی ہیں۔ کچھ انگریزی اور جرمن سیاح خرید کر لے گئے ہیں اور کچھ مالکان کتب کی نااہلیت کی وجہ سے کیڑوں کی نذر ہو رہی ہیں۔ ورنہ زین العابدین کے حالات میں زونہ راج نے زینہ ترنگنی اور سوم پنڈت نے زینہ چرت کے نام سے جو کتابیں.. سنسکرت زبان میں لکھی ہیں ان کا ترجمہ اگر کہیں شائع ہو جائے تو دنیا کو بڈشاہ کی طرزِ حکومت اور اس کی لازوال ہردلعزیزی کا شاید کچھ علم ہو سکے۔ کیا کسی اور مسلمان بادشاہ کے حالات بھی آج تک سنسکرت زبان میں لکھے گئے ہیں۔

یہ دعویٰ نہایت وثوق سے کیا جاسکتا ہے کہ زین العابدین سوائے توسیع مملکت کے تمام باتوں میں اکبر سے زیادہ مرتبہ رکھتا تھا اور یہ تو ایک کھلی ہوئی بات ہے کہ زین العابدین نے ۸۷۸ھ میں انتقال کیا اور اکبر ۹۶۳ھ میں تخت نشین ہوا۔ یا بہ الفاظ دیگر اکبر زین العابدین کے وفات کے پچاسی سال بعد تخت پر بیٹھا اور جب اس نے ۹۹۴ھ میں کشمیر پر قبضہ کیا اور اس کو بڈشاہ کی ہردلعزیزی کا علم اور اس کے عہد کی تاریخوں اور کتابوں کا پتہ ملا تو اس نے بڈشاہ کے حالات دریافت کرنے کے لیے کشمیر کی تاریخوں اور کتابوں کے ترجمے کرائے اور بڈشاہ کی زندگی اور اس کی طرزِ حکومت سے بہت کچھ استفادہ حاصل کیا۔

بڈشاہ خود عالم تھا۔ کئی زبانوں سے آگاہ تھا۔ علم حدیث و فقہ

---

[1] دیباچہ اسرار الابرار میں لکھا ہے۔ "د تواریخ کشمیر بعضے بہ لغت کشمیری و بعضے بہ زبان پارسی۔

میں درجۂ اجتہاد نہ رکھتا ہو لیکن ان علوم پر اس کو کامل عبور تھا۔ مذہبی کتابوں کے لیے سرزمین حجاز تک زادِ راہ دے کر لوگوں کو بھیجتا تھا۔ علماٗ و مشائخ کی قدر کرتا تھا۔ اس کے مقابلہ میں اکبر "دین و مذہب" سے بالکل کنارہ کش تھا۔ اُس نے بڑے بڑے عالموں کو اور مفتیوں تک کو شراب پلوادی۔ وہ علماٗ و مشائخ کا مضحکہ اڑاتا تھا اور ایک نئے دین کا بانی بنا تھا جس کا نام اس نے دینِ الٰہی اکبر شاہی رکھ تھا۔

وہ کبھی آگ کو پوجتا۔ کبھی مریم و عیسیٰ کی تصویروں کو چومتا۔ کبھی آفتاب کی پرستش کرتا۔ کبھی ماتھے پر ٹیکہ لگاتا۔ اور کبھی شاہی خاندان کے کسی فرد کی موت پر ہندوؤں کی طرح سر منہ اور ڈاڑھی منڈواتا اور اس طرح غیر مسلموں میں ہر دلعزیزی حاصل کرتا۔ بڈشاہ اپنے آخری سانس تک اپنے مذہب پر قائم رہا۔ نہ اُس نے آگ کی پرستش کی نہ آفتاب کی۔ نہ اس نے بُتوں کو پوجا لیکن بایں ہمہ اس کو تمام ہندوؤں نے بڈشاہ سے بڈشاہ[۱] یعنی ہندوؤں کا بادشاہ بنا دیا۔ اس نے مندروں اور بُت خانوں کی جو مسمار اور منہدم تھے، از سرِ نو تعمیر کرائی اور ساتھ ہی مسجدوں کی تعمیرات سے بھی غافل نہ رہا۔ اس نے ہندو جوگیوں اور باعمل سنیاسیوں سے ہمیشہ عقیدت و ارادت کا اظہار کیا۔ لیکن مسلمان علماٗ و مشائخ سے بھی کبھی منہ نہ موڑا۔ اُس نے ہندوؤں کے علم و فن کی کتابیں ہندوستان کے مختلف ممالک سے منگوائیں اور سنسکرت کو ترقی دینے کی تدابیر نکالیں۔ لیکن عربی فارسی کی ترویج و اشاعت کو بھی اپنا فرض سمجھتا رہا۔ اکبر کی پرائیویٹ زندگی عیش و عشرت کا نمونہ تھی۔ اس کے محلات میں کئی مسلمان بیگمات اور کئی ہندو رانیاں تھیں۔ راجپوت راجاؤں اور مسلمان

---

[۱] گلدستۂ کشمیر میں پنڈت ہرگوپال لکھتے ہیں کہ مسلمانوں نے بادشاہ کی ہنود نوازی کی وجہ سے اُس کا نام ہٹہ شاہ مشہور کر رکھا تھا۔

Marfat.com

امراء کی لڑکیوں نے جو اس کے رشتۂ مناکحت میں بندھی ہوئی تھیں محل شاہی کو اندر کا اکھاڑا بنا رکھا تھا۔ اس کے خلاف زین العابدین کی صرف دو بیگمات تھیں اور اگر پہلی بیگم صاحب اولاد ہوتی تو وہ کبھی دوسری شادی نہ کرتا اور تزکیہ نفس اور ضبط نفس کی ایسی لاجواب مثال ہے۔ کہ کسی مشرقی یا مغربی بادشاہ کو بہت کم نصیب ہوئی ہوگی جس نے دین اسلام میں اپنا علیحدہ مذہب قائم کرکے ایک نیا رخنہ پیدا کر دیا ہو اور اس کی تخریب و تضحیک کے درپے رہتا ہو۔ اس سے نماز روزہ کی پابندی کی کیا توقع ہو سکتی ہے لیکن بڈشاہ اس کے مقابلہ میں نماز روزہ کے علاوہ چلہ کشی جیسی سخت ریاضت بھی کیا کرتا تھا اور اس کی شہادت خود اکبر کا بیٹا جہانگیر اپنی تزک میں دیتا ہے۔

اکبر نے اپنے مذہب پر ملکی مصلحتوں کو ترجیح دی اور اس کو ضعف پہنچا کر دوسرے لوگوں کو خوش رکھنے کی کوشش کی لیکن بڈشاہ نے ملکی مصلحتوں سے بھی کام لیا۔ غیر اقوام کو بھی خوش رکھا اور دامن اسلام بھی ہاتھ سے نہ جانے دیا۔ یہی وجہ ہے کہ اکبر کے مقابلہ میں وہ بہت زیادہ خراج محبت و احترام حاصل کر رہا ہے۔

Marfat.com

پانچواں باب

بڈشاہ کے ہمعصر سلاطین

جس زمانہ میں کشمیر کی مملکت پر سلطان زین العابدین نہایت جاہ وجلال اور استقلال سے حکومت کر رہا تھا۔ ہندوستان شاہان دہلی خصوصاً خاندان تغلق و سادات کی کمزوریوں کی وجہ سے کئی بادشاہیوں میں منقسم ہو چکا تھا۔ دہلی، دکن، مالوہ، گجرات، سندھ، بنگال و بہار، ملتان اور ممالکِ شرقی یعنی جونپور وغیرہ سب جگہ الگ الگ بادشاہ تھے۔

شاہان دہلی بڈشاہ کے ۵۲ سالہ عہد حکومت میں دہلی نے چار بادشاہ دیکھے۔ ابوالفتح مبارک شاہ تخت نشینی ۸۲۴ھ سلطان محمد شاہ ۸۳۷ھ سلطان علاؤالدین ۸۴۹ھ یہ تینوں بادشاہ خضر خاں بانیٔ خاندان سادات کی اولاد سے تھے۔ ان کے زوال کے ایام میں بہلول لودھی کا اقبال اپنے کمال کی تلاش میں تھا۔ چنانچہ ۸۵۵ھ میں وہ دہلی کا بادشاہ ہو گیا۔ اور ۸۹۴ھ تک حکومت کرتا رہا۔

شاہان دکن دکن میں ۸۲۵ھ میں یعنی بڈشاہ سے ایک سال قبل سلطان احمد شاہ بہمنی تخت نشین ہوا۔ اس کے بعد نظام شاہ اور محمد شاہ بہمنی یکے بعد دیگرے ۸۸۶ھ تک حکومت کرتے رہے۔

Marfat.com

شاہان گجرات گجرات میں بڈشاہ کی تخت نشینی کے ایام میں سلطان احمد شاہ (بانیٔ احمد آباد گجرات) کی حکومت تھی۔ ۸۴۶ھ میں اس کا بیٹا محمد شاہ اور اس کی معزولی کے بعد ۸۵۵ھ میں سلطان قطب الدین تخت احمد آباد پر بیٹھا اس کے بعد ۸۶۳ھ میں احمد شاہ کے بیٹے داؤد شاہ نے سات دن تک حکومت کی۔ پھر اسی سال سلطان قطب الدین کا چھوٹا بھائی محمود شاہ تخت پر بیٹھا۔

شاہان مالوہ مالوہ میں جو راجہ بکرماجیت اور راجہ بھوج کا ملک ہے۔ بڈشاہ کے زمانۂ اوّل میں ہوشنگ اور ۸۳۸ھ میں اس کا بیٹا محمد شاہ بادشاہ تھا۔ ۸۳۹ھ میں محمود خلجی نے اس خاندان کو تباہ کر کے اپنی حکومت قائم کی اور طویل حکومت کے بعد ۸۷۳ھ میں انتقال کر گیا۔ اس کے بعد سلطان غیاث الدین اس کا بیٹا بادشاہ ہوا۔ اسی کے زمانہ میں بڈشاہ نے ۸۷۹ھ میں وفات پائی۔

شاہان بنگال و بہار بڈشاہ کے ابتدائی چار سالوں میں بنگال و بہار میں سلطان احمد بن سلطان جلال الدین بادشاہ تھا۔ اس کے بعد ناصر الدین نے ایک ہفتہ اور ناصر شاہ نے (وفات ۸۶۲ھ) ۲۷، ۳ سال اور باربک شاہ نے ۱۷ برس کے بعد ۸۷۹ھ میں بڈشاہ کی وفات کے سال ہی میں انتقال کیا۔

شاہان جونپور سلاطین شرقی میں بزمانہ بڈشاہ ابراہیم شرقی (سال وفات ۸۴۴ھ) اس کے بعد اس کا بیٹا محمود شرقی (وفات ۸۶۲ھ) اس کے بعد اس کے دو بیٹے تخت نشین ہوئے۔ محمد شاہ صرف پانچ ماہ اور حسین شاہ جو بڈشاہ کی وفات کے زمانہ تک زندہ تھا۔

شاہان سندھ سندھ و ٹھٹھہ میں ۸۲۶ھ یعنی بڈشاہ کے سالِ جلوس میں جام تغلق بن جام سکندر بادشاہ تھا۔ جام تغلق کے بعد جام مبارک۔ جام سکندر۔ جام سنجر۔ اور جام نظام الدین، عرف نندا تخت پر بیٹھے۔ جام نندا ۸۶۴ھ میں بادشاہ ہوا اور ۶۲ سال حکومت کرتا رہا۔

Marfat.com

مملکت پنجاب | بڈشاہ کے زمانہ میں پنجاب ہر قسم کی بد امنیوں اور بے چینیوں کا مرکز تھا۔ کبھی بادشاہ دہلی کی طرف سے یہاں گورنر مقرر ہو کے آتے تھے اور کبھی گکھڑوں کی قوم اس پر قابض ہو جاتی تھی۔ خود بڈشاہی فوجوں نے بھی جسرت گکھڑ کو یہاں استقلال دلایا۔ جسرت گکھڑ اور شیخا گکھڑ کا نام تیمور کے حملۂ ہند (۸۰۱ھ) سے بھی پہلے ہی صفحات تاریخ پر نظر آرہا ہے۔ ان کی لوٹ مار سے پنجاب کو کبھی چین نصیب نہیں ہوا۔ جسرت گکھڑ ۸۵۵ھ تک جب بہلول نے دہلی کی سلطنت پر قبضہ کیا ہے زندہ تھا۔

بادشاہ کشمیر کے تعلقات دیگر بادشاہوں کے ساتھ | اب ہم یہ بتاتے ہیں کہ سلطان زین العابدین کے معاصرانہ تعلقات ہندوستان میں یا ہندوستان سے باہر کن کن بادشاہوں کے ساتھ تھے۔ کشمیری فرمانرداؤں میں زین العابدین ہی سب سے پہلا بادشاہ تھا جس نے ممالک غیر کے بادشاہوں کے ساتھ سلسلۂ اتحاد قائم رکھنے کی ضرورت محسوس کی بلکہ اکثر بادشاہوں نے خود تحفہ تحائف بھیج کر اس کے ساتھ تعلقات قائم کیے۔ یہ سب بادشاہ بڈشاہ کی دوستی پر فخر کرتے اور اس کی خوبیوں کے مداح تھے۔

گوالیار | گوالیار کو اکبر کے زمانہ تک علم موسیقی میں خاص شہرت حاصل تھی۔ تان سین جس نے اکبر کے دربار میں آکر تمام ہندوستان میں ناموری پیدا کر لی گوالیار ہی کا باشندہ تھا۔ یہاں کے فرمانروا بھی اس فن سے نسبت خاص رکھتے تھے۔ بقول صاحب طبقات گوالیار کا نام ڈونگر سین تھا۔ جب اس نے سنا کہ بادشاہ کشمیر کو علم موسیقی سے بہت رغبت ہے اور وہ موسیقی دانوں کی بہت قدر کرتا اور خود بھی اس علم میں مہارت تامہ رکھتا ہے تو اس نے موسیقی اور سنگیت کی کتابوں کے دو تین نسخے اپنے معتمدوں کے ہاتھ کشمیر بھیجے۔ صاحب مختصر التواریخ[لہ] لکھتے ہیں "راجۂ گوالیار چوں اطلاع یافت کہ سلطان را بہ علم موسیقی رغبتے

لہ پنڈت بیربر کاہچرو۔

است۔ دوسرہ کتاب این فن مرسل داشتہ سلسلۂ اخلاص واتحاد مرعی داشت“ صاحب طبقات لکھتے ہیں۔ علاوہ کتابوں کے اس نے بڈشاہ کے پاس اور بھی کئی تحائف بھیجے اور سلسلہ اخلاص واتحاد قائم کیا۔

راجہ ڈونگر سین ۸۶۲ھ میں انتقال کرگیا۔ اس کی جگہ اس کا فرزند راجہ کوپ مسند نشین ہوا۔ گوالیار وکشمیر کے تعلقات ومراسم قائم تھے۔ ظاہر ہے کہ بڈشاہ نے ڈونگر سین کی تعزیت اور جدید راجہ کی مسند نشینی پر مبارک باد کے لیے ضرور اپنے معتبر گوالیار میں بھیجے ہوں گے۔

خراسان سلطان ابو سعید نے جو بابر بادشاہ کا جد امجد تھا، بادشاہ کشمیر کے لیے خراسان سے اسپان تازی خچران راہوار اور شتران قوی ہیکل بھیجے اور ایک خریطہ کے ذریعہ دوستانہ خیالات کا اظہار کیا۔ بادشاہ نے ان تحائف کے عوض زعفران، کشمیری کاغذ، مشک، عطر گلاب، سرکہ، اعلیٰ قسم کے شال اور بلور کے نفیس برتن اور کئی اور تحفے سلطان کے پاس بھیجے[1]۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں بلور کے برتن بھی کشمیر میں تیار ہوا کرتے تھے۔

لاسہ والئی لاسہ نے جو تبت سے اوپر چین کی سرحد پر ہے دو جانور جن کو راج ہنس کہتے تھے اور جو نہایت خوش وخوش شکل تھے۔ جھیل مان سرودر سے پکڑ کر اس کے پاس بھجوائے۔ ان جانوروں کی خاصیت یہ تھی کہ پانی اور دودھ ملا کر اگر ان کے روبرو رکھ دیا جائے تو وہ اپنی منقاروں سے دودھ کے اجزا پانی سے جدا کر لیتے تھے۔ بادشاہ نے ان کی اس خاصیت کا خود مشاہدہ کیا اور جب دیکھا کہ ان جانوروں نے پیالوں سے دودھ

---

[1] تاریخ فرشتہ جلد دوم وطبقات اکبری۔

Marfat.com

کے اجزا رپی لیے ہیں اور باقی پانی ہی پانی رہ گیا ہے تو وہ اس تحفہ سے بہت محظوظ ہوا[1]

احمد آباد گجرات گجرات احمد آباد کے بادشاہ سلطان محمود شاہ نے جب زین العابدین کی رعایا نوازی اور علمی سرپرستیوں کی دھوم سنی تو اُس نے بھی اپنے دور و دراز ملک سے ایسے نیک و عادل بادشاہ سے دوستی پیدا کرنا اپنے لیے باعث فخر سمجھا۔ چنانچہ اکثر تحائف و نادرات اپنے آدمیوں کے ہاتھ ایک عریضہ شوق کے ہمراہ بادشاہ کو ارسال کیے۔

سندھ بڈشاہ کے طویل زمانہ حکومت میں تخت سندھ نے پانچ بادشاہوں کی قدم بوسی کی ہے۔ ان میں جام تغلق نے ۲۸ سال اور جام نندا نے ۶۲ سال بادشاہی کی ہے۔ جام نندا کی حکومت ۹۲۶ھ تک رہی ہے۔ بڈشاہ نے اسی زمانہ میں ۸۷۵ھ میں انتقال کیا تھا۔ صاحب طبقات لکھتے ہیں بادشاہ سندھ نے اسپان اور دیگر تحائف اور بہت سا اسباب شاہانہ بڈشاہ کے پاس بھیجا۔ بلکہ ایک قصیدہ بھی بادشاہ کی شان میں لکھ کر ارسال کیا۔ صاحب طبقات رقم طراز ہیں کہ قصیدہ پڑھ کر بادشاہ کشمیر نے خدا کا شکر ادا کیا کہ وہ اس قسم کا بادشاہ ہے کہ خود بادشاہ اس کی شان میں قصیدہ مدحیہ لکھتے اور بہ اعزاز روانہ کرتے ہیں۔

سندھ کا یہ کون بادشاہ تھا اس کی توضیح و تشریح کسی مؤرخ نے نہیں کی۔ غالباً جام تغلق یا جام نندا میں سے کوئی ایک ہوگا۔ یہاں یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ ابوالفضل اور صاحب طبقات کی تحریروں کے مطابق زین العابدین سندھ تک بھی جا پہنچا تھا۔

تخت دہلی خاندان سادات کے آخری تین بادشاہوں کے زمانہ میں ہر صوبہ تخت دہلی سے خود سر ہو رہا تھا بلکہ خود زین العابدین نے اسی زمانہ میں پنجاب و سرہند تک اپنی فوجیں پہنچائیں لیکن جب سلطان بہلول لودھی ۸۵۵ھ میں دہلی کا بادشاہ ہوا تو اس نے

---

[1] تاریخ فرشتہ جلد دوم و طبقات اکبری

Marfat.com

بڈشاہ کے پاس جو پنجاب میں اس کا زبردست ہمسایہ تھا، تحائف و نفائس بھیج کر رابطۂ مودت محکم کیا۔[1]

مکہ، مصر اور روم

ہندوستان کے علاوہ بادشاہ کشمیر کے ساتھ بیرون ہند کے اسلامی ممالک سے بھی رابطۂ دوستی قائم تھا جن میں خراسان کا ذکر ہو چکا ہے۔ ترکستان،[2] سیستان،[3] شریف مکہ۔ خدیو مصر۔ سلطان روم بھی بڈشاہ کی شوکت و سطوت کے قائل تھے۔ چنانچہ صاحب طبقات اکبری (صفحہ ۶۰۲) لکھتے ہیں: "و حاکم مکہ معظم مکرم و مصر و گیلان وغیر آں نیز تحفہ و ہدایہ فرستادہ ہمیں شیوہ را مرعی می داشتند۔"

۱؎ طبقات اکبری ۲؎ و ۳؎ اسلامک کلچر ان کشمیر (انگریزی)

Marfat.com

چھٹا باب

بڈشاہ کا شوق تعمیرات

بڈشاہی عہد کا فن عمارت۔ شفاخانے، مسافر خانے۔ ڈل میں بڈشاہی عمارت۔ باغات و قصبات شاہی محلات۔ بڈشاہ کے ہفت زینہ۔ بڈشاہی عہد کے پل و زینہ گیر ن آبادی وش دانی وغیرہ۔

بڈشاہ کے تعمیری شوق کا ذکر تاریخوں میں

مرزا حیدر کاشغری[1] جو کشمیر میں صاحب حکومت بھی رہا ہے کشمیر کا سب سے قدیم فارسی مورخ ہے جو ہمایوں کے عہد میں گزرا ہے۔ وہ اپنی تاریخ رشیدی میں بڈشاہ کے شوق تعمیرات کا ذکر کرتا ہوا اس کی کئی عمارتوں اور اس کے کئی باغات بالخصوص زینہ لنک کی دل چسپ کیفیت سے اپنی تاریخ کے اوراق کو زینت دیتا ہے اسی طرح بخشی نظام الدین احمد اپنی کتاب طبقات اکبری میں جو بڈشاہ کی وفات کے قریباً سوا سو سال بعد لکھی گئی ہے بڈشاہی تعمیرات کا ذکر کرتا ہے۔ جہانگیر بھی اپنی توزک میں کشمیر کے اس جلیل القدر بادشاہ کی بزرگی و برتری کا ذکر کیے بغیر نہیں رہ سکا۔ وہ لکھتا ہے" اورا بڈشاہ کلاں می گویند خوارق عادات اُو بسیار نقل می کنند۔ آثار و علامات

---

[1] ہمایوں بادشاہ کا خالہ زاد بھائی تھا۔

Marfat.com

وعمارات اُو در کشمیر بسیار است لہ"

بعض دیگر تاریخوں سے معلوم ہوتا ہے کہ ان تین نامور مؤرخوں کے علاوہ زونہ راج اور سری ور وغیرہ سنسکرت زبان کے قدیم مؤرخوں نے بھی بڈشاہ کی تعمیری دلچسپیوں کی اکثر جگہ تعریف کی ہے۔ غرض یہ بادشاہ اس قدر تعمیری دلچسپیاں اور جدید عمارات و باغات کا اس قدر شوق مبداء فیاض سے لے کر آیا تھا کہ یقیناً اس لحاظ سے وہ اپنے زمانہ کا شاہجہان تھا۔

اس نے علم طب کو رواج دیا۔ حکیم حاذق اور طبیب کامل جگہ جگہ سے بلوائے۔ دارالخلافہ میں تو شفاخانوں کی تعمیرات کا عام ذکر ہے۔ ممکن ہے دارالخلافہ کے علاوہ بعض دیگر مشہور مقامات میں بھی شفاخانے تعمیر کرائے ہوں۔ آمد و رفت کے راستوں میں منزلیں، سرائیں اور مسافرخانے تعمیر کرا کے بادشاہ نے اپنی مملکت کو دارالامان اور کشمیر کو جنت نظیر بنا دیا۔

صاحب اسلامک کلچر ان کشمیر آرکیالوجیکل سروے رپورٹ ۱۹۰۶ء-۱۹۰۷ء کے حوالہ سے لکھتے ہیں "کشمیر میں اسلامی فن عمارت کی تین قسمیں ہیں۔ (۱) مغلیہ عہد سے قبل طرزِ تعمیرات (۲) چوبی طرز کی عمارت (۳) خالص مغلیہ طرز کی عمارت۔

قدیم طرز عمارت

شق اول میں دو بڑی شہرہ آفاق عمارتیں اب تک سری نگر میں بڈشاہ کے باپ سلطان سکندر بت شکن اور خود بڈشاہ کے زمانہ کی موجود ہیں۔ ایک والدہ زین العابدین یعنی سلطان سکندر بت شکن کی بیگم کا مقبرہ جو مہاراج گنج میں احاطہ مزار السلاطین کے ساتھ ایک بلند گنبد (گنبد) کی صورت میں اب تک اقبال سکندری پر نوحہ کر رہا ہے۔ اس

لہ تزک جہانگیری مرتبہ سر سید احمد خاں مطبوعہ ۱۸۶۵ء صفحہ نمبر ۳۶ ؎ صفحہ نمبر ۲۰۹ در ذکر فن تعمیرات۔

Marfat.com

اس عمارت کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں روغنی اور سانچہ کی ڈھلی ہوئی نیلے رنگ کی اینٹیں جو بیرونی دیواروں میں کچھ کچھ فاصلہ پر لگی ہوئی ہیں، اپنی قدیم صنعت کا ثبوت دیتی ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ یہ عمارت ایک مندر کے چبوترہ پر تعمیر کی گئی تھی۔

اسی طرح شہر میں حضرت سید مدنی کا مقبرہ ایک چھوٹی سی عمارت میں ہے جو شاید اپنی شکستگی و تباہ حالی کی وجہ سے فراموش کر دیا گیا ہے۔ بقول مسٹر نکولس[1] اس کی رنگین ٹائلوں کا کام ایک قدامت پسند کے لیے غیر معمولی دلچسپی کا سرمایہ ہے۔ اس رنگین کام کے بعض حصے اب بھی مقبرہ کی دیواروں پر اپنے متعدد پہلوؤں میں اپنے متضاد شوخ رنگ مٹے ہوئے نقش و نگار کی صورت میں دکھا رہے ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ٹائلوں کا کام مغلیہ عہد سے قبل بھی کشمیر میں رائج تھا کہا جاتا ہے کہ یہ مقبرہ ۱۴۴۴ء میں زین العابدین کے عہد میں تعمیر ہوا تھا۔ اس قسم کی قدیم صنعت اب کشمیر میں اس درجہ معدوم ہے کہ ان دو عمارتوں کے سوا اس قسم کی کسی اور عمارت کا نشان ملنا قریباً ناممکن نظر آتا ہے۔

یہ وہ زمانہ تھا کہ مسلمانوں کی فتوحات اور اُن کی عظیم الشان شوکت و سطوت کا اثر وسطِ ایشیا کے گوشہ گوشہ میں سرایت کر چکا تھا اور خطۂ فردوس کا یہ ٹکڑا جس کا نام کشمیر ہے تہذیب اسلام سے بلا واسطہ متمتع ہو رہا تھا اور زین العابدین کے طویل عہدِ حکومت نے تو اس ملک کی شہرت چار دانگ عالم تک پہنچا دی تھی۔

زین العابدین کے زمانہ میں جو بے طرزِ عمارت میں نمایاں ترقی ہوئی

---

[1] از اسلامک کلچر ان کشمیر صفحہ ۲۰۹۔

Marfat.com

بادشاہ ہنر پرور تھا۔ وہ ذات صفات کی پرورش کی بجائے علم و ہنر کی قدر دانی میں زیادہ لطف پاتا تھا۔ سمرقند، بخارا اور وسط ایشیا سے جو اہلِ ہنر اور صاحبِ فن اُس کے ہمراہ آئے تھے اُن میں فنِ تعمیرات کے ماہر بھی تھے۔ وہ ان کی قدر اور حوصلہ افزائی کرتا تھا اور وہ بھی قدردان بادشاہ کو خوش کرنے کے لیے اپنے اپنے کمال دکھاتے تھے۔ آج کشمیر کی عمارتوں میں جو بچی کھچی رنگینیاں دیکھ رہے ہو اور چھتوں کے نقش و نگار میں جس صنعت پر احسنت و مرحبا کہتے ہو یہ سب بڈشاہی قدردانیوں کا ظہور ہے۔

تعمیرات بڈشاہی

بڈشاہ نے اپنے طویل اور پُر امن عہدِ حکومت میں جس قدر باغات احداث کیے۔ پُل بنوائے، نہریں کھدوائیں، نئے شہر اور محلّے اور دیہات آباد کیے۔ مساجد و منادر آباد، اور مرمت اور تعمیر کرائے ان کی تفصیل تو بہت طویل ہے مگر چند ایک حسبِ ذیل ہیں۔ نہروں کا ذکر اپنے موقع پر آئے گا۔

۱۔ سونہ لنک درتالاب ڈل
۲۔ زینہ لنک درتالاب وُلر
۳۔ زینہ کدل درنفس شہر سری نگر۔
۴۔ زینہ بازار متصل زینہ کدل
۵۔ زینہ ستھو۔ در پرگنہ آڈون
۶۔ زینہ دب۔ درنوشہرہ سری نگر
۷۔ زینہ گیر۔ درعلاقہ کامراج
۸۔ پل سوپور۔ بردریائے بہت در وسط سوپور۔
۹ زینہ مرگ۔ درعلاقہ پائین۔
۱۰ زینہ کوٹ۔ متصل اندرکوٹ۔
۱۱ نوشہرہ درسری نگر، جانب شمال
۱۲۔ زینہ کنڈل۔ کامراج۔
۱۳۔ سلطان پورہ۔ کامراج
۱۴۔ باغ بڈشاہی۔ وانتی پورہ
۱۵۔ زینہ پورہ۔ پرگنہ آڈون
۱۶۔ جامع مسجد شوپیاں۔
۱۷۔ جامع بارہ مولا۔
۱۸۔ مسجد کاڈہ یار۔ درنفس شہر متصل زینہ کدل
۱۹۔ مزار السلاطین۔ ″ ″ ″ ″
۲۰۔ مسجد جامع نوشہرہ۔ درمحلّہ نوشہرہ۔
۲۱۔ ہفت پل بڈشاہی۔
۲۲۔ خانقاہ چرار شریف

Marfat.com

۲۳۔ خانقاہ اشم ۔موضع اشم۔ ۲۵۔ خانقاہ مدنی صاحب۔

۲۴۔ خانقاہ سید برخوردار درسری نگر۔ ۲۶۔ زشٹے شور مندر

ڈل میں بڈشاہی عمارت

ڈل بظاہر ثقیل سُست اور ایک بھدا سا نام ہے لیکن اپنے پانی کی صفائی اور لطافت اور اپنی بیش بہا پیداوار اور اپنی زمین چُرائے جانے کی وجہ سے نام کشمیر میں بلکہ دُور دُور مشہور ہے۔ ڈل کا طول شرقی سمت گگری بل سے بیکرنیل بل تک تخمیناً تین میل ہے۔ اس کا عرض خواجہ یاربل سے بیکرنشا ط باغ کے دروازہ تک دو میل اور اس کے دَور محیط کا اندازہ محققین نے دس میل تک لگایا ہے۔

زمانہ سلف میں جب کشمیر کا پانی کم ہو کر یہاں خشک زمین نکلی۔ تو ڈل کا موجودہ طول دعرض بھی ایک وسیع میدان بلکہ صحرا تھا۔ پرانی کتابوں میں نام اس صحرا کا تالنی مرگ[1] درج ہے۔ جب راجہ پرورسین[2] نے دریائے وتستا کا پانی کوہ ماران کے نیچے لانے کی تجویز کی تو ناوہ پور کے مقام پر ایک طویل ومضبوط بند بنایا۔ جس نے دریا کے پانی کو پہاڑ کے قدموں میں لاکر بچھا دیا۔

راجہ درلبؔ[3] دردون کے زمانہ میں جب باوجود بہت سی احتیاطوں کے نہ تھمنے اور نہ رکنے والی طغیانی آگئی تو یہی میدان جہاں پرورسین کے زمانہ سے صرف تھوڑا سا پانی وہ بھی کوہ ماران کے دامن میں جمع رہتا تھا۔ ایک وسیع اور طویل دعریض جھیل بن گیا۔

---

[1] تاریخ حسن صفحہ ۴۶

[2] عہد حکومت ۱۰۲ء نہایت ۱۶۲ء [3] عہد حکومت ۶۱۷ء نہایت ۶۵۳ء۔

Marfat.com

ڈل میں مصنوعی جزیرہ سونہ لنک

ڈل تین حصوں میں منقسم ہے۔ ایک ڈل کلاں جو حضرت بل کے سامنے ہے۔ دوسرے ڈل خورد جس کا احاطہ کوہ سلیمان یا ہری پربت سے لیکر نشاط باغ تک ہے۔ تیسرے سدرہ کھون جو ہری پربت یا کوہ ماران کے نیچے ہے اور نہایت عمیق ہے حصہ اول یعنی ڈل کلاں کے درمیان سلطان زین العابدین نے بہت سی بھرتی ڈال کر ایک مصنوعی جزیرہ سونہ لنک کے نام سے احداث کیا۔ اس پر ایک محل تعمیر کرایا جس کی شکل تاریخوں میں سہ آشیانہ وار لکھی گئی ہے۔ چنانچہ صاحب تاریخ حسن لکھتے ہیں "قصرے سہ آشیانہ دار براں عمارت کردہ بود" وہ عمارت بڈشاہ کے زمانہ تک پوری رونق پر رہی۔ بادشاہ جب ڈل کی سیر کو آتا یہاں دیر تک قیام کرتا۔ امراء وزراء ساتھ ہوتے۔ کبھی ملکی مشورے ہوتے۔ کبھی سیاسی گتھیاں سلجھائی جاتیں۔ کبھی معرفت و تصوف کے پھول جھڑتے۔ کبھی اس ظرافت و دل لگی سے بھی کام لیا جاتا جس کو استہزا نہیں بلکہ "کالملح فی الطعام" لکھا جاتا ہے۔ بڈشاہ کے بعد سونہ لنک کا کیا حال ہوا تاریخ کہتی ہے "بحادثہ زلزلہ بہ شکست"

یہ جزیرہ عہد مغلیہ و افاغنہ میں

زوال خاندان شہمیری اور تباہی چکان کے بعد جب کشمیر میں مغل اعظم یعنی شہنشاہ اکبر نے کہ وہ بھی بڈشاہ کی طرح اپنی طبیعت کی بوقلمونیوں سے عجائبات روزگار سے تھا قدم رکھا تو اس کے جانشینوں نے جو بڈشاہ کی بزرگی و رعایا پروری اور اس کی شان و شوکت کے قائل تھے۔ مرمت و ترمیم کے بعد سونہ لنک کے کھنڈرات کو پھر قصر شاہی بنا دیا۔

افغانوں کے عہد میں جوان شیر امیر خاں[1] کشمیر کا ایک نامور گورنر

[1] سرینگر کا مشہور پل امیرا کدل اسی کے نام پر ہے۔ عہد حکومت ۱۱۸۵ھ تا ۱۱۸۶ھ بزمانہ احمد شاہ ابدالی۔

Marfat.com

گزرا ہے۔ وہ بڑا امیر طبع اور عیش دوست تھا۔ اُس نے سونا لنک کے چھوٹے سے جزیرہ کو مغل بادشاہوں اور گورنروں سے بھی زیادہ رونق دی۔ صاحب تاریخ حسن لکھتے ہیں۔
"امیر خاں آں ترمیم کردہ بہ سبیل دولاب بالائے چنار آب کشیدہ در صحن عمارت فوارہ روح افزا بر داشتہ۔ بہ تماشائے آں صرف اوقات مے کرد"۔ تاریخ حسن ۱۳۰۱ھ میں لکھی گئی ہے جس کو آج ۷۴ سال کا عرصہ گزرتا ہے۔ اس زمانہ میں سونہ لنک کا کیا حال تھا۔ مصنف تاریخ حسن لکھتا ہے۔ "دریں زماں عمارتش ویراں"۔ لیکن آج ۱۳۷۵ھ میں اس جزیرہ کی جو حالت ہے وہ چونہ اور پتھروں کے ڈھیر کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ ایک دو توُت کے درخت ہیں اور ایک چنار کا درخت لب آب اپنی کہنگی و قدامت کا اشتہار دے رہا ہے۔

زین العابدین کے ہفت زینہ

کشمیر میں کئی مقامات ایسے ہیں جو بڈشاہ کے نام سے موسوم ہیں۔ مثلاً بڈمقام[1]۔ بڈسر[2]۔ لیکن سات مقام ایسے ہیں جو زین العابدین کے نام سے تعلق خاص رکھتے ہیں اور کشمیر میں ہفت زینہ کے نام سے مشہور ہیں۔ یہاں ان میں سے بعض کا بالاجمال بعض کا بالتفصیل ذکر کیا جاتا ہے۔

(۱) زینہ کوٹ

اس کا ذکر سب سے پہلے جونراج نے اپنی راج ترنگنی کے شلوک ۱۲۴۸ میں جین کوٹ کے نام سے کیا ہے، جونراج لکھتا ہے۔ یہ گاؤں زین العابدین نے ملہان پور[3] (حال مالر) کامراج کے جنوب مشرقی کونہ میں جہاں زمین ہمیشہ دلدلی

---

[1] [2] یہ دونوں مقام بڈمقام و بڈسر موضع ہ دوشیوہ زینہ گیر کے سر پر واقع ہیں۔ بڈمقام نہایت سرسبز بلند پہاڑ ہے۔ ان دونوں مقامات کو راقم الحروف نے دیکھا ہے۔ بڈسر بالکل خشک تالاب ہے کبھی بارش ہوتی ہے تو تالاب میں پانی جمع ہو جاتا ہے۔ رام پور راجپور جہاں محکمہ جنگل کا بنگلہ بھی ہے۔ یہاں سے ڈیڑھ میل کے فاصلہ پر ہے۔ لولاب یہاں سے بارہ تیرہ میل ہے۔ بڈمقام سے تمام وادی کا منظر آنکھوں کے سامنے آتا ہے بڈمقام ہی میں خادم صاحب کا اخروٹوں کا باغ ہے [3] آباد کردہ راجہ جیاپیڈ۔

Marfat.com

رہتی تھی، آباد کیا تھا۔

ایک پرانی بیاض[1] میں زینہ کوٹ کے متعلق چند سطریں نظر سے گذری ہیں۔ صاحب بیاض نے ملا احمد کاشمیری ملک الشعرائے دربار بڈشاہی کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے۔ موضع زینہ کوٹ میں جب سلطان نے عمارات شاہی کی تکمیل کر لی تو ترکم[2] چینی نام ایک صنعت کار (سنگ تراش) نے بادشاہ کے لیے سنگ سیاہ کا ایک حوض بنایا جس کے فرش میں سنگ سفید لگایا گیا تھا، ملا احمد نے اس حوض کی تعریف میں ایک نظم لکھی۔ افسوس ہے وہ نظم مکمل نہیں مل سکی۔ بیاض بہت پرانی اور بوسیدہ ہے اور اکثر مقامات سے کاغذ کرم خوردہ اور پھٹا ہوا ہے۔ اس نظم کا صرف ایک شعر سلامت ہے۔ ایک شعر کا پہلا مصرع سالم اور دوسرا نصف موجود ہے۔ باقی نظم کیڑوں کی خوراک ہو گئی ہے۔ چنانچہ یہ اشعار حسب ذیل ہیں[3]

حوضے کہ دست ترکم چینی زبہر شاہ ۔۔۔ باصد صفائے دست زسنگ سیاہ بست

فرش سفید در تہ آب زلال حوض ۔۔۔ پڑھا نہیں گیا۔ از دل ماہی بہ ماہ بست

زینہ کوٹ میں جو سنبل کے نزدیک ہے بادشاہی عمارات کے کھنڈرات اب تک موجود ہیں۔ حمام اور حمام کے صحن کے پتھر اور حوض کے نشانات اب بھی ایک دردمند کے سینہ میں زخم بے نشان پیدا کرنے کیلئے تیر بے کمان کا کام دے

---

[1] یہ بیاض خواجہ محمد اسمٰعیل صاحب نامی تبت بقال سری نگر کے پاس ہے۔

[2] معلوم ہوتا ہے کسی چینی صنعت کار کا نام تھا۔ اس سے اس امر پر بھی روشنی پڑتی ہے کہ بادشاہ نے فن تعمیرات کے سلسلہ میں چین تک سے بھی اہل صنعت طلب کیے تھے [3] مولانا شمس الدین حیرت پامپوری سرینگر نے ایک پیوند لگا کر مصرع کو اس طرح روشن کیا ہے ع "پیوند نور از دل ماہی بہ ماہ بست"

Marfat.com

رہے ہیں۔

(۲) زینہ کدل | اس کا ذکر پلوں کے بیان میں پڑھیے۔

(۳) زینہ بازار | یہ بازار زینہ کدل سے نائد کدل تک چلا گیا ہے۔ اس زمانہ کی رونق و آبادی پر غور کرو اور یہ بھی دیکھو کہ بادشاہ کو اپنے آباد کردہ مقامات سے کس قسم کی دل بستگی و دلچسپی ہوتی تھی۔ پھر اندازہ لگاؤ کہ اس بازار میں کیا کچھ رونق نہ ہوتی ہوگی۔

(۴) زینہ پور | اس کا نام سنسکرت کی تاریخوں میں جین پور یا جین نگر درج ہے۔ یہ گاؤں زین العابدین نے مدو راجیہ (مراج) میں آباد کیا اور بعد میں یہی رونق و شادابی کی وجہ سے ایک پرگنہ مشہور ہو گیا۔ یہ موضع ایک کریوہ پر آباد ہے۔ سرینگر سے اس کا فاصلہ بجانب گوشہ جنوب قریباً پندرہ میل ہے۔ اس کی بناء کے متعلق مشہور ہے کہ شیخ شمس الدین بغدادی[۱] ایک بزرگ تھے جو بڈشاہ کے زمانہ میں کشمیر آئے۔ جب اس کریوہ پر پہنچے تو اس کی غیر آبادی و سنسانی کے باوجود جب یہاں ہوا نے دلکش اور فضائے روح افزا دیکھی تو اسی ویرانہ کو اپنا مسکن بنا لیا۔ فقراء کی ایک جماعت بھی ساتھ تھی۔ مطبخ ہر وقت گرم رہتا تھا اور جو آتا تھا وہ خالی نہ جاتا تھا۔ بادشاہ نے بھی شیخ بغدادی کی شہرت سنی۔ ان کو بلوانے کی بجائے خود وہاں جانا مناسب سمجھا۔ چنانچہ گیا اور ارادت مندی کا تحفہ پیش کر گیا۔ بادشاہ نے شیخ کی خاطر یہاں زینہ پور کے نام سے ایک گاؤں آباد کیا۔ ایک نہر جاری کی جس کی سد بندی آج تک زینہ سنفو کے نام سے مشہور ہے۔ اس نہر کی آبپاشی سے کئی دیہات آباد و سرسبز ہو گئے۔ شیخ بغدادی کا مزار بھی زینہ پور ہی میں

---

[۱] تاریخ خواجہ اعظم مؤلف خواجہ محمد اعظم دیدہ مری۔

Marfat.com

مرجع خلائق ہے۔

شیخ کے ساتھ بادشاہ کو عقیدتمندی تھی۔ اس لیے وہ اکثر یہاں آیا کرتا تھا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ جب شیخ نے اپنی عبادت میں ہرج آتے دیکھا تو بادشاہ سے فرمایا: "فقیراں ہمسر بادشاہان ہستند دو بادشاہ در یک جا کجا می گنجند"۔ بادشاہ تو عجائبات کا مجموعہ تھا۔ اُس نے وہاں جانا ترک کر دیا۔ اسی واقعہ کے بعد بادشاہ نوشہرہ کی راجدھانی کو آباد کرتا ہے۔

معلوم ہوتا ہے زین العابدین کی وفات کے قریباً ایک سو سال بعد تک زینہ پورہ کو خاصی اہمیت رہی ہے۔ چنانچہ خاندانِ چک کے بادشاہ حسین شاہ والئی کشمیر نے اپنے آخری عہد میں جب اپنے چھوٹے بھائی علیخاں کو مملکت و حکومت سپرد کر کے تخت پر بٹھایا تو آپ موضع زینہ پورہ میں جو زین العابدین کا آباد کردہ تھا اور طراوت و نظارت اور باغ و بہار کی وجہ سے دارالسرور تھا چلا آیا اور وہیں ۹۷۷ھ میں جان بحق ہو گیا۔

علی خاں نے بادشاہ ہو کر اپنا نام علیشاہ رکھا۔ ۹۷۸ھ میں تخت پر بیٹھا۔ اس کا بھائی حسن خاں ہنگامہ برپا کر کے تخت و سلطنت کے دعوے کے لیے ایک جماعت کو اپنا طرفدار بنا رہا تھا۔ علیشاہ نے قلعہ زینہ پور میں اس کو محبوس کیا۔ تین ماہ کی صعوبتوں کے بعد حسن خاں نے اسی قلعہ میں وفات پائی۔

آج زینہ پور میں نہ وہ قلعہ ہے نہ شاہی عمارات ہیں۔ نہ ایسی

Marfat.com

اور علامتیں باقی ہیں جن سے یہ شبہ تک بھی ہو سکے کہ یہ مقام کبھی دارالخلافہ کی ہمسری کیا کرتا تھا۔ ؂

کیا عجب مرقد بڈشاہ سے آئے جو ندا

ہائے زین پور تیرا کیا حال ہوا میرے بعد

تاریخ حسن سے معلوم ہوتا ہے کہ زینہ پور کے باغہائے دلکشا اور عمارات عالیہ عجوبۂ روزگار تھیں اور یہ سب فراز کریوہ پر تھیں۔ مغلیہ دورِ حکومت تک ان کے آثار میں کچھ نہ کچھ جان موجود تھی۔

زینہ ڈوب یا راجدھانی نوشہرہ

یہ مقام جو آج سری نگر کا دور افتادہ محلہ ہے، دارالحکومت شہر گڈھی (سری نگر) سے قریباً چار پانچ میل کے فاصلہ پر ملہ شاہی باغ کو جاتے ہوئے راستہ میں آتا ہے۔ نوشہرہ نئے شہر کو کہتے ہیں اور بڈشاہ نے بھی عالیشان عمارتوں کا ایک رفیع و وسیع سلسلہ قائم کر کے سری نگر کے شمالی پہلو میں ایک نیا شہر آباد کیا تھا۔ چونکہ بادشاہ خود یہاں رہتا تھا اور یہیں دفاتر وغیرہ تھے۔ اس لیے نوشہرہ کو راجدھانی بھی کشمیری زبان میں کہتے تھے۔ ڈب یا ڈبب کے معنے محل یا منزل ہے۔ اس لیے سرکاری کاغذات میں یہ محلات زینہ ڈب کے نام سے موسوم تھے۔

بادشاہ نے اس مقام کو حیثیت کر کے رونق دی۔ نالہ مل کے پاس ایک وسیع اور خوشنما باغ بنوایا۔ اسی باغ کے کھنڈرات پر شاہجہان کے زمانہ میں نواب علیمردان خاں گورنر کشمیر نے "حویلی ہائے سنگین و فوارہ و آبشار و دلنشیں برائے بود و باش خود احداث کرائے۔ نواب علیمردان خاں نے اس کا نام باغ حیدر آباد رکھا۔

Marfat.com

بادشاہ نے نوشہرہ میں بارہ منزلہ عمارت کا جو دربارِ عام تعمیر کرایا، صنعت وحرفت، نقش ونگار اور وسعت وسربلندی میں رشک زمانہ اور عجوبۂ روزگار تھا۔ ہر منزل میں پچاس حجرے تھے اور ہر حجرے میں پانچ سو آدمی سما سکتے تھے۔ گویا اس مکان میں ۲۵ ہزار آدمیوں کی گنجائش تھی اور پھر لطف یہ کہ اس تمام عمارت میں اینٹ پتھر، چونہ کہیں نام کو نہ تھا۔ تمام عمارت لکڑی کی تھی اور کشمیری صنعت کا بے مثل نمونہ تھی۔ مرزا حیدر کاشغری تاریخ رشیدی میں اس عمارت کے متعلق لکھتا ہے "عمارتے بہ این رفعت و وسعت در عالم مثل کوشک ہشت بہشت سلطان یعقوب در تبریز۔ و کوشک باغ زاغان و باغ سفید و باغ شہر در ہرات اند۔ و کوک سرائے و غاق سرائے و باغ دلکشا و باغ بوللری کہ در سمرقند است۔ دیدہ شد۔ اما طرح سیاق و لطافت کہ آں ہا دارند۔ ایں ندارد و غرابت ایں عمارت بیشتر از آن است[۱]"

بادشاہ بزمانہ شاہزادگی سمرقند میں کئی سال تک رہا ہے اس نے جس قسم کے باغات وہاں دیکھے ہوں گے ان کا نمونہ اپنے ملک میں بھی تیار کرنے کی کوشش کی ہوگی۔ مرزا حیدر یہ تسلیم کرتا ہے کہ بلحاظ خوبصورتی و وضع کشمیر کا زینہ دب گو سمرقند و ہرات اور تبریز کی تعمیرات کا مقابلہ نہیں کرسکتا تاہم وہ دنیا کی عجیب تر عمارتوں میں سے ہے۔

صاحب طبقات اکبری[۲] تعمیرات بڈشاہی کے دوران میں نوشہرہ کی آبادی کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں "و بنزدیک کوہ ماران جوئے را آوردہ شہرے را کردہ کہ آباد اینٹ او پنج کردہ بود۔ و دیگر شہر ہا را آبادان کردہ"

---

[۱] بحوالہ تاریخ حسن۔ [۲] صفحہ ۶۰۲

Marfat.com

اس زمانہ میں نوشہرہ کی رونق کس عروج پر ہو گی۔ اس کا اندازہ لگانا آج جبکہ اس محلّہ میں سناٹا چھایا رہتا ہے بہت دشوار ہے۔ ان مقامات پر اس نے علمائ و فضلاء اور مساکین کو خود آباد کیا اور ہمیشہ ان کے حال پر نظرِ شاہانہ رکھی۔ امراء و وزراء نے بھی بادشاہ کی تقلید میں یہیں مکانات تعمیر کرا لیے۔

بادشاہ علاقہ لار سے سندھ کو کاٹ کر ایک نہر لایا جو محلّات زینہ دب کے مختلف صحنوں سے گزرتی اور حوضوں در فواروں کی خوبصورتیوں سے محلّات کی شان کو دو بالا کرتی تھی۔ مؤلف ؎

فیضِ آب لار پہنچا ہے کہاں   قصرِ بڈشاہی بنا باغِ جناں

بادشاہ نے باغات اور عمارات کے علاوہ ایک عالیشان مسجد جامع یہاں تعمیر کرائی جو ۱۱۵۴ھ تک یعنی آج (۱۳۴۷ھ) سے ایک سو سال پیشتر تک موجود تھی۔ چنانچہ صاحب فتحیات کبرویہ[1] لکھتے ہیں: "ہنوز مسجد بنا نمودہ وے از حالت ادبومی دہد"۔ یہ مسجد چشمہ مخنۃ پھسکری کے بالکل متصل تھی۔

بڈشاہی زمانہ سے اس محلّہ میں کاغذ ساز رہتے ہیں۔ بادشاہ نے ان کے مدد معاش کے طور پر پرگنہ پھاگ کی آمدنی بطور جاگیر پرورش ان کو عطا کر رکھی تھی۔ مغل بادشاہوں کے زمانہ میں بھی کاغذ سازوں نے کشمیری کاغذ کی شہرت قائم رکھی۔

---

[1] شیخ عبدالوہاب نوری گنائی مصنف فتحیات کبرویہ سال تصنیف ۱۱۵۳ھ غیر مطبوعہ۔

Marfat.com

اخوند ملّا کبیر (استاد بادشاہ) خواجہ حبیب اللہ اور اخوند ملا شمس الدین کی زیارت گاہیں نوشہرہ کے عین وسط میں واقع ہیں۔ راجدھانی[۱] یا راز دانی جو اوپن کے نام سے بھی مشہور ہے، کے ٹوٹے پھوٹے آثار ابھی تک نواحات نوشہرہ میں چشم عبرت کو نظر آتے ہیں۔ ؎

آسماں سے بھی تھا پایہ جن کی رفعت کا بلند
ہائے کیونکر کھا گئی ان آسمانوں کو زمین

ڈلر میں زینہ لنک کی تعمیر

بڈشاہ ایک دن سید جان بازولیؒ کے ہمراہ دریا کی سیر کرتا ہوا ڈلر[۲] کی طرف جا نکلا۔ جب عین وسط ولر میں پہنچا تو بادشاہ نے سید صاحب سے کہا کہ یہ جگہ بڑی خوفناک ہے۔ اس کے چاروں طرف دریا حائل ہے۔ جب اس کا پانی موجزن ہوتا ہے اور پھر اس میں تلاطم و طوفان پیدا ہوتا ہے تو لوگوں کو کوئی جائے پناہ نظر نہیں آتی۔ سب ورطۂ ہلاکت میں ڈوب جاتے ہیں اور کوئی بھی اپنی جان کو ساحل تک سلامت نہیں لے جا سکتا۔ (بقول محوی صدیقی) ؎

وہ منظر بھی الٰہی کیا قیامت خیز منظر تھا   کہ میں ڈوبا کیا دیکھا کئے احباب ساحل سے:

اس لیے میں چاہتا ہوں کہ ڈلر کے عین درمیان ایک جزیرہ آباد کروں جس پر ایک عبادت خانہ اور ایک احاطہ تعمیر کروں۔ تاکہ ڈلر کے مسافروں کو ولر کے اندر کچھ تو آرام و آسائش کی جگہ نظر آئے لیکن یہ کام بہت مشکل ہے۔ اس میں ہمت مرداں

---

[۱] وجیز التواریخ قلمی مصنفہ ملا عبدالنبی سال تصنیف ۱۲۷۴ھ

[۲] اولر کشمیری زبان میں سوراخ کو کہتے ہیں اور چونکہ زمین میں سوراخ ہو کر ایک عظیم چشمہ بہہ نکلا تھا۔ اس لیے اس جھیل کا نام ڈلر ہی مشہور ہو گیا۔

Marfat.com

کے ساتھ دعائے بزرگان کی بھی ضرورت ہے۔ "کہ انفاس زندہ دلاں مددگار بادشاہان است" [1]

میں آپ سے اس کام کے لیے فاتحہ خیر کی درخواست کرتا ہوں۔ سید جان باز نے ہاتھ اٹھائے اور دعا کی۔ بادشاہ اور سیدزادے رات کو سوپور میں ٹھہرے۔ صبح طلوع آفتاب کے ساتھ ہی سید تو بارہ مولا روانہ ہو گئے اور بادشاہ سری نگر چلا گیا۔

اب یہ خبر ہر برناؤ پیر اور ہر کوچہ و بازار تک جا پہنچی تھی کہ بادشاہ ولر میں ایک محل تیار کرنے والا ہے اس کے لیے ایام زمستاں ساز گار زمانہ تھا۔ کیونکہ اس موسم میں پانی کم ہو جاتا ہے اور ماہی گیر بھی اس زمانہ میں کچھ نہ کچھ ایسی چیزیں دستیاب کر لیتے ہیں جن سے معلوم ہوتا تھا کہ یہاں کسی زمانہ میں کوئی عظیم الشان شہر آباد رہ چکا ہے۔

جب یہ موسم آیا تو بادشاہ بڑے بڑے غوص بلوائے جو چھ چھ سات سات گھنٹوں تک پانی کے نیچے رہ سکتے تھے۔ حکم دیا کہ ولر کے وسط میں تا زیر سطح آب کے نیچے سب کچھ چھان مارو۔ جو جگہ بلند اور سخت نظر آتے اس کو دیکھو اور بتاؤ تاکہ وہاں بسہولت تمام عمارت بن سکے۔

ایک بت خانہ کے آثار

چنانچہ بڑی کوشش کے بعد ایک شکستہ بت خانہ کے نشان ملے۔ بادشاہ کو اطلاع ہوئی۔ فوراً خوشی سے خود کشتی پر سوار ہو کر آیا۔ غواصوں کو حکم دیا کہ اس بت خانہ کے اندر جائیں اور دیکھیں وہاں کیا کیا ہے؟۔ غواصوں نے پھر غوطے لگائے۔ پانی کے اندر جا کر بت خانہ کے کونہ کونہ کی تلاشی لی۔ آخر غواص دو بت [2] کہ ہندو اُن کو مورتیاں کہتے ہیں نکال لائے۔

---

[1] اسرار الابرار در حالات سید جان باز ولیؒ۔

[2] تاریخ ملا بہاؤالدین میں چار بتوں کا ذکر ہے چنانچہ ارحاشیہ صفحہ ہذا آئندہ صفحہ پہ دیکھیں۔۔۔

Marfat.com

زینہ لنک کی بنیاد و تعمیر جہانگیر نے اپنی تزک میں جہاں سلسلہ جشن دو میین نوروز[۱] کا ذکر کیا ہے وہاں کشمیر کا ذکر کرتے ہوئے بڈشاہ کے متعلق بھی بہت کچھ لکھا ہے اور حق یہ ہے کہ ایسا ہی لکھا ہے جیسا ایک بادشاہ کو دوسرے بادشاہ کے متعلق لکھنا مناسب تھا۔ اسی سلسلہ میں زینہ لنک کا ذکر اس نے ذرا تفصیل سے لکھا ہے۔

وہ لکھتا ہے "کشمیر میں زین العابدین کی جس کو بڈشاہ یعنی شہنشاہ معظم بھی کہتے ہیں۔ بہت سی علامات و عمارات ہیں۔ منجملہ ان کے ایک آبگیر کے درمیان جس کا نام ولر ہے اور عرض و طول جس کا تین کوس سے زیادہ ہے ایک عمارت زینہ لنک بنائی ہے جس کی بنیاد رکھنے میں بڑی کوشش سے کام لیا گیا ہے۔ اس آبگیر کی تہہ عمیق ہے۔ بادشاہ نے اوّل اوّل اس میں کشتیوں میں پتھر بھر بھر کے ڈالے مگر کچھ فائدہ نہ ہوا۔ پھر کئی ہزار کشتیاں پتھروں سے بھر کر اس میں ڈبوئیں۔

اس کے بعد بقول صاحب اسرار الابرار سلطان نے ایک نہایت طول طویل کشتی تیار کرائی جس کو دراصل چھوٹا سا جہاز کہنا چاہیے اور جس کی ساخت کے لیے کشمیر کے علاوہ گجرات وغیرہ دور دور مقامات سے نجار بلوائے گئے تھے اس کشتی کو بادبانوں کے ذریعہ جھیل ولر میں اس مقام پر ڈالا گیا جہاں سے وہ بت خانہ نکلا تھا۔ کشتی میں مٹی اور پتھر بکثرت ڈالا گیا۔ اس کو ہموار و مسطح بنا کر اُس پر زینہ لنک کی بنیاد رکھی گئی۔

(حاشیہ صفحہ سابقہ) ملّا بہاؤ الدین لکھتا ہے "خواصان بہ کوشش تمام در بت خانہ رفتہ چہار بت یافتند و برآوردند دو بت روئیں بودند۔ و دو بت طلائی" لیکن صاحب اسرار الابرار۔ صاحب تاریخ حسن اور مولف مکمل تاریخ کشمیر اور دوسرے مورخ صرف دو[۲] مورتیوں کی تصدیق کرتے ہیں۔

[۱] صفحہ ۲۵ مرتبہ سر سید احمد خاں مرحوم مطبوعہ ۱۸۶۵ء۔

Marfat.com

جہانگیر لکھتا ہے کہ بادشاہ نے پانی کے اوپر اس طریق سے جو زمین پیدا کی وہ سو گز مربع تھی۔ اس کے چاروں طرف اس نے عمارات بنوائیں۔ ایک عبادت کدہ بھی اپنے پروردگار کی عبادت کے لیے تعمیر کرایا۔ اکثر اوقات وہ کشتی میں بیٹھ کر یہاں آتا اور بہت سے چلّے کھینچتا۔

زینہ لنک کا قطعہ تاریخ

یہ عالی منظر کاشانہ جو زینہ لنک کے نام سے موسوم تھا۔ تین طبقوں پر تھا۔ پہلا طبقہ پتھروں سے دوسرا اینٹوں سے اور تیسرا لکڑی کی خوشنما عمارت سے تیار کیا گیا تھا۔[1]

بادشاہ نے اس محل اور عبادت کو اور آرام گاہ کو عوام کی تیاری میں سید جان بازولیؒ جیسے خدا رسیدہ بزرگ سے دعائے خیر د کامیابی کرائی۔ خود محنت و جانکاہی سے اس کو اختتام تک پہنچایا۔ ملک کا بہت سارو پیہ اس کام پر خرچ کیا۔ ظاہر ہے جب یہ عمارت تکمیل کو پہنچی ہوگی تو اُسے بے انتہا خوشی حاصل ہوئی ہوگی۔ اس چھوٹے سے ٹکڑے کو اس نے عمارت کے ایک باغ دلکشا اور مختلف اشجار بار دار و بے ثمر سے سجایا۔ امراء و وزراء نے مبارکبادیں دیں۔ شعراء نے قصائد لکھے جن میں سے صرف ایک قطعہ تاریخ مختلف تاریخوں میں درج ہے اور جو حسب ذیل ہے۔

ایں بقعہ چو بنیاد فلک محکم باد — مشہور بہ زینہ ڈب در عالم باد
شہ زین عباد تاکہ در و جشن کند — ہر سنہ چو تاریخ خود خوش خرم باد
۸۲۶

زینہ لنک کا طول و عرض

جہانگیر جس کی حکومت کشمیر کا زمانہ بڈشاہ سے تقریباً ڈیڑھ سو سال بعد ہوا ہے۔ اس جزیرہ کی وسعت سو مربع گز لکھتا

۱؎ مکمل تاریخ کشمیر حصہ دوم مصنّفہ راقم الحروف مطبوعہ ۱۹۱۰ء

Marfat.com

ہے، مرزا حیدر جو بڈ شاہ سے قریباً سنز سال بعد میں کشمیر میں سلطان نازک شاہ کے نام پر حکومت کرتا رہا ہے۔ اس جزیرہ کی وسعت دو سو مربع گز اور اس کی بلندی ۲۰ فٹ یا دس گز لکھتا ہے اور یہ بھی لکھتا ہے اس جزیرہ میں بادشاہ نے دلکش محل کے علاوہ بہت سے درخت بھی نصب کرائے یہاں تک کہ اس خوشنما نظارہ کا اور ایسی موزوں جگہ کا کوئی اور مقام مقابلہ نہ کر سکتا تھا۔[1]

اس کے بعد پیرزادہ حسن شاہ اپنی تاریخ حسن میں اس جزیرہ کی وسعت کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے "جزیرہ وسیع کہ طول آں از شمال تا جنوب یک صد ذرعہ و عرض ۵۰ ذرعہ می باشد بلند افراشتہ" جزیرہ کی وسعت کے متعلق تینوں مورخوں کے بیان مختلف ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ تینوں صحیح ہیں۔ مرزا حیدر کے زمانہ میں جو بڈ شاہ کا قریب تر زمانہ ہے جزیرہ لنک اپنی پوری شان و شوکت پر ہوگا۔ اس لیے اس کی وسعت اور خوشنمائی میں بھی چنداں فرق نہ آیا ہوگا۔ جہانگیر کے زمانہ میں جس کو بڈ شاہ کے بعد ڈیڑھ سو سال کا عرصہ گزر چکا تھا۔ پہلے باہمی خانہ جنگیوں پھر انقلاب سلطنت کے بعد زینہ لنک کسمپرسی کی حالت میں رہا ہوگا اس لیے اس کی خرابی و بربادی کی وجہ سے عمارت جوں جوں گرتی جاتی ہوگی۔ پانی نزدیک آتا ہوگا اور اس طرح اس جزیرہ کی وسعت کم ہو گئی ہوگی۔ تاریخ حسن کا مصنف بھی جو وسعت اس کی لکھتا ہے وہ صحیح سمجھنی چاہیے۔ اس لیے کہ عمارت اور چار دیواری اور اشجار وغیرہ کے انہدام سے نام کھنڈرات تہ آب ہو گئے ہوں گے۔

زینہ لنک کی موجودہ حالت

تاریخ حسن میں جس کی تصنیف کو آج صرف ۷۴ سال گزرے ہیں، لکھا ہے: "مسجد زنگین تا حال موجود است تعمیر ساخت:" یہ وہی مسجد سے زنگین ہے، جس کو جہانگیر نے اپنی تزک میں لکھا ہے "عبادت کدہ بہ جہت

---

[1] جزیرہ۔

پرستش پروردگار خود ترتیب دادہ"۔ اسی طرح خواجہ محمد اعظم اپنی تاریخ اعظمی میں جس کی تاریخ کو آج دو سو سال کا عرصہ گزرا ہے زینہ لنک کے قطعۂ تاریخ "بہ پیوستہ چو تاریخ خود نش خرم باد" کے چاروں مصرعوں کے متعلق لکھتے ہیں، یہ تاریخ تاحال ایک پتھر پر منقش ہے لیکن جب راقم السطور ۱۳۳۷ھ مطابق ۱۹۱۸ء میں زینہ لنک کے کھنڈرات دیکھنے گیا تو نہ وہاں قطعہ تاریخ کسی پتھر پر منقش تھا اور نہ مسجد اپنی رنگینیوں کے ساتھ موجود تھی۔

زینہ لنک جس کے تین آشیانے تھے یعنی ایک پتھروں کا ایک اینٹوں کا ایک لکڑی کا، ان میں سے کوئی بھی سلامت نہ تھا۔ دو بالائی آشیانوں کا تو وجود ہی نہ تھا جو طبقہ سب سے نیچے تھا اُس کے کچھ بُرے بھلے آثار نام تھے، جو ہر طرف دور رہے تھے۔ پتھروں کے ڈھیر چاروں طرف لگے ہوتے تھے اور توتوں[1] کے چند درخت اپنے خشک پتوں اور بوسیدہ وجود سے اپنی کہنگی کا ثبوت دے رہے تھے اور اس عالیشان عمارت پر جس کے متعلق جہانگیر نے لکھا ہے کہ "کشمیر کے اور بادشاہوں نے بھی زینہ لنک میں ضلعوں میں عمارتیں بنائیں لیکن کوئی عمارت زین العابدین کی عمارت کے پایہ کو نہ پہنچی تھی۔" حسرت و افسوس کے بادل چھا رہے تھے۔

زینہ لنک یا خرم آباد

قطعہ تاریخ "خرم آباد"[2] کی وجہ سے اس عمارت کا نام خرم آباد بھی مشہور ہو گیا۔ بادشاہ اس کو زینہ لنک بھی کہتا تھا۔ اور خرم آباد بھی۔ لیکن عوام میں زینہ لنک کے نام نے زیادہ مقبولیت حاصل کی۔

---

[1] تاریخ ملا بہاؤ الدین میں لکھا ہے "سلطان مذکور برآں جزیرہ درخت ہائے توت وغیرہ اشجار میوہ دار و گلہائے رنگا رنگ نہال کرد" اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں توتوں کی بنیاد اسی زمانہ سے ہے [2] از خجاب کبرویہ سال تصنیف ۱۱۵۳ھ غیر مطبوعہ و تاریخ اعظمی مطبوعہ۔

Marfat.com

سوپور سے صفا پور تک طویل ستھو

سو پور سے صفا پور تک نو دس میل کا فاصلہ ہے بادشاہ نے زینہ لنک یا خرم آباد کی حفاظت کے لیے اس طویل فاصلہ پر ایک طویل ستھو بنایا اور ایک گاؤں راد و گام اس ستھو کی مرمت وغیرہ کے لیے وقف کر دیا۔ بقول صاحب وجیز التواریخ ایک گاؤں نہیں بلکہ دو تھے اور سالہا سال تک ان کا مالیہ اس ستھو کی مرمت و حفاظت پر صرف ہوتا رہا۔ آج بھی شاہ گنڈ اور جہانگیر گنڈ اور حاجن میں اس ستھو کا وجود ہے۔

اس ستھو پر جو پتھر صرف ہوا وہ بت خانہ تاپر[۱] یہ جس کو سلطان بت شکن نے مسمار کرا دیا تھا، حاصل کیا گیا تھا۔ جیسا کہ سطور ذیل سے ظاہر ہو گا۔ "از صفا پور[۲] تا سوپور سد محکمے بنا کردہ سنگ ہائے بت خانہ تاپر کہ پیش از عمل اخراب شدہ بود۔ آوردہ استحکام نمود۔"

زینہ لنک میں جشن عظیم

جب یہ شاہی عمارت تکمیل کو پہنچ گئی تو بادشاہ نے ایک جشنِ عام کی تیاریاں کیں۔ اسباب نشاط و سرور اور آلات عیش و طرب حکم شاہی کے ساتھ ہی مہیا ہو گئے۔ ارکان دولت حاضر ہوئے۔ نذر و نیاز اور پیش کش کا روبار منعقد ہوا۔ بادشاہ نے داد و دہش کے منہ کھول دیئے۔ غریب امیر سب نہال ہو گئے۔ شعراء نے قصائد لکھے اور انعامات حاصل کیے بلکہ اکثر مستحقین کو توقع سے زیادہ ملا۔ بقول شاعر

وہ لوگ تیری داد و دہش دیکھ لیں آکر ۔۔۔ جو کہتے ہیں ملتا نہیں قسمت سے زیادہ

بادشاہ کو میر سید اویسی سے بہت محبت تھی لیکن وہ باوجود بادشاہ

---

[۱] مکمل تاریخ کشمیر۔

[۲] اس مندر کا نام زندر اشور تھا۔ اسکو راجہ پرتاب پیڈ (۶۵۳ء تا ۷۰۳ء) نے موضع تاپر میں بنایا تھا۔

Marfat.com

کا منہ بولا فرزند کہلانے کے بادشاہوں کی صحبت سے کنارہ کش رہتے تھے اور ذوقِ تنہائی پر دونوں جہان کی مسرتیں قربان کردیا کرتے تھے۔ بادشاہ نے اس جشنِ عظیم کی شرکت کے لیے ان کو باصرار بلوا بھیجا۔ بعض امراء نے پیغامِ دعوت کے ساتھ ہی یہ فقرہ بھی جڑ دیا کہ بادشاہ کا مزاج آپ سے رنجیدہ ہے۔ اس دعوت کو نہ ٹالیے۔ نیز یہ دعوت ایک عجیب وغریب عمارت کی تکمیلِ شکرانہ الٰہی کے سلسلہ میں ہے۔ اس کی ابتدا بھی ایک بزرگ (سید جلال بازولی رح) کے ہاتھوں ہوئی تھی۔ اس کی اختتامی رسم میں بھی آپ جیسے صوفی منش شہزادہ کی شرکت باعثِ برکت ہے۔ غرض امراء وزراء کسی نہ کسی طرح میر ادیبی کو اس بزم میں لے آئے۔ وہ بظاہر شریک تھے مگر بہ باطن سب سے الگ تھے۔ ؎

ہر کسے جامِ تنعم بہ کفِ ساغرِ عیش — فارغ از عیش و تنعم دلِ غمگین من است

رنگ میں بھنگ

تقسیمِ انعامات اور پیشکش کی رسومات کے بعد جب منگانہ شادی و طرب شروع ہوا اور مجلس نشاط دم بدم گرم ہوئی اور بعض امر نامشروع کا اظہار ہوا تو بقول صاحب اسرار الابرار[1] میر کی غیرت یہ حرکت برداشت نہ کرسکی۔ مچھلی کی طرح تڑپے اور ایک ہی جست میں دُلر میں ایسے غائب ہوئے کہ غواصان شناور کیش و ملاحان سیاحت اندیش کی تمام کوششوں کے باوجود وہ درنگانہ اس بحر بیکراں سے نہ نکل سکا۔ سلطان کا سارا عیش منغص ہوگیا۔ مجلس طرب درہم برہم ہوگئی۔ نہایت رنجیدہ ہوکر واپس شہر کو روانہ ہوا۔ جب اشم پرگنہ محمد آباد میں لشکر رشو بار کے کنارے انہار داشجار باغ کے سرپر پہنچا

---

[1] صاحب اسرار الابرار، تاریخ اعظمی، تاریخ حسن وغیرہ نے لکھا ہے کہ میر نے امر نامشروع دیکھ کر غیرت شریعت کے ثبوت میں اپنے آپ کو دریا میں ڈال دیا۔ البتہ صاحب فتحیاب کبرویہ لکھتے ہیں کہ اسی دوران میں میر پر ایک ایسی حالت طاری ہوئی کہ وہ تڑپ کر دریا میں جا پڑے۔

Marfat.com

جولب دریا واقع ہے تو کیا دیکھتا ہے کہ میر قدس سرہٗ دریا کے کنارے کنارے جلد جلد قدم اٹھائے چلے جا رہے ہیں بادشاہ کشتی میں سوار تھا۔ یہ دیکھ کر اُس کے قالب مُردہ میں جان آئی۔ کشتی سے اتر کر باغ میں آیا۔ بہت ندامت و افسوس اور عذر بیحد کا اظہار کیا۔ کشتی پر سوار کرا کے اپنے ہمراہ لایا۔ ارکان دولت نے مبارک بادیں دیں۔ بادشاہ نے اس خوشی میں شہر کے تمام غربا کے لیے بادشاہی دعوت کے احکام جاری کیے[1]۔

زینہ گیر کی رونق و آبادی

زینہ لنک یا خرم آباد کی تعمیر ۸۴۷ھ کے چند سال بعد جب بادشاہ لولاب کی سیر کو نکلا اور رستہ میں اُس نے ڈٹلب سے لے کر نالہ پہرو کے بائیں ہاتھ میلوں تک کف دست میدان دیکھا اور پانی کا نام و نشان نہ پایا۔ بالخصوص اس وسیع علاقہ میں جو چند ایک مواضعات تھے۔ ان کے باشندوں کی تباہ حالی اور اُن کی فصلوں کی بربادی نے اس پر بڑا اثر کیا۔ چنانچہ اسی وقت اس نے اس خشک و پژمردہ علاقہ کی سرسبزی و شادابی کا ارادہ کر لیا۔

اس علاقہ کو آباد کرنے سے پیشتر اُس نے پہرو کے مقام سے ایک نہر نکالی جس کا ذکر نہروں کے بیان میں آئے گا۔ ساتھ ہی پہاڑ کے دامن اور میدان میں کئی جدید گاؤں آباد کرائے جن کو اس نہر نے مالا مال کر دیا۔

(۱) زینہ گیر کی رونق و آبادی میں بادشاہ نے حد سے زیادہ سرگرمی دکھائی۔ اس علاقہ میں جو باغ اُس نے تعمیر کرایا وہ "دو میل مربع میں تھا۔ درختوں پھلوں اور نہروں سے آراستہ۔ باغ کے چاروں کونوں پر بلند عمارات تھیں۔ اردگرد امیروں اور سرداروں کی

---

[1] میر سید محمد امین اویسی کے باقی حالات باب مشائخ و علماء میں پڑھیے۔

Marfat.com

عمارات گلزاروں کی ترتیب سے آراستہ تھیں" [1]

جونراج اور شری ور نے بھی اپنی راج ترنگنیوں میں زینہ گیر کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے۔ بادشاہ نے لولاب کے اس جنوبی علاقہ کو آباد کر کے اپنے نام پر موسوم کیا تھا اور یہاں بکثرت نہریں جاری کرائی تھیں [2]

مکمل تاریخ کشمیر[3] میں تو اور بھی وضاحت سے زینہ گیر کی آبادی کا ذکر ہے۔ لکھا ہے "بادشاہ نے نو آبادی زینہ گیر میں موضع زنہہ[4] گام کے متصل ایک

---

[1] تاریخ کشمیر اردو قلمی مصنفہ خواجہ حسن ملک (پبلک ریسرچ لائبریری سرینگر کشمیر)

[2] راج ترنگنی مترجمہ ٹھاکر اچھرچند صاحب کا اردو ترجمہ صفحہ ۳۰۵

[3] حصہ دوم در ذکر سلطنت زین العابدین (مصنفہ راقم الحروف)

[4] راقم الحروف اپنی اسی تصنیف یعنی تاریخ کشمیر کے حوالہ سے ۱۹۲۸ء کے سفر کشمیر میں زنہہ گام گیا جو میری اقامت گاہ موضع سمبل پور زنزیل سوپور سے قریبا ۲۶ یا ۲۰ میل دور لولاب کے متصل پہاڑ کے نیچے واقع ہے۔ ترہگام سے دو میل کوپوارہ کی جانب اور تین میل ترہگام سے آگے موضع شاپور کی طرف بعض قدیم عمارتوں کے آثار سنے جو آثار قدیمہ ترہگام اور کوپوارہ کے درمیان سڑک کے کنارے دوسرے اور تیسرے میل کے درمیان تھے۔ وہ میں نے ترہگام آتے ہوئے رستہ ہی میں دیکھ لیے تھے۔ دوسرے کھنڈرات جن کا پتہ موضع شاپورہ کی طرف تھا۔ دیکھنے کے لیے ۹ اگست کو گیا۔ بہت سے لوگ بلوائے گئے جن میں ایک ضعیف پنڈت بہت واقف کار تھا۔ وہاں ایک قلعہ کے آثار اور کھنڈرات نظر آتے تھے جس کی چار دیواری کے اندر مٹی کی پیداوار قلعہ کی ویرانی کی خبر دے رہی تھی۔ قلعہ مہاراجہ گلاب سنگھ بانی حکومت ڈوگرہ نے (بقیہ حاشیہ بر صفحہ آئندہ)

Marfat.com

وسیع اور فراخ باغ بنوایا جو پورے دو مربع میل میں واقع تھا۔ اس کے چاروں گوشوں پر عالیشان اور سر بفلک قصر جن میں سے ہر ایک اعجوبۂ روزگار تھا، بنوائے۔ ان کے اردگرد ارکین دولت اور اعیان مملکت نے بھی اپنی اپنی بے نظیر عمارتیں بنوائیں۔ جنھوں نے اس باغ کو باغ رضوان بنا دیا۔ علاوہ ازیں دیگر ممالک قریب وبعید سے قسم قسم کے میوہ دار بوٹے اور رنگ برنگ کے خوشبو دار پھول منگا کر لگائے جس سے یہ باغ وادیٔ کشمیر میں بے مثال ہو گیا"۔

(۲) مرزا حیدر نے بھی باغات وعمارات زینہ گیر کی بہت تعریف لکھی ہے۔[۵]

(۳) لارنس صاحب نے بھی اپنی کتاب "دیلی آف کشمیر" میں

(بقیہ حاشیہ صفحہ گزشتہ) راجہ شیر احمد خاں والئی کرناہ کی دستبرد سے اپنے ملک کو بچانے کے لیے بنایا تھا۔ اس موضع میں بہت چشمے ہیں لیکن دو چشمے بہت پرانے ہیں جو ایک قدیم مسجد کے پاس ہیں۔ جن کے متعلق مجھے بتایا گیا کہ یہاں حضرت مخدوم صاحب آئے تھے اور اسکو انکے مرید بابا عبداللہ نے آباد کیا تھا۔ مجھے یہ بھی بتایا گیا کہ ۲۵۔ ۳۰ سال ہوئے یہ مسجد جل گئی تھی۔ جب خواجہ عزیز جوگکر ڈر مئیں بارہ مولا نے اسکی مرمت کرائی تو اسکے نیچے سے قدیم زمانہ کے دو بہت بڑے بڑے "مٹ" گھڑے نکلے تھے۔ بہر حال میں جس غرض کیلئے گیا تھا وہ پوری نہ ہو سکی۔ جس زمانہ میں (۱۹۱۰ء) میں میں نے تاریخ کشمیر لکھی تھی میں خود ترنگام نہیں جا سکا تھا۔ اب تحقیق وتفتیش اور موقع پر خود جانے سے مجھے معلوم ہوا ہے کہ ترنگام کے متصل بڈشاہ کا عظیم الشان باغ نہیں تھا بلکہ وہ زینہ گیر کے عین مرکز میں تھا۔ یعنی وہاں جہاں اب موضع سید پورہ آباد ہے اور جہاں مولانا سید حسین قمی رضوی نے باغ زینہ گیر میں بادشاہ کی دعوت اقامت قبول کی تھی جیسا کہ "اسلامک کلچران کشمیر" کے فاضل مؤلف نے بھی لکھا ہے۔

۵۔ از تاریخ خواجہ اعظم سال تصنیف ۱۱۴۸ھ۔

Marfat.com

زینہ گیر کے باغ کا ذکر کیا ہے۔ وہ لکھتا ہے "زین العابدین جہاں کہیں گیا، باغات و عمارات بنانا گیا۔ باغات میں اس کے چار باغ اپنے زمانہ میں بہت مشہور تھے۔ (۱) باغ زینہ گیر (۲) باغ نوشہرہ راجدہانی۔ (۳) باغ زینہ پور۔ (۴) باغ زینہ کوٹ۔ لیکن ان باغات کا کھوج ملنا بھی ناممکن ہے۔

کشمیر میں نیشکر کی پیداوار

(۴) نیشکر یعنی گنا سرد ملکوں میں نہیں ہوتا۔ آج بھی اس کی کاشت کشمیر میں صرف مظفر آباد تک ہے جو پہاڑی ملک ہے اور گرمیوں کے موسم میں جس کی گرمی پنجاب سے کم نہیں ہوتی مگر وادیٔ کشمیر میں جو بارہ مولا سے اسلام آباد اور پہلگام اور ویری ناگ اور ادہر سوپور سے زینہ گیر دراب اور اوڑ مچھی پورہ کے وسیع علاقہ تک پھیلی ہوئی ہے اس کی کبھی پیداوار نہیں ہوئی۔ زین العابدین سب سے پہلا بادشاہ تھا جس نے زینہ گیر کے وسیع باغ میں اس کی کاشت کا تجربہ کیا۔ نیشکر کی فصل ہوئی تو سہی مگر کچھ اچھی نہ ہوئی۔ اس لیے بادشاہ نے اس پر کچھ زیادہ توجہ نہ کی۔

زینہ گیر کا اجرأ زینہ گیر میں

زینہ گیر کی آبادی کے لیے بادشاہ نے نالہ پُہرو سے جو نہر نکالی اُس کی بڑی شاخ تو دامن کوہ کے مواضعات کو سرسبز و شاداب کرتی ہوئی سیدھی ڈلر میں داخل ہوئی اور اس کی شاخوں نے تمام دیگر ملحقہ دیہات کو جن میں زیادہ تر بادشاہ کے اپنے آباد کردہ تھے اور جو اس وسیع میدان میں پھیلے ہوئے تھے نہال و آباد کر دیا۔ اس زمانہ کے کئی گاؤں انقلاب زمانہ کے ہاتھوں تباہ ہو گئے۔ کئی مٹ گئے۔ لیکن آج بھی زینہ گیر میں چالیس گاؤں آباد ہیں۔

زینہ گیر کی آمدنی وقف تھی

بادشاہ خود عالم تھا وہ علم کا عاشق اور عالموں کا قدردان تھا۔ اس کے دربار میں ہندو مسلمان دونوں قوموں کے عالم زانو بہ زانو اور دوش بہ دوش بیٹھتے تھے اور بادشاہ کو اپنے علم کے کمالات سے

نوش کرتے تھے۔ بادشاہ نے جب زینہ گیر کو آباد کیا۔ تو اس کی تمام آمدنی اور اس کے تمام محصولات اور اس کی تمام فصلیں علماء و فضلاء کے لیے وقف کر دیں۔[1]

باغ زینہ گیر و عمارات پڈشاہی کی تباہی

وٹلب سے درگہہ مولا اور پہرُ دتک جو میدان بالکل خشک آباد اور کشمیر کا گرم ترین حصہ تھا۔ بادشاہ نے نہروں کے اجراء باغات کے احداث، جدید دیہات کی بستیوں اور اپنے قیام سے خطۂ جنت بنا دیا تھا۔ مگر افسوس چشم فلک اس کو سرسبز و شاداب نہ دیکھ سکی اور بادشاہ کی زندگی ہی میں دو تین مرتبہ اس کے محبوب ترین باغ زینہ گیر اور شاہی محلات کو تباہی و بربادی کا منہ دیکھنا پڑا۔ جس کی کچھ تفصیل اس طرح ہے کہ موضع ترہیہ گام میں جو زینہ گیر سے ۲۳-۲۴ میل کے فاصلہ پر ہے۔ قوم چک کا رئیس پانڈو چک جو بڑا ذی اقتدار تھا رہتا تھا۔ زینہ گیر میں شاہی عمارات کی تعمیر اور بادشاہ کی بکثرت آمد و رفت سے اس کو اپنی رہزنی اور لوٹ مار میں تکلیف محسوس ہونے کا اندیشہ معلوم ہوا۔ چنانچہ ایک مرتبہ جب بادشاہ دارالخلافہ میں تھا۔ پانڈو چک اپنے اٹھائی گیروں کے ساتھ رات کو آکر تمام عمارتوں کو جلا کر خاکستر کر گیا۔ بادشاہ کو خبر ہوئی۔ اُس نے فوج بھیج کر ترہیگام کی اینٹ سے اینٹ بجا دی لیکن پانڈو چک ہاتھ نہ آیا۔ وہ اپنی جماعت کو لیکر اپنے اصلی وطن دردستان کی طرف بھاگ گیا اور پُرخطر اور ہیبت ناک پہاڑوں میں زندگی بسر کرنے لگا۔ بادشاہ نے عمارات منہدمہ کی از سرِ نو تعمیر کرا دی۔ پانڈو چک کو بھی خبر ہوئی۔ اس نے اب یہ کام شروع کیا کہ پہاڑوں سے نکلتا، دن کو چھپا رہتا اور رات کو سفر کرتا۔ یہاں تک کہ وہ اسی طرح زینہ گیر کی شاہی عمارات تک پہنچتا اور نظر بچا کر آگ لگا جاتا اور

---

[1] از مکمل تاریخ کشمیر اُردو حصہ دوم مطبوعہ و تاریخ کشمیر اردو غیر مطبوعہ مصنفہ خواجہ حسن ملک (سلک لائبریری سری نگر)

Marfat.com

پھر دردستان میں بھاگ جانا۔

بادشاہ ان عمارات کی پھر مرمت کرتا۔ اور پانڈوچک کی گرفتاری
کے احکام سختی سے جاری کرتا۔ آخر بادشاہ نے حاکم دردستان کے نام ایک تاکیدی حکم
حکم بھیجا کہ پانڈوچک جو سلطنت کا بدخواہ اور باغی ہے اور لوٹ مار پر گذارہ کرتا ہے تمہارے
کوہستان میں چھپا ہوا ہے۔ بہتر ہے کہ اس کو جلد گرفتار کر کے دارالخلافہ میں بھیج دو ورنہ
دردستان تباہ کر دیا جائے گا۔ حاکم دردستان کی بادشاہ کے آگے کیا ہستی تھی۔ اس نے
پہاڑوں میں پانڈوچک کی گرفتاری اور انعام کا ڈھنڈورا پٹوا دیا۔ چنانچہ وہ بدکردار اپنی
جماعت کے ہمراہ گرفتار ہوا اور پابہ جولاں بادشاہ کے حضور میں پیش کیا گیا۔

بادشاہ پانڈوچک کی شرارتوں اور بدکرداریوں سے برافروختہ
بلکہ آگ بگولا بنا ہوا تھا حکم دیا کہ اس بدنہاد کو تازیانے لگاؤ اور جب تک اس کے
ناپاک جسم سے اس کی روح علیحدہ نہ ہو جائے ضرب تازیانہ میں کوئی کمی نہ ہو۔

چنانچہ جب اُس کے ناپاک وجود سے دنیا پاک ہو گئی تو بادشاہ
نے حکم دیا کہ اس کی جماعت اور اس کے ساتھیوں کو ایک ایک کر کے لاؤ اور تلوار کے
گھاٹ اتارتے جاؤ۔ صرف ان کی عورتیں اور ان کے بچے زندہ چھوڑے گئے۔ بادشاہ
نے ان کو موضع ہرگرل پرگنہ ونر میں رہنے کی اجازت دی۔ اور ان کے گزارہ کے لیے
کچھ وظیفہ مقرر کر دیا۔

بادشاہ کی زندگی میں شاہی عمارات زینہ گیر کو جو صدمات پہنچے تھے

Marfat.com

آبادی ہے۔ ایک محلہ سُنیوں کا ہے ایک شیعوں کا اور دونوں کی آبادی قریباً مساوی ہے، شیعہ محلہ کے متصل بہت سے قدیم آثار ملتے ہیں۔ نہر کے کنارے جو آج مسدود ہے اور بڈشاہ کے زمانہ میں باغ کے تمام رقبہ کو سیراب کرتی تھی۔ شمال کی طرف ایک چھوٹا سا ٹیلہ ہے جو قدیم پتھروں سے اٹا پڑا ہے۔ اس پر توت کے دو درخت ہیں۔ یہ جگہ جو شاہی مسجد تھی، آج صرف مٹی کا ایک ٹیلہ ہے۔

اس ٹیلہ سے ذرا آگے حضرت کا مزار ہے جس کے بیرونی دروازہ کے ساتھ بعض ایسے پتھر ہیں جو تراشیدہ ہیں۔ ایک پتھر تین گز سے بھی زیادہ طویل دیکھا گیا۔ زیارت کے باہر چنار کا ایک درخت ہے جو بہت پرانا ہے۔ راقم الحروف کو بتایا گیا کہ یہ درخت بڈشاہی کے زمانہ کا ہے اور حضرت سید حسین اس کے نیچے کبھی کبھی قیام فرمایا کرتے تھے۔

زیارت کے عقب میں مسدود نہر کے اندر ایک کنواں ہے جس کا پانی نہایت سرد اور شیریں ہے۔ اس کی ساخت بتاتی ہے کہ یہ بھی بہت قدیم ہے۔ کنوئیں کے منڈیروں پر لکڑیوں کے بجائے لمبے لمبے قدیم وضع کے پتھر رکھے ہوئے ہیں۔

کنوئیں کے بالمقابل نہر کے پار مگر نہر کے عین کنارے زیارت سے مغرب کی طرف مسجد کے ٹیلہ کی طرح ایک بلند ٹیلہ ہے جس کو بادشاہی شینک یعنی بادشاہی ٹیلہ کہتے ہیں۔ بیان کیا جاتا ہے کہ یہاں بڈشاہ کا محل تھا۔ اس ٹیلہ کے ساتھ ہی ایک قبرستان ہے جہاں سے پتھر وغیرہ نکلتے رہتے ہیں۔ چنانچہ راقم نے بھی ایک جگہ سے

Marfat.com

بادشاہ از سر نو مرمت و تعمیر کر کے ان کی تلافی کر دیتا تھا لیکن جب چکوں کا زمانہ آیا اور وہ کشمیر کے بادشاہ ہو کر خانہ جنگیوں میں مصروف اور ملک کی آبادی و فلاح سے غافل رہنے لگے تو ان عمارات کو ناقابلِ برداشت صدمہ پہنچا خصوصاً غازی چک (۱۵۵۴ء تا ۱۵۶۳ء) کے زمانہ میں باہمی حسد و عداوت کی وجہ سے یہ عمارتیں ایسی نذرِ آتش ہوئیں کہ پھر ان کا وجود قائم نہ رہ سکا اور نہ کسی نے ان کی طرف توجہ کی۔

چک بھی آئے اور اپنی نوبت بجا کر چلے گئے۔ ان کے بعد مغل بادشاہ آئے جو شوقِ تعمیرات میں بڈشاہ کی طرح دلچسپی رکھتے تھے۔ مگر ان کو جنوبی کشمیر اور خاص دار الخلافہ کی رونق و آبادی اور دلبستگی نے زینہ گیر جیسے خشک علاقہ کی طرف توجہ کرنے کی مہلت نہ دی۔ ان کا دور بھی ختم ہوا تو درانی خاندان نے یہاں اپنے قدم جمائے۔ ان کے عہد میں صرف اتنا ہوا کہ حضرت سید حسین صاحب قمی رضوی کی زیارت مبارک کی جو باغ زینہ گیر کے اندر تھی مرمت ہوگئی۔

افغانوں کے بعد کشمیر میں اسلامی حکومت کا خاتمہ ہو جاتا ہے اور سکھ یہاں کے باشندے بنتے ہیں جن کو قدرتاً اسلامی عمارات سے کوئی دلچسپی نہ ہو سکتی تھی۔ غرض شاہی عمارات و باغات کے جو تھوڑے بہت نشان باقی تھے وہ بھی رفتہ رفتہ مٹ گئے یہاں تک کہ اور تو اور زینہ گیر ہی کے بہت کم لوگوں کو معلوم ہے کہ اس چھوٹے سے موضع سید پورہ میں بھی بادشاہی محلات و باغات تھے۔

راقم الحروف ۸ اگست ۱۹۲۶ء کو خود سید پورہ گیا اور سید حسین صاحبؒ کے مزار پر حاضر ہوا۔ سید پورہ چھوٹا سا گاؤں ہے جہاں اڑھائی تین سو نفوس کی

Marfat.com

تازہ پتھر نکلے ہوئے دیکھے جوکسی دیوار کی صورت میں معلوم ہوتے تھے۔ قیاس کہتا ہے کہ بادشاہی ٹینگ اور اس قبرستان کی زمین ہی میں شاہی محلات واقع تھے۔

بادشاہی ٹیلہ سے کچھ فاصلہ پر جنوب کی طرف ایک نشیب دار زمین ہے۔ جس کو وزیر ڈب کہتے ہیں۔ اور جس کا ترجمہ اردو میں وزیر منزل ہی ہو سکتا ہے غالباً یہاں وزیر اعظم یا دیگر وزراء کے مکانات ہوں گے۔

حضرت سید حسین قمی کے روضہ پر سنی مسلمان بھی آتے ہیں لیکن اہل تشیع میں روضہ کی بڑی وقعت ہے۔ کشمیر کے علاوہ سکردو بلتستان تک کے شیعہ یہاں آتے ہیں۔ لارنس صاحب نے اسی زیارت کی وجہ سے دو بند دلبستوں تک اس گاؤں کو مالیہ میں رعایت دیدی تھی۔

راقم الحروف کو بتایا گیا کہ موضع براٹ (متصل سید پورہ) سے لیکر نارہ بہرو یعنی شمالی حدود سوپور تک جو دو اڑھائی میل کا فاصلہ ہے۔ پرانے زمانہ کے کچھ آثار کبھی کبھی ملتے رہتے ہیں۔ مثلاً زمین کھودنے پر مٹی کے بڑے بڑے برتن اور تراشیدہ پتھر۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس باغ اور ان عمارات کی حدود موضع براٹ تک تھیں جہاں اب بھی قدیم زمانے کے کئی پتھر پڑے ہوئے ہیں۔

گاؤں کے اکثر مکانات کی پہلی منزلیں پتھر کی ہیں اور گاؤں کے نزدیک جس قدر کھیت ہیں ان سب کی چار دیواری بھی پتھروں ہی سے بنی ہوئی ہے۔ حالانکہ سید پورہ کوہستانی نہیں بلکہ میدانی علاقہ ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ باغ زینہ گیر کی

Marfat.com

چار دیواری یا سرکاری عمارات کے جو پتھر تھے وہ انہدام کے بعد گاؤں والوں نے آپس میں تقسیم کر لیے۔ آہ سچ کہا مرزا داغ نے۔ ؎

فلک نے لوٹ کے لٹوا دیا جیسلنوں سے ۔۔۔ سمجھ لیا کسی مردہ کا اس نے مال مجھے

کشمیر میں پلوں کی تاریخ کشمیر کے ایسے مقامات ہیں جہاں دریاؤں اور نالوں نے خشکی کا سفر تکلیف دہ بنا رکھا ہے زمانۂ قدیم میں کشتیاں چلتی تھیں۔

یہ کشتیاں جو مسافروں کو دریاؤں اور ندی نالوں سے آرپار لے جایا کرتی تھیں۔ بعض مخیّر لوگوں کی طرف سے بھی رفاہ عام کے لیے ہوا کرتی تھیں اور اکثر والئ ملک کی طرف سے عوام کی آسائش کے لیے ہوتی تھیں۔ آج بھی یہ کیفیت نالہ پہرو اور بعض دوسرے نالوں پر جہاں پل کم ہیں یا نہیں ہیں، دیکھی جا سکتی ہے۔

ہندو عہد قدیم کے پل کشمیر میں سب سے پہلے راجہ ہرش[1] نے دریا پر ایک پل بنانے کی ضرورت محسوس کی۔ یہ پل کشتیوں کا پل کہلاتا تھا اور راجہ کے محل کے عین مقابل تھا۔ اگر یہ معلوم ہو جائے کہ راجہ کے محلات فلاں مقام پر تھے تو پل کا جائے وقوع بھی معلوم ہو سکتا ہے لیکن افسوس ہے پل اور محل کے جائے وقوع کا کسی مؤرخ نے پتہ نہیں بتایا۔

اس کے بعد راجہ پرورسین ثانی[2] کے زمانہ میں کشتیوں کے

---

[1] عہد حکومت ۱۱۰۳ء لغایت ۱۱۱۴ء۔

[2] عہد حکومت ۱۰۲ء لغایت ۱۶۲ء۔

Marfat.com

ایک بہت بڑے پُل کی کیفیت معلوم ہوتی ہے جس کا نام راجہ نے "بھرت ستوہ رکھا۔ یہ بہت یا بھرت کون تھا اور پُل کا نام اس نام پر کیوں رکھا گیا۔ اس کے متعلق اوروں کا تو کیا ذکر کشمیر کا قدیم اور نامور مؤرخ پنڈت کلہن تک بھی خاموش ہے۔ یہ پُل دریا کے کس حصہ پر تعمیر کیا گیا تھا۔ اس کا کچھ پتہ نہیں۔ تاہم اندازہ لگایا جاتا ہے کہ یہ مائسیمہ[۱] میدان سے جس کا نام اس زمانہ میں "ماشکا سوامن" تھا اور جو جزیرہ کی صورت میں تھا تھوڑے ہی فاصلہ پر تھا۔

سٹین صاحب کا خیال ہے کہ پرورسین کا پل موجودہ چوتھے اور پانچویں پل کے قریب قریب کہیں واقعہ ہو گا۔

۱۱۲۳ء میں راجہ سسل کا عہد تھا کہ سری نگر میں عظیم آتشزدگی کا وقوعہ ہوا۔ شہر کے مٹھ مندر۔ مکانات۔ منڈیاں اور دوسری عمارات سب جل کے راکھ ہو گئیں۔ آگ کے خوف سے بہت سے دریائی غسلخانے اور کشتیوں کے پُل ہٹا لیے گئے لیکن یہ بھرت ستو جو کشتیوں کا عظیم الشان پل تھا اس تباہ کن آتشزدگی سے نہ بچ سکا اور تباہ ہو گیا۔

اسلامی عہد کا سب سے پہلا پُل

علیشاہ کی سلطنت چھ سات سال سے زیادہ نہ رہی۔ تاہم (۸۲۶ء) یعنے مرنے سے پیشتر چند کام اس نے اچھے کیے۔ ان میں دریائے بہت کا ایک پُل بھی تھا جو اس نے کشتیوں کے بجائے

---

[۱] مائسیمہ جو ۱۱۲۳ء میں ایک جزیرہ تھا اور اسلامی عہد کشمیر میں جو ایک وسیع میدان ہونے کی وجہ سے میدان جنگ بھی بنا رہا ہے آج ۱۹۲۸ء میں ایک آباد اور بارونق بازار اور ایک گنجان محلہ ہے۔ وسیع سڑکیں اور عالیشان عمارتیں یہاں موجود ہیں گاؤ کدل سے چند قدم آگے دائیں طرف کچھ تھوڑا سا حصہ دلدل کا موجود ہے۔ وہاں بھی بھرتی ڈال کر خشک زمین پیدا کی جا رہی ہے۔

Marfat.com

لکڑیوں کا تعمیر کرایا اور اُس کا نام اس نے اپنے نام پر عالی کدل رکھا۔

معلوم ہوتا ہے اس زمانہ میں ہندو عہد قدیم کے پل یا تو آتشزدگی کی نذر ہو چکے تھے یا طوفان آب کے باعث دریا میں بہہ گئے تھے کیونکہ کوئی مؤرخ اُس وقت کسی قدیم پل کی موجودگی کا پتہ نہیں بتاتا۔ بلکہ ایک مؤرخ[1] جس کی تصنیف کو آج دو سو سال گزر چکے ہیں لکھتا ہے "جب زین العابدین تخت نشین ہوا تو شہر میں صرف ایک ہی پُل تھا اور بڈشاہ کے بھائی علیشاہ نے تعمیر کرایا تھا۔ لوگ بالعموم دریا کو سفینوں اور کشتیوں سے ذریعہ عبور کیا کرتے تھے:

بڈشاہ کا زینہ کدل

زین العابدین نے بادشاہ ہو کر دریا کو کشتیوں کے ذریعہ عبور کرنے کی جو مشکلات تھیں اُن پر غور کیا اور اس مقام پر جہاں مہاراج گنج آباد اور مزار السلاطین واقعہ ہے۔ ایک مستقل پل دریا پر تعمیر کرایا اور نام اس کا اپنے نام پر زینہ کدل رکھا اور اس کو اس شوق اور محنت اور لاگت سے تیار کرایا کہ یہ پُل بھی اُس کے ہفت زینوں میں شمار ہونے لگا۔

سری نگر میں دریائے جہلم پر سات پُل ہیں۔ سب سے پہلا ۸۲۶ھ سے پیشتر تعمیر ہوا اور اس کے بعد مختلف بادشاہوں نے پلوں میں اور اضافہ کیا۔ چنانچہ پانچسو سال سے یہی سات پُل سری نگر میں نہر کی بستی کے موجود ہیں زینہ کدل[2] آج دریا کا چوتھا پل ہے اور امیرا کدل کے بعد جو دار الخلافہ کا بہترین خوبصورت

---

[1] منتخبات کہ وہ مصنفہ شیخ عبدالوہاب گنائی سال تصنیف ۱۱۵۸ھ (کتاب غیر مطبوعہ)

[2] صاحب اسلامک کلچر ان کشمیر صفحہ ۲۴۴ پر لکھتے ہیں کسی مؤرخ الفتنیہ حاشیہ بر صفحہ آئندہ)

Marfat.com

مضبوط اور وسیع پُل ہے۔ سب پلوں سے زیادہ بارونق اور آباد ہے اور اس پر ٹم ٹم تانگہ چل سکتا ہے [1]

شری ور نے بھی اپنی راج ترنگنی میں اس پل کا ذکر کیا ہے۔ سٹین صاحب اپنی مترجمہ راج ترنگنی کے نوٹوں میں لکھتے ہیں "۔ اس کی ساخت ایسی ہی ہے جیسی آج کل کشمیر کے پلوں کی ہوتی ہے۔ ہندو انجینیر پتھر کا کام کرنے اور سنگ تراشی کے فن میں صاحب کمال تھے۔ اس زمانہ میں دریا پر اتنا لمبا چوڑا پل پتھروں کا بنانا چونکہ دشوار تھا اس لیے وہ کشتیوں کا پل بنا کر کام لیتے رہے۔ لیکن جب مسلمان آئے تو وہ لکڑی کا کام زیادہ اچھی طرح کر سکتے تھے۔ اس لیے وہ بہ آسانی اس مشکل پر غالب آ گئے "

بڈشاہی ہفت پُل

اس پل کے علاوہ اس بادشاہ نے نالۂ مار پر سات حجری پُل تعمیر کرائے۔ جن کے نام حسب ذیل ہیں :

(حاشیہ صفحہ سابقہ) نے اس پل کی تعمیر کے سن کا ذکر نہیں کیا" لیکن تاریخ حسن حصہ اوّل میں زینہ کدل کی تعمیر ۸۲۲ھ بتائی گئی ہے جو راقم الحروف کے خیال میں اسلیے غلط ہے کہ بڈشاہ کی تخت نشینی ہی ۸۲۶ھ میں ہوئی تھی۔ تو ۸۲۲ھ میں وہ اپنے نام پر پل کس طرح تعمیر کر سکتا تھا۔ صاحب احسن التواریخ (مولوی عزیز الدین صاحب قاضی کشمیر مرحوم) اس کا سال تعمیر ۸۰۰ھ بتاتے ہیں اور بڈشاہ کی تخت نشینی ۸۲۶ھ کے مطابق وہ بھی غلط ہے۔ بہرحال صحیح یہی ہے کہ سنہ تعمیر کا کوئی پتہ نہیں۔ البتہ یہ ممکن ہے کہ اس نے اپنے ابتدائی عہد ہی میں اپنی رعایا پروری کی وجہ سے زینہ کدل کی ضرورت شہر میں محسوس کی ہو۔

[1] اس پل پر لوگوں کا اسقدر اجتماع رہتا ہے اور شام کو اسقدر ہوائی باتیں یہاں ہوتی رہتی کہ سرینگر میں بلکہ گرد و نواح کے تمام علاقوں میں سب سے زیادہ رش اور لوگوں کا اجتماع اسی پل پر دیکھنے میں آتا تھا۔

Marfat.com

نائید کدل۔ بوری کدل۔ صراف کدل۔ قادری کدل۔ راجوری کدل[1] کاوہ ڈار کدل۔ ان کے علاوہ بادشاہ نے نالِ شادی پور۔ سوپور۔ نائد کھائی۔ بزنتان۔ جوگی لنگر (سری نگر) اور کئی اور مقامات پر بہت سے پل تعمیر کرائے۔ جن میں سے اکثر غیر معروف تھے۔ انقلاب گیتی نے آج ان کو بھی معدوم کر دیا ہے۔

اندر کوٹ کی دوبارہ آبادی اور بڈشاہ کا شاندار محل

کلہن نے راج ترنگنی میں اس شہر کے متعلق لکھا ہے کہ راجہ جیا پیڈ نے اس کو جھیل کے وسط میں راکشسوں کی مدد سے تعمیر کرایا تھا۔ یہاں بہت سے مندر بھی تھے۔ راجہ کے علاوہ وزراء کی عمارتیں بھی تھیں۔ جیا پیڈ کے نام کی رعایت سے اس کا نام جے پور رکھا گیا۔ مگر وہ زیادہ مشہور نہ ہوا بلکہ جھیل کے وسط میں ہونے کی وجہ سے عوام اس کو ابھینتر کوٹ یا اندرونی قلعہ کہنے لگے اور یہی نام اس شہر کا مشہور و مقبول ہو گیا۔ ابھینتر کا لفظ رفتہ رفتہ اندر کے لفظ سے بدل گیا اور ابھینتر کوٹ کی جگہ اندر کوٹ کے نام نے شہرت حاصل کر لی۔ یہ شہر راجہ جیا پیڈ نے دریائے وتستہ کے بائیں کنارے پر شادی پور سے نیچے کی طرف پانچ میل کے فاصلہ پر آباد کیا تھا۔ اس کے چاروں طرف پانی تھا۔ اس راجہ کے بعد کئی اور راجاؤں نے بھی یہاں سکونت رکھی ہے۔

کشمیر کی آخری ہندو ملکہ رانی کوٹا اسی اندر کوٹ میں رہتی تھی اور یہیں اس نے ۱۳۳۹ء میں اپنے آپ کو خنجر سے ہلاک کر دیا تھا۔ اس زمانہ تک یہ مقام کچھ آباد تھا۔ لیکن جب سلطنت کا انقلاب ہو گیا۔ اس شہر میں بھی تغیر عظیم واقع ہوا۔ یہاں

[1] کہا جاتا ہے کہ راجوری کدل راجوری کے راجہ کی لڑکی نے بادشاہ کی اجازت سے تعمیر کرایا تھا اور اسی کے نام پر راجوری یا راجویری یا راجور کدل کہلایا۔

Marfat.com

تک کہ رفتہ رفتہ یہ اپنے انتہائی زوال کو پہنچ گیا۔

بڈشاہ کا زمانہ آیا۔ تو جہاں رعایا کو امن چین سے سانس لینا نصیب ہوا۔ وہاں بعض قدیم عمارات کی بھی خدا نے سنی۔ چنانچہ اندرکوٹ کے متعلق شری ور اپنی راج ترنگنی کے ترنگ ۱ میں لکھتا ہے کہ "سلطان زین العابدین نے اس شہر کو جو زوال پذیر ہو چکا تھا از سر نو بحال کیا یا بہ الفاظ دیگر، جو مندر منہدم ہو گئے تھے۔ ان کی مرمت کرائی۔ شاہی مکانات کی جن کے کھنڈرات ان کی فلک نمائی کا پتہ دیتے تھے۔ سابقہ شان پیدا کر دی لوگ جو شکستہ دل تھے اُن کی ہر طرح تسلی کی اور ان کو وہاں آباد کیا۔"

اس کے بعد شری ور لکھتا ہے "بادشاہ نے اس کے بعد جھیل کے کنارے اپنے لیے ایک نیا شاندار محل بنوایا" بادشاہ کو فن تعمیرات سے جو ذوق ہے اس کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔ وہ لکڑی سے منقش کام لینا خوب جانتا تھا جس کو شری ور شاندار محل لکھتا ہے اُس میں خدا جانے بادشاہ نے اپنی خوش سلیقگی اور خوش مذاقی اور تعمیری دلچسپیوں کے کیا کچھ ثبوت نہ دیے ہونگے۔

اندرکوٹ آج بھی موجود ہے اور نالہ شادی پور[1] کے کنارے آباد ہے۔ یہاں شیعہ مسلمانوں کی بستی ہے۔ قدیم زمانہ کے آثار بھی دیدۂ عبرت کے لیے بڑے بڑے

[1] بہت قدیم نالہ تھا۔ بادشاہ نے اس پر ایک پل بھی بنوایا تھا۔ ۱۹۰۹ء تک یہ نالہ چلتا تھا بلکہ سرینگر سے سوپور تک کشتیاں اسی نالہ کے ذریعہ آیا جایا کرتی تھیں۔ مگر اب یہ نالہ بند کر دیا گیا ہے اور اس کا پل یہاں سے اُکھاڑ کر ہندواڑہ کے مقام کلن گام میں نالہ پہرو پر لگا دیا گیا ہے۔

Marfat.com

گو انڈویل پتھروں کی طرح بکھرے پڑے ہیں۔ یہ مقام سنبل سے جنوبی و غربی گوشہ کی طرف واقع ہے۔ بڈشاہ کا شاندار محل راجہ جیا پیڈ کے فلک مرتبہ ایوانات امراء و وزراء کی عالیشان عمارتیں سب اپنے بانیوں کے ساتھ پیوند خاک ہو چکی ہیں۔ اگر کچھ نشانات ہیں تو تھیں بکھرے ہوئے پتھروں کی زبان بے زبانی سے جو بقول شاعر مرہٹوں کا نشان ہیں گویا۔

بڈشاہی عہد کی خانقاہیں اور مسجدیں۔ جامع مسجد بارہمولہ

معلوم نہیں کس سال بادشاہ نے بارہمولہ کی جامع مسجد تعمیر کی لیکن اس قدر سب مورخ لکھتے ہیں کہ "بنائے اولش از بڈشاہ و بود" بڈشاہی خاندان تک اس کی حالت اچھی تھی۔ چکوں کے عہد میں مسمار ہونے لگی۔ جب نیا حکومتی کا یہاں دور دورہ ہوا تو اس کی از سر نو مرمت ہوئی۔ سکھوں کے زمانہ میں شیخ محی الدین ناظم کشمیر نے اس کی چھت کو درست کیا۔ ۱۳۰۲ھ میں کثرت بارش و زلزلہ باری نے اس کو سربسجود کر دیا۔ ۱۳۱۲ھ تک یہی حالت رہی۔ ۱۳۱۴ھ میں خواجہ عبدالصمد ککرو مرحوم و ... بارہمولہ اس کو پھر زندہ کر دیا۔ مرمت مسجد کا قطعہ تاریخ حسب ذیل ہے۔

سجدۂ شکر سر کن اے سامع   کہ خدا را تما شدہ جامع
کرد نذر بنائے مسجد جد   خواجہ عبدالصمد زبت خ
زند اللّٰہم از سر نعمیہ   گشتہ معمور مسجد جامع

۱۳۳ھ

تصنیف کتاب کے دوران میں جامع بارہمولہ کی حالت بہت خستہ و خراب دیکھی گئی۔

جامع مسجد سرینگر

اس مسجد کی بنا جو آج روئے زمین کی بہترین اور قابل دید عمارتوں میں شمار ہوتی ہے۔ حضرت میر سید محمد ہمدانی قدس اللہ سرہٗ کے ایماء سے سلطان سکندر بت شکن نے رکھی تھی۔ حضرت خواجہ صدر الدین کہ خراسانی الاصل تھے

Marfat.com

اور کشمیر میں اقامت گزیں تھے، اس کے میر عمارت تھے۔ ابھی مسجد نا تمام تھی کہ سلطان بت شکن کا انتقال ہو گیا۔ آخر" بادشاہ روئے زمین[1] حضرت سلطان زین العابدین قدس اللہ سرہٗ کے عہد میں یہ مسجد خواجہ صدر الدین[2] کی زیر نگرانی "کہ در صنعت معماری نظیرش نہ بود" تکمیل کو پہنچی۔ سچ ہے۔ ع

اگر پدر نتواند پسر تمام کند

بڈشاہ نے تکمیل جامع کی طرف تخت نشین ہوتے ہی توجہ کی۔

جیسا کہ صاحب تاریخ خلیل لکھتے ہیں" وے در ۸۲۶ھ مسجد جامع را مرمت کرد۔ ترمیم المسجد تاریخ اوست" بادشاہ نے مسجد سے شمال کی طرف ایک مدرسہ بھی تعمیر کرایا جس کی نگرانی اور اعلیٰ مدرسی قاضی محمد علی بخاری کے سپرد ہوئی اور جنوب کی طرف دارالافتا قائم کیا۔ جہاں چار عالم اور مفتی احکام شریعت کے مطابق فتوے دیا کرتے تھے[3]۔ یہ مسجد کئی دفعہ بوجہ آتش زدگی وغیرہ خراب ہو گئی اور اس کی مرمت بھی ہوتی رہی۔ لیکن جس تدبر، حکمت عملی اور ہمدردی سے اس مسجد کو دنیا کی لاثانی عمارتوں میں شمار کرانے کے لیے بعد مہاراجہ پرتاب سنگھ خاں بہادر شیخ مقبول حسین[4] صاحب سی آئی ای ریوینو منسٹر نے اس کی مرمت کا انتظام کیا اس کی نظیر ملنی

---

[1] تاریخ خوارق السالکین سال تصنیف غیر مطبوعہ۔

[2] فتحیاب کبرویہ صفحہ ۳ میں لکھا ہے۔ آپ ۲۲ ربیع الاول کو انتقال فرما گئے۔ مدفن زینہ کدل محلہ قطب الدین پورہ صاحب فتحیاب نے خواجہ صدر الدین کا سال وفات ۸۲۱ھ غلط لکھا ہے۔ اگر وہ بڈشاہ کے زمانہ میں موجود تھے اور مسجد شوپیاں اور مسجد جامع سرینگر ان کی زیر نگرانی تعمیر ہوئی ہیں تو ان کا سال وفات ۸۳۱ھ یا ۸۴۱ھ یا اس کے بعد ہونا چاہیے اور ممکن ہے ۸۳۱ھ یا ۸۴۱ھ کی بجائے ۸۲۱ھ غلطی سے لکھا گیا ہو۔ [3] از تاریخ خلیل غیر مطبوعہ مصنفہ محمد خلیل مرجانپوری۔

[4] شیخ مقبول حسین صاحب ضلع بارہ بنکی کے تعلقہ دار اور صوبہ اودھ (حاشیہ صفحہ ہذا بر صفحہ آئندہ)

Marfat.com

مشکل ہے۔ آخر یہ مسجد کئی سالوں کی مرمت و تعمیر کے بعد قریباً گیارہ لاکھ روپے سے بعہد مہاراجہ ہری سنگھ بہادر تکمیل کو پہنچی۔

"تاریخ حسن میں ہے "از تعمیرات سلطان زین العابدین بار ہا ترمیم یافت" صاحب تاریخ خوارق السالکین لکھتے ہیں حضرت سید محمد نور ستانی بھی اپنے مرشد خواجہ صدرالدین کے ہمراہ بعہد بڈشاہ کشمیر میں اقامت گزیں تھے۔ جامع شوپیاں کے زمانہ میں مزدوری کرتے تھے لیکن ان کے اندرونی حالات سے کوئی باخبر نہ تھا۔ بڑے صاحب کمال بزرگ تھے جو کچھ کماتے تھے فقرا کو تقسیم کر دیتے تھے۔ ان کی قبا مشہور بلکہ ان کی کرامتوں کے متعلق مشہور ہے۔ سہ

گدائے درمے خانہ طرفہ اکسیر است ۔۔۔ گر ایں عمل بکنی خاک زر توانی کرد

خانقاہ شیخ العالم بادشاہ حضرت شیخ نور الدین ولی رحمۃ اللہ علیہ کا عوام میں "شیخ العالم" کے لقب سے مشہور ہیں۔ بہت عقیدت مند تھا۔ ان کا عالیشان مقبرہ سب سے پہلے اسی نے تعمیر کرایا۔ جس محبت و خلوص سے بادشاہ نے اس مزار المبارک

(حاشیہ صفحہ سابقہ) کے رئیس ہیں۔ ۱۹۰۹ء میں کشمیر میں آئے اور ۱۹۱۷ء تک ریونیو منسٹری کے عہدے پر رہے۔ جامع مسجد کی تعمیر میں آپ نے گورنمنٹ ہند سے بھی روپیہ لیا اور ہز ہائی نس مہاراجہ پرتاب سنگھ آنجہانی سے بھی بہت سی امداد حاصل کی اور تعمیر و مرمت کی مستقل امداد کا یہ طریقہ تجویز کیا کہ مالیہ کیساتھ فی روپیہ دو پیسہ تا اختتام مرمت وصول کیا جاتا رہا۔ یہ رقم سالانہ تقریباً ۲۵ ہزار تک پہنچتی تھی اور یہ ایسا سلسلہ تھا کہ آپکے تشریف لیجانے کے بعد بھی جاری رہا۔ آپ کشمیر سے واپس ہو کر یو پی میں رجسٹرار کو اپریٹو سوسائٹیز سات سال تک رہے پھر ہر ٹرج میں ڈپٹی کمشنری پر گئے ۱۹۲۵ء سے جونپور میں کلکٹر و مجسٹریٹ ضلع ہیں اور کونسل آف سٹیٹ میں اپنی گورنمنٹ کے نمائندہ ہیں۔ سرینگر کی جامع مسجد کی جدید تکمیل کشمیر میں آپکی بہترین یادگار ہے اور کشمیر کے لوگ آپکے اس احسان کو دلی شکر گزاری کیساتھ یاد رکھتے ہیں۔

Marfat.com

کی تعمیر میں دل چسپی کا اظہار کیا اور جو نقش و نگار اس نے مزار کی عمارت میں پیدا کیے اور نجاروں نے لکڑی کے کام میں اپنے فن کا کمال جس خوبی سے نمایاں کیا اگر بڈشاہی عہد کی عمارت آج بجنسہٖ موجود ہوتی تو اس زمانہ کی صنعت کاری آج ہمارے لیے سبق آموز واقعہ ہوتی لیکن افسوس بقول صاحب تاریخ حسن "ایں خانقاہ در عہد چکاں بحادثۂ آتش افروختہ شد" یعقوب شاہ چک بادشاہ کشمیر نے اپنے غیر مطمئن عہد حکومت میں اس تعمیر کی پھر تجدید کی۔ ۱۱۳۹ھ میں کہ مغلوں کی حکومت تھی اور محمد شاہ بادشاہ سریر آرائے سلطنت ہند تھا۔ پھر اس کو حادثۂ آتش سے دوچار ہونا پڑا۔ حکومت کی طرف سے اس خانقاہ مبارک کی طرف کہ ایک وسیع اور دو منزلہ چوبی مسجد بھی اس کے ساتھ ملحق تھی کوئی توجہ نہ کی گئی۔ آخر دو خدا کے بندوں خواجہ نظام و خواجہ محمود نے کہ جو اہل دل رئیسوں میں سے تھے اس خانقاہ کی تجدید کی۔ ۱۸۲۶ء میں اس عالیشان روضہ کی مرمت پھر پبلک چندہ سے ہوئی اور باوجود حکومت یا کسی بہت بڑے رئیس کے حصہ نہ لینے کے بہت بڑے پیمانہ پر ہوئی۔

خانقاہ فیض پناہ میر محمد امین اویسی اپنے پیر طریقت سید ہلال کہ صاحب علو حال اور بدر آسمان کمال تھے کے پاس موضع اشم میں جو پرگنہ محمد آباد کے نام سے بھی موسوم تھا اکثر رہا کرتے تھے اور چونکہ بادشاہ کو میر اویسی کی خاطر حد سے زیادہ منظور تھی۔ اس لیے بادشاہ نے موضع مذکور میں ایک عالیشان خانقاہ تعمیر کرائی۔ جو نقش و نگار سے آراستہ اور فن تعمیر کا ایک بہترین نمونہ تھی[۵۱]۔ اس خانقاہ میں مسجد، مدرسہ اور طلباء کے لیے حجرے اور درویشوں اور خادموں کے لیے مکانات تھے۔ نام اس خانقاہ کا تاریخوں میں "خانقاہ فیض پناہ" درج ہے۔

یہ خانقاہ دریائے بہت کے مشرقی کنارہ پر تھی[۵۲] حضرت میر اویسی

---

۵۱ تاریخ خواجہ اعظمی مؤلفہ خواجہ محمد اعظم۔

۵۲ تاریخ حسن صفحہ ۲۵۴ قلمی۔

Marfat.com

کے انتقال کے بعد اس کی رونق کم ہوگئی۔ جہانگیر کے زمانہ میں حضرت خواجہ خاوند محمود اسکے چوب و چگل اٹھا کر شہر میں لے آئے اور خانقاہ نقشبندیہ کی بناڈال گئے۔

خانقاہ سید برخوردار اس عمارت کی ۸۶۹ھ میں بادشاہ نے تکمیل کی۔ سید برخوردار اُس زمانہ میں بہت بڑے صاحب یمن و برکت بزرگ تھے۔ بادشاہ نے ان کے خادموں اور ان کے لنگر وغیرہ کے لیے محلہ دانا میں یہ عالیشان خانقاہ تعمیر کرائی۔

خانقاہ سید مدنی اس قدیم خوبصورت مگر مٹی ہوئی عمارت کا ذکر پہلے ہو چکا ہے۔ حضرت سید محمد مدنی بہت بڑے عالم اور بزرگ تھے۔ سلطان نے ۸۴۹ھ میں جو ۱۴۴۴ء سن کے مطابق ہے۔ یہ خانقاہ بصورت مسجد نبوی اس لیے کہ حضرت سید محمد مدینہ شریف کے رہنے والے تھے۔ آپ کے خدام کے لیے تعمیر کرائی۔

اسرار الابرار میں آپ کے حالات بالتفصیل درج ہیں۔ آپ سلطان سکندر بت شکن کے زمانہ میں امیر تیمور صاحب قرآن کی طرف سے بطور رسالت بادشاہ کشمیر کے پاس آئے تھے۔ یہ مقام بہت پسند آیا۔ اس لیے وطن واپس جا کر اہل وعیال کو ہمراہ لے آئے اور رانیواری میں قیام فرمایا۔ سکندر نے جب اپنے امراء وزراء درجاسوسوں کے ذریعہ معلوم کیا کہ آپ انیس الورع درمیش شرع اور عارف حق اور موحد مطلق ہیں تو آپ کی خدمت حاضر ہوا اور اپنے قرب وجوار میں ان کے لیے عالیشان خانقاہ تیار کرائی۔ چنانچہ آپ رانیواری سے نوشہرہ میں تشریف لے آئے۔ آپ کا مزار بڈشاہ کے زمانہ میں تعمیر ہوا۔

بج بہارہ میں بڈشاہی عمارت بج بہارہ میں بادشاہ نے کسی بزرگ کے لیے خانقاہ تعمیر کرائی یا اپنے لیے کوئی محل تعمیر کرایا۔ یا سیر وسیاحت کے لیے رہنے میں کوئی آرام گاہ بنائی۔ اس کے متعلق کوئی صحیح حالات نہیں ملے۔ البتہ مولانا داؤد مشکواتی

Marfat.com

جو بڈشاہ سے قریباً پونے دو سو سال کے بعد شاہجہان کے زمانہ میں ہوئے ہیں۔ بج بہارہ میں بڈشاہی عمارت کا پتہ بتلاتے ہیں۔ چنانچہ لکھتے ہیں " سیر تبت سے واپس آکر جب میں حضرت شیخ نصر الدین ابوالفقراء کی خدمت میں حاضر ہوا تو شنکر ریشی قدس سرہ کہ وہ بھی حضرت کے مریدوں میں تھے حضرت کی ملازمت میں موجود تھے۔ شنکر ریشی نے مجھ سے کہا تمہارے آنے سے پہلے میں نے ایک خواب دیکھا ہے کہ حضرت شیخ نے بج بہارہ میں ایک شاندار عمارت بنائی ہے۔ اور اس جگہ جہاں سلطان زین العابدین علیہ الرحمۃ نے اپنے زمانہ میں ایک عمارت کہ منظر ہائے گوناگوں رکھتی تھی۔ آپ نے بھی برج ہائے بلند اور مینار ہائے فلک نما قائم کیے ہیں۔ مولانا داؤد مشکواتی فرماتے ہیں۔ میں نے عرض کیا یہ جگہ خوب ہے یہیں قیام ہونا چاہیے۔ یہ سن کر حضرت شیخ ابوالفقراء نے میرے جواب کو قبول فرمایا۔ لیکن فرمایا اس خواب کی تعبیر اگر تم بتا سکتے ہو تو بتاؤ۔ میں نے عرض کیا۔ قصر سلطان رتبۂ عالی کی علامت ہے۔ شنکر ریشی نے کہا یہ بھی خوب ہے مگر میں سمجھتا ہوں کہ حضرت شیخ اب ہم سے جدا ہونے والے ہیں۔ اس لیے ان کا آخری قیام اسی بج بہارہ میں ہوگا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔

سوپور میں بادشاہی محل

راجہ اونتی ورما کے انجینئر سویہ نے سوپور کو آباد کیا۔ پہلے اس کا نام سوُیہ پور تھا۔ رفتہ رفتہ سوپور ہوگیا۔ اسی مقام پر قدیم زمانۂ ہنود کا دریائے وتستہ مسلمان عہد حکومت کا دریائے بہت اور زمانۂ حال کا دریائے جہلم جھیل وُلر کے بحر بے پایاں سے باہر نکل کر پنجاب کو روانہ ہوتا ہے۔ سوپور کسی زمانہ میں بہت نامور شہر رہا ہے۔ اب بھی اس کی آبادی دس گیارہ ہزار سے کم نہیں ہے اس کی آتش زدگی زمانۂ قدیم ہی سے مشہور چلی آتی ہیں۔

---

[1] راج ترنگنی مترجمہ سٹین صاحب صفحہ ۳۰۵

Marfat.com

زین العابدین نے سوپور کو بہت رونق بخشی تھی ۔ بقول مؤرخ شریدر کرم راجیہ یعنی کمراز کا سرکاری ہیڈ کوارٹر ان دنوں سوپور تھا۔ تمام دفاتر اور تمام سرکاری محکمے اسی جگہ تھے۔ بادشاہ نے خود بھی دریا کے کنارے ایک قصر شاہی تعمیر کرا رکھا تھا اور جب کبھی اس طرف آتا تھا اسی جگہ قیام کرتا تھا۔

شریدر لکھتا ہے۔ بڈشاہ کے زمانہ میں یہاں ایک عظیم آتشزدگی ہوئی ۔ سارا شہر جو بلند و رنگ دار مکانات سے آراستہ تھا چشم زدن میں خاک اور خاک سے راکھ کا ڈھیر ہو گیا۔ سرکاری دفاتر اور محکمہ جات کی عمارتوں کے ساتھ ہی تمام سرکاری کاغذات بھی جل گئے ۔صرف محل شاہی جو عام مکانات سے بہت دور دریا کے کنارے پر ایک طرف واقع تھا، بچ رہا۔

بادشاہ کو خبر ہوئی بہت افسوس کیا اور اس شہر کو از سرِ نو بڑی شان و شوکت سے تعمیر کرایا۔

وانتی پورہ میں باغ بڈشاہی یہ مشہور و آباد قریہ سری نگر سے جانب جنوب بفاصلہ بیس میل دریائے جہلم کے شرقی کنارہ پر اسلام آباد کو جاتے ہوئے بر سرِ راہ آتا ہے۔ راجگان ماسبق کے عہد حکومت میں درما خاندان کے نامور راجہ اونتی درما کا دارالحکومت بھی رہا ہے۔ انتداد زمانہ اور انقلاب حکومت کے ہاتھوں یہ بھی بے رونق و غیر آباد ہو گیا۔ بڈشاہ نے جہاں اور پرانے استخوانوں میں جان ڈالی اس قریہ کی طرف بھی توجہ کی ۔ چنانچہ یہاں اعلیٰ اور وسیع پیمانہ پر ایک باغ تعمیر

ل۵ اسرار الابرار مصنفہ مولانا داؤد مشکواتی غیر مطبوعہ سال تصنیف ۱۰۶۳ھ بعہد شاہجہان ۔

کرایا۔ اس باغ کے عین وسط میں تعمیرات شاہی سے قریہ کی رونق دوبالا کر دی۔ میر سید حسن منطقی بیہقی کے لیے بھی باغ میں ایک مکان تعمیر کرایا۔ چنانچہ اسی باغ میں میر منطقی نے وفات پائی۔ اور یہیں مدفون ہوئے[۱]۔

[۱] سری نگر سے اسلام آباد کو جاتے ہوئے سڑک کے دائیں طرف مرتفع زمین پر یہ مزار بمعہ چند درختوں کے موجود ہے۔

Marfat.com

ساتواں باب

کشمیر کے سکّے اور اوزان

کوڑیوں کا رواج

زمانۂ قدیم میں ہندوستان کے دیگر ممالک کی طرح کشمیر میں بھی کوڑیوں کا رواج سکّوں کے طور پر چلا آیا ہے۔ پنڈت کلہن نے اپنی راج ترنگنی میں اور کشیمندر اور جونراج نے اپنی تاریخوں میں کوڑیوں کا ذکر کیا ہے آج تم کسی کی حیثیت پر حرف گیری کرنا چاہتے تو کہتے ہو کہ وہ دو کوڑی کا آدمی بھی نہیں لیکن غور کرو جب انہی کوڑیوں میں بادشاہ وقت زمینداروں سے مالیہ اور رعایا سے مختلف قسم کے ٹیکس وصول کیا کرتے تھے اور یہی کوڑیاں وزراء امراء اور فوج کے سپاہیوں اور دیگر اہل کاروں کو تنخواہوں میں ملا کرتی تھیں۔ یہ قدرتی سکّہ جو سمندروں اور دریاؤں کے پیٹ سے نکلتا ہے۔ آج انقلاب زمانہ کے ہاتھوں نہ صرف کشمیر سے بلکہ ہندوستان کے ہر حصّہ سے نابود ہو رہا ہے۔[1]

---

[1] آج سے دو سال پیشتر ۱۱۴۸ھ کے مؤرخ خواجہ محمد اعظم (حاشیہ صفحہ ہذا بر صفحہ آئندہ)

Marfat.com

کشمیر میں سب سے پہلا سکّہ بیان کیا جاتا ہے کہ راجہ تورمان[۱] (راجہ ہرینیہ کے بھائی) نے سب سے پہلے کشمیر میں سکہ رائج کرنے کی ضرورت محسوس کی۔ چنانچہ ایک ٹکسال بنایا گیا جہاں سکے مسکوک کیے گئے۔ تورمان سکہ کس قیمت پر چلتا تھا۔ اس کے متعلق کوئی صحیح واقفیت نہیں مل سکتی۔ البتہ اتنا معلوم ہوتا ہے کہ تورمان کے بعد بھی تورمان سکہ عرصہ دراز تک مختلف راجاؤں کے زمانہ میں کشمیر میں رائج رہا۔ بلکہ سلطان زین العابدین بڈشاہ کے زمانہ اور اس کے بعد اس کے پوتے سلطان حسن شاہ کے زمانہ (۱۴۷۲ء تا ۱۴۸۴ء) تک بھی اس کے کچھ نہ کچھ نشان ملتے رہے[۲]۔

ہندو عہد قدیم کے سکّے اگر تورمان سکّہ تانبا کا تھا تو اس کو تانبا کی کان کہاں سے ملی۔ اس پر بھی پنڈت کلہن نے کوئی روشنی نہیں ڈالی۔ البتہ راجہ جیا پیڈ[۳] کے حالات میں لکھتا ہے کہ جھیل مہاپدم (وُلر) کے ناگ کی ہدایت پر اس کو تانبا کی جو کان ملی تھی وہ کرم راجیہ[۴] کے پہاڑ میں تھی اس سے جیا پیڈ کو اس قدر تانبہ ملا جو

(حاشیہ صفحہ سابقہ) دیدہ مری کاشمیری نے جو محمد شاہ بادشاہ دہلی کے زمانہ میں ہوا ہے۔ اپنی تاریخ اعظمی میں کوڑیوں کے سکّہ کے رواج کا ذکر کیا ہے اور یہ تو دُور کی بات ہے۔ اب سے چند سال پیشتر راقم الحروف نے پنجاب اور کشمیر میں کوڑیوں کے سکہ کا رواج دیکھا ہے ایک پیسہ کے ۱۶ گنڈے ہوتے تھے اور ہر گنڈہ میں ۴ کوڑیاں ہوتی تھیں۔ [۱] راج ترنگنی حصہ اوّل صفحہ نمبر ۲۱۰ مصنفہ پنڈت کلہن مترجمہ انگریزی سٹین صاحب دار دوٹھاکر اچھر چند صاحب۔ [۲] ضمیمہ نوٹ جلد دوم صفحہ نمبر ۱۳۰ راج ترنگنی۔ [۳] عہد حکومت ۷۶۴ء تا ۷۹۰ء۔ [۴] کرم راجیہ کمراز یا کامراج کا نام ہے جو کشمیر کا شمالی حصہ ہے جس میں آج کل سوپور۔ بارہ مولا۔ علاقہ کھوئی ہامہ زینہ گیر۔ علاقہ لولاب علاقہ میں حمل۔ زیہہ گام غرض ساری تحصیل اور زنرچپی پورہ ہے۔

Marfat.com

ایک سو کروڑ دینار[۱] مسکوک کرنے کے لیے کافی تھا۔

اس تانبہ کے سکے کی موجودگی میں کوڑیوں کا سکہ بھی جاری تھا۔

کیشمندر کی کتاب لوک پرکاش کی تصنیف نویں صدی عیسوی کے وسطی زمانہ کی ہے۔ اس کتاب کے دوسرے پرکاش میں تجارتی ٹھیکوں دستاویزوں اور سرکاری احکام وغیرہ کے متعدد کاغذات سنسکرت کے ان حروف ملتے ہیں جو قدیم راجگان ہنود کے ایام اواخر میں اہل کاروں کی خط وکتابت میں پائے جاتے ہیں اور جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ سرکاری وغیرہ سرکاری حساب کتاب اور لین دین میں کوڑیاں بھی مستعمل رہیں اور تانبہ کا سکہ بھی۔

سکوں کا وزن البتہ سوائے تورمان سکہ کے جس کا وزن ۱۱۰ گرین تھا۔ باقی تمام راجگان کشمیر کے سکوں کا اوسط وزن ۹۱ گرین ہوتا تھا۔ ایک مرتبہ جب کشمیر کی سیاسی حالت نہایت اضطراب افزا تھی تو کلہن کی راج ترنگنی اور بعد کی تاریخوں سے پایا جاتا ہے کہ راجہ ہرش[۲] نے چاروں طرف سے مایوس ہوکر دیوتاؤں کی مورتیوں کو جو سب تانبے کی تھیں اور جن کی کشمیر میں بہتات تھی تڑوا کر گلا ڈالا تھا۔ اس زمانہ میں سکہ کا وزن مالی مجبوریوں کی وجہ سے ضرور نسبتاً کم رکھا گیا ہوگا

---

[۱] بقول ابوالفضل ایک ہزار دینار ایک ساس یا ½ روپیہ یا دس دام کے برابر ہے۔ ایک کروڑ دینار کی قیمت ½۲ ہزار روپیہ دس کروڑ کی پچیس ہزار اور سو کروڑ دینار کی قیمت ½۲ لاکھ روپیہ کے برابر ہوتی ہے۔

[۲] عہد حکومت ۱۰۸۹ء لغایت ۱۱۰۱ء۔

Marfat.com

یہ تمام سکہ جات صرف دارالخلافہ (سری نگر) ہی میں ڈھالے جاتے تھے۔ اس کے سوا کسی اور مقام پر ٹکسال نہ تھی۔ ہندوؤں کے عہد میں بھی اور مسلمانوں کے زمانہ میں بھی کشمیر میں سب سے چھوٹا سکہ ۲۵ دینار کا تھا اور تانبہ[1] کا تھا۔ اس سے کم وزن کا کوئی سکہ کشمیر میں (سوائے کوڑیوں کے) استعمال نہیں ہوا۔

سکوں کا تعلق لباس سے

پانچویں چھٹی صدی عیسوی کے کچھ قدیم کشمیری سکے دستیاب ہوتے ہیں جن سے اس زمانہ کے قدیم لباس پر روشنی پڑتی ہے۔ سکوں کے ایک طرف راجہ کی تصویر ہے جن میں راجہ کھڑا ہوا ہے اور اس نے ایک چھوٹا سا پاجامہ پہنا ہوا ہے جو بتدریج ایک بہت بڑے دھگلے کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ سکہ کی دوسری طرف ایک بیٹھی ہوئی دیوی کی مورت ہے اور دونوں طرف سنسکرت یا سنسکرت نما زبان میں کچھ حروف بھی درج ہیں۔

کشمیر کے اسلامی سکوں کی عبارتیں

کشنہگم کی تاریخ کے حوالہ سے مصنف "اسلامک کلچر ان کشمیر" لکھتے ہیں۔ کشمیر کے مروجہ سکوں کی قیمت مسلمانوں کے ابتدائی دور حکومت تک قریباً یکساں اور غیر مبدل ہی رہی۔ البتہ جوں جوں مسلمان بادشاہوں کے پاؤں مضبوط ہوتے گئے اور اُن کا دائرہ حکومت وسیع سے وسیع تر ہوتا گیا۔ ان سکوں میں بھی بتدریج ترقی و اصلاح ہوتی گئی۔ چنانچہ اسلامی عہد حکومت میں ان سکوں کی کیفیت اس طرح تھی۔

(۱) بعض سکہ جات پر سنہ دو طریقوں یعنی حروف و اعداد میں لکھا جاتا تھا بعض پر

---

[1] سری ورکی راج ترنگنی کے ترنگ ۳ شلوک ۲۱۴ میں پنچ وشتنکا یا ۲۵ کے سکہ کا ذکر ان لفظوں میں آیا ہے وہ ایک تانبہ کا سکہ تھا جسے حسن شاہ (۱۴۷۲ء تا ۱۴۸۴ء) نے مالی مشکلات کے باعث کھوٹ ملا کر رائج کیا (از ضمیمہ نوٹ ۱۱ راج ترنگنی صفحہ ۱۱)۔

Marfat.com

صرف حروف ہی تھے۔

(۲) بعض سکوں پر سنہ عربی حروف میں ہے۔ بعض پر فارسی میں۔

(۳) سکہ جات ہر اسلامی عہد کے قریباً یکساں ہیں۔ ان میں بہت کم فرق ہے۔

(۴) ان کی شکل بالکل مربع ہے اور ان کی پشت پر "ضرب کشمیر" درج ہے۔

(۵) بعض سکہ جات پر نائب خلیفۃ الرحمان بعض پر نائب امیر المؤمنین بطور شاہی خطاب استعمال کیا گیا ہے۔

(۶) بعض سکوں پر منیر الدین اور نصیر الدین کے اعزازی خطابات بھی مشاہدہ میں آئے۔ بعض سکوں پر دارالضرب یعنی سری نگر کو "خطہ" اور بعض پر "شہر" لکھا ہوا دیکھا گیا۔

(۷) ہندوؤں اور مسلمانوں میں کشمیر کا سب سے پہلا بادشاہ زین العابدین ہے جس نے تانبہ کے علاوہ طلائی و نقرئی سکہ جات بھی رائج کیے۔

(۸) کشمیری مسلمان بادشاہوں کے زمانہ میں نقرئی سکوں کا وزن ۹۱ سے ۹۶ گرین تک تھا اور پیتل کے سکوں کا وزن اوسطاً ۸۳ گرین۔

کشمیر کے سرکاری عجائب خانہ میں مغل شہنشاہوں، سلاطین کشمیر اور افغان فرمانرواؤں کے عہد کے کشمیری سکہ جات کا ایک ذخیرہ ہے۔ اکبر کے عہد میں طلائی و نقرئی سکوں نے خوشنما صورت اختیار کر لی تھی اور یہ سب سکے کشمیر (؟) ہی میں تیار کیے جاتے تھے۔ عہد جہانگیر کے سکہ جات مغلیہ عہد کے جملہ سکوں سے زیادہ خوبصورت تھے اور ان میں سے بعض نومصوری اور صنعت گری کا اعلیٰ نمونہ تھے۔

بڈشاہی سکوں کی قیمت عہد اکبری میں

ذیل میں ایک جدول تیار کیا جاتا ہے۔ جس سے معلوم ہو گا کہ جو سکے زین العابدین سے پہلے، زین العابدین کے عہد میں اور اس کے بعد کے زمانہ میں جاری رہے، ان (؟)

Marfat.com

قیمت ابوالفضل کی تحریر کے مطابق اکبر کے عہد میں کیا تھی؟ یہ سکّے راجگان قدیم کے سکّوں پر ہی تھے۔ فرق صرف یہ تھا کہ ہندو راجگان کے سکّوں پر راجگان کی تصویریں یا دیوی دیوتاؤں کی تصاویر ہوتی تھیں اور حروف صرف سنسکرت یا سنسکرت نما ہوتے تھے اور تصویروں کے بجائے صرف کشمیر یا بادشاہ کا نام اور سنہ درج ہوتا تھا۔ جدول حسب ذیل ہے۔

نام کشمیری سکّہ	دیناروں کی تعداد مالی قیمت کے اعتبار سے۔	عہد اکبری میں ان کی قیمت
دوادوش (باہ گنی)	۱۲	۱/۸ درم یا ۱/۳۲۰ روپیہ
پنج ونشتک (پونتشو)	۲۵	۱/۴ دام یا ۱/۱۶۰ روپیہ
ہتھ	۱۰۰	ایک دام یا ۱/۴۰ روپیہ
سہسر (ساس)	۱۰۰۰	دس دام یا ۱/۴ روپیہ
کش (لاکھ)	۱۰۰۰۰	۲۵ روپیہ
کوٹی (کروڑ)	۱۰۰۰۰۰۰۰	۲۵۰۰ روپیہ

ان کے علاوہ کوڑیوں کا سکّہ حسب ذیل تھا۔

۸ کوڑی کی ایک باہ گنی یا ایک دوادوش۔ ۱۶ کوڑی یا دو باہ گنی یا دو دوادوش۔ ایک پونتشو یا ۲۵ دینار یا ایک پنج نشتک۔

ابوالفضل نے بعض اور قیمتوں کا بھی ذکر کیا ہے۔ مگر ان میں کشمیری سکّوں کا نام نہیں لکھا۔ دیناروں کی تعداد کے ساتھ عہد اکبری کی قیمت لکھدی ہے مثلاً

Marfat.com

دیناروں کی تعداد	نام کشمیری سکہ	عہد اکبری میں اُس کی قیمت
۵۰۰	———	۵ دام یا ۱/۸ روپیہ
۲۰۰۰	———	۲۰ دام یا ۱/۲ روپیہ
۲۵۰۰	———	۲۵ دام یا ۲۵/۴۰ روپیہ
۱۲۵۰۰	———	دام یا ۳ ۱/۸ روپیہ

زین العابدین کا جدید سکہ سلطان سکندر اور علیشاہ کے زمانہ میں جو چاندی اور سونا مندروں اور مورتیوں کو غارت کر کے جمع کیا جاتا تھا۔ اُسے ٹکسالوں میں مضروب کیا جاتا تھا۔ چونکہ یہ سکہ کم درجہ کا ہوتا تھا۔ اس لیے رائج الوقت سکوں کی کساد بازاری ہو گئی تھی۔

مورتیوں اور مندروں کا سونا ہلکی قسم کا تھا۔ یہ ایسا ہی سونا تھا جیسا اس زمانہ میں شادی بیاہ میں صرف ہوتا تھا۔ لڑکے والا لڑکی کو پانچ تولہ سونا یا اتنے وزن کے طلائی زیورات دیتا تھا اور لڑکی والا اپنی لڑکی کو صرف ایک تولہ سونا دیا کرتا تھا۔ یہ رواج بڈشاہ سے پہلے بھی چلا آتا تھا۔ اس قسم کے سونے کو "کوری سُن" کہتے ہیں اور اب بھی کہیں کہیں اس کا نام سُنا جاتا ہے۔ جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ یہ سونا ہلکی قسم کا ہے۔

سلطان ان نقائص کو دور کرنے کی تدبیریں سوچتا رہتا تھا۔ چونکہ اُسے ملک کی ترقی اور معدنیات کی تلاش کا خاص شوق تھا۔ آخر اُس نے اپنی ذاتی تگ و دو اور کوہ نوردی سے مس کی ایک کان تلاش[1] کی۔ پرانے سکے موقوف کر کے خالص دھات

---

[1] وجیز التواریخ غیر مطبوعہ مصنفہ ملا عبدالنبی کاشمیری سال تصنیف ۱۲۷۴ھ۔

Marfat.com

کا نیا سکہ جاری کیا[۱] اور پرانی ضرب کو موقوف کر دیا۔ طبقات اکبری میں بھی لکھا ہے کہ جب زر کی کسا د باری ہو گئی کہ اس نے حکم دیا کہ مس خالص پر جو اس کی اپنی کان سے پیدا ہوتا ہے سکہ بنایا جائے۔ چنانچہ اس کے طویل عہد میں اسی پر عمل ہوتا رہا۔

بڈشاہی دار الضرب صراف کدل کے پاس جو بڈشاہ ہی کا تعمیر کردہ ہے ایک محلہ ہے اُس کو ٹنگی سرائے کہتے ہیں۔ مہاراج گنج اس محلہ کے قرب وجوار میں ہے۔ اس ٹنگی سرائے میں بڈشاہ کی دارالضرب[۲] تھی۔ بلکہ دارالضرب ہی کی وجہ سے اس مقام کو ٹنگی سرائے کہتے تھے۔ یعنی ایسی سرائے جہاں ٹکے بنتے ہیں۔ چونکہ صراف لوگ یہاں زر ونقرہ فروخت کرنے کے لیے بیٹھا کرتے تھے۔ اسی وجہ سے پُل کا نام بھی صراف کدل ہوگیا۔

بڈشاہی سکہ کی شکل وصورت خالص چاندی کا بڈشاہی کا سکہ بشکل مربع ہے۔ اس کے ایک طرف بخط عربی السلطان بن سلطان سلطان زین العابدین درج ہے اور پشت پر "ضرب خطہ کشمیر" کی عبارت مکتوب ہے[۳]۔

بڈشاہی اوزان اور پیمانے سلطان نے دیکھا کہ اس کی مملکت میں گز، جریب اور پیمانے اور اوزان پوری مقدار کے نہیں ہوتے۔ گزوں اور پیمانوں کی کمی سے عوام کو نقصان ہوتا ہے اور جریب

---

[۱] بڈشاہی اس فلوس یعنے پیسوں کا وزن ایک پاؤ پختہ کے برابر تھا۔

[۲] از احسن التواریخ (غیر مطبوعہ) مصنفہ مولوی عزیز الدین صاحب قاضی کشمیر مرحوم۔

[۳] از احسن التواریخ غیر مطبوعہ مصنفہ قاضی مولوی عزیز الدین مفتی اعظم کشمیر المتوفی ۲۱ر شوال یوم یک شنبہ ۱۳۱۴ھ۔

Marfat.com

کی کمی سے زمیندار خسارہ میں رہتے ہیں۔ اس نے زمینداروں کے پاس خاطر سے جنکی ہمدردی سے ان کا دل ہمیشہ لبریز رہتا تھا اور جن کو وہ اصلی معنوں میں ملک کی ریڑھ کی ہڈی تصور کرتا تھا۔ جریب کو مروجہ جریب سے زیادہ بڑھا دیا۔ گز اور پیمانے اور اوزان پوری مقدار کے رائج کیے۔ آئینِ اکبری میں بڈشاہی عہد اور مابعد کے اوزان و پیمانہ جات کی مندرجہ ذیل کیفیت درج ہے۔

یک تولہ ۱۶۰ ماشہ یا ۹۶ رتی (ایک ماشہ چھ رتی کے مساوی)

اوزان حسب ذیل ہے۔

۱/۲ پال = ایک سیر۔ ۲ سیر = ۱/۲ من۔ ۴ سیر = یک ترکھ۔

۱۶ ترکھ = یک خروار۔

خروار اس کا نام اس لیے رکھا گیا کہ یہ وزن گدھے کے بوجھ کے برابر ہے۔ ایک گھوڑے کا بوجھ ۲۲ ترکھ قرار دیا گیا۔ قریباً یہی اوزان اور پیمانے اکبر کے عہد میں بھی جاری تھے۔

موجودہ زمانہ میں ایک ترکھ پانچ سیر ۲ چھٹانک کے برابر اور ایک خروار دو من پانچ سیر ۲ چھٹانک کے مساوی ہے۔

Marfat.com

آٹھواں باب

آبپاشی اجرائے انہار اور سڑکیں

لال کوہل۔ شاہ کوہل۔ شاہ کوہل اور ڈوگرہ حکومت۔ نالہ ماریا مہاسرت ندی۔ نہر زین گنگا۔ بڈشاہی سڑکیں۔

بڈشاہ کی زرعی دلچسپیاں

سلطان کو تعمیر عمارات۔ فلاح زراعت اور احداث انہار کا شوق نہیں بلکہ عشق تھا۔ وہ خوب سمجھتا تھا کہ چند اہلکاروں کے سوا مبرے ملک کی آبادی وخوشحالی کا حقیقی باعث وہی فرقہ ہے جو امیر غریب سے لے کر بادشاہ تک کو اناج پیدا کر کے دیتا ہے۔ زمینداروں کی بہبود کا اس کو اسقدر خیال تھا کہ ایک قانون کے ذریعہ اس نے مالیہ وصول کرنے والے افسروں کو زمینداروں سے کسی قسم کا نذرانہ قبول کرنے کی سخت ممانعت کر رکھی تھی اور چونکہ بادشاہ خود بھی اس حکم کی تعمیل کی نگرانی رکھتا تھا اور زمینداروں سے بھی بے محابا ملتا رہتا اور ان سے ان کی شکایات سنا کرتا تھا۔ اس لیے دیہاتی اور کسان لوگ حکام مال کی تعدیوں سے نہایت محفوظ ہو گئے[1]

---

[1] اسلامک کلچر ان کشمیر مصنفہ خواجہ غلام محی الدین صوفی ایم اے۔ صفحہ ۲۷۲۔

Marfat.com

غرض رعایا بالخصوص زمینداروں کی فارغ البالی کو ترقی دینے میں جو دلچسپی اس نے لی کشمیر کے کسی بادشاہ کو اس کی توفیق نہ ہو سکی۔ چنانچہ صاحب اکبری[۱] بھی اس کی تصدیق کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "دور تعمیر ولایت و تکثیر زراعت کندن جوہہا توفیق کہ او یافت ہیچ کس از حکام کشمیر را دست نداده بود" [۲]

زیر کس ناآید این کز ابر رحمت   نہال عہد را سرسبز دارد..

بڈشاہ سے پہلے کشمیر کے مشہور انجینیر سویہ بانی سوپور نے آبپاشی کے اہم کام میں دلچسپی لی ہے لیکن بڈشاہ کا انتظام اس کے بادشاہ ہونے کی وجہ سے بہت اعلیٰ پیمانہ پر تھا۔ سٹین بھی زین العابدین کے طویل و پرامن عہد میں آبپاشی کے جو اہم کام سرانجام ہوئے ہیں ان کی تعریف کرتا ہے اور لکھتا ہے جو نراج اور شری در کی تاریخوں میں اس سلطان کے عہد کی تعمیر شدہ نہروں کی طویل طویل فہرست مل سکتی ہے۔ لیکن ان میں چند ایک خصوصیت سے قابل ذکر ہیں۔ ہم سب کا تھوڑا تھوڑا ذکر جو تاریخوں کی ورق گردانی سے معلوم ہو سکا ہے ذیل میں درج کیے جاتے ہیں۔

لال کول نالہ پہرو[۳]۔ لولاب[۳] کے خوشگوار اور سرسبز و شاداب پہاڑوں سے نکلتا ہے اور قریباً چالیس میل کی مسـ نت طے کر کے دو آبگا (متصل سوپور) کے پاس

---

[۱] صفحہ ۱۷۰ [۲] مترجم راج ترنگی مصنفہ پنڈت جیون جلد دوم صفحہ ۴۲۹ [۳] وادی لولاب ہیں جو کوپوارہ سے چندی گام تک چودہ میل لمبی ہے اس نالہ کا نام گنڈ ماچھر ہے۔ وادی کے اور بھی بہت سے نالے اس میں ملتے ہیں۔ آفن کا نالہ جو ورنو کی طرف سے آتا ہے مقام گنگا بک کے نزدیک اس میں آملتا ہے۔ دوسرا نالہ کلاروچ ہے جو کمہ یال کے متصل آکر شامل ہو جاتا ہے۔ گنڈ ماچھ نالہ آفن اور نالہ کلاروچ کا پانی لے کر وادی کے اکثر مواضعات کو سیراب کرتا ہوا جب وادی سے باہر قدم رکھتا اور کوپوارہ کی حدود میں داخل ہوتا ہے تو (حاشیہ صفحہ ہذا برصفحہ آئندہ بحاشیہ نمبر ۵ بھی آئندہ صفحہ پر ملاحظہ فرمائیں)

Marfat.com

دریائے جہلم میں جا ملتا ہے۔ بڈشاہ نے زینہ گیر کی آبادی کے لیے بنہ گام پہرو کے پاس اس نالہ پر پتھروں کا ایک مضبوط بند بنایا اور ایک نہر نکالی جس کی بڑی شاخ تو دامن کوہ کے

(حاشیہ صفحہ سابقہ) اس کا نام پہرو ہو جاتا ہے۔ اس مقام پر اس کے ساتھ ایک اور نالہ کمیل نام جو کاغان سے آتا ہے تریہگام کو سیراب کرتا ہوا اس میں آ ملتا ہے۔

(حاشیہ گزشتہ صفحہ) ۹ لولاب کشمیر کی مشہور اور زرخیز وادیوں میں سے ہے اس کے اندر قدرت نے کئی اور چھوٹی چھوٹی وادیاں "دامن دل مے کشند" کے لیے بنا رکھی ہیں۔ میں سب سے پہلے یکم اگست ۱۹۲۸ء کو اس وادی میں داخل ہوا اور اس کے آخری مقام تک پہنچا۔ یہ وادی ۱۲۵ میل مربع ہے۔ اس میں ۷۷ دیہات اور ۲۵۸۴۳ نفوس آباد ہیں۔ ۹۸۶۸ ایکڑ اس میں جنگل کا رقبہ ہے جس کی سالانہ آمدنی پانچ لاکھ کے قریب ہے۔ مالیہ ۸۰ ہزار کے قریب ہے۔ اس میں مشہور گاؤں لعل پور۔ ورنو اور سوگام ہیں۔ لعل پور میں مدرسہ ڈاکخانہ اور پولیس چوکی ہے۔ ورنو ہندوستان کے برگزیدہ عالم شیخ الحدیث مولینا محمد انور شاہ صاحب کاشمیری سابق صدر مدرس دیوبند کا وطن ہونے کی وجہ سے بہت مشہور ہے۔ سوگام میں ڈسپنسری اور رینج کوارٹرز ہیں۔ اس وادی میں آبادی سب مسلمانوں کی ہے۔ پنڈتوں کی تعداد ان ۷۷ دیہات میں شاید سو سے بھی زیادہ نہیں ہے ورنو سے اوپر ایک میل کے فاصلہ پر ہندو زمانہ قدیم کی بہت سی مورتیاں ملتی ہیں۔ لولاب کی تمام چھوٹی بڑی وادیوں میں محکمہ جنگلات والوں نے سڑکیں بنا کر جنگل میں منگل بنا رکھا ہے۔ چنانچہ لولاب میں موٹریں گھومتی پھرتی ہیں۔ یہ جگہ سطح سمندر سے چھ ہزار فٹ بلند ہے۔ یہاں کی زیادہ پیداوار شالی اور مکئی ہے۔ شکاران جنگلوں میں بہت ملتا ہے۔ مدارس کی تعداد وہ بھی پرائمری اٹھارہ ہزار سے زیادہ آدمیوں کی آبادی میں صرف چھ ہے۔ لولاب سنسکرت نام لولا اور کشمیری نام لُولُو اور عام طور پر لولا بولا جاتا ہے اور کاغذات میں بھی لولاب ہی لکھا جاتا ہے۔ یہ علاقہ راجہ لو (۲۰۴۲ ق م تا ۱۹۸۲ ق م) کا آباد کردہ ہے۔ جیسا کہ تاریخ حسن میں صفحہ نمبر ۱۳۰ پر لکھا ہے "پتہ لولاب درہ است سرحد شمالی کشمیر کہ از چار سو کوہستان دارد۔ راجہ لو آباد کردہ است"۔

Marfat.com

تمام مواضعات ۔ زولرہ ۔ ہارون ۔ لیت شاٹ ۔ نوپورہ ۔ نجر ۔ زہنہ پورہ ۔ بٹے ۔ گوری پورہ ہم پورہ ۔ ڈور اور دار پورہ وغیرہ کو سیراب کرتی تھی اور جس کی دیگر شاخوں کا نام زینہ گیر میں جو زین العابدین کا اپنا آباد کردہ علاقہ تھا جال پھیلا ہوا تھا ۔

علاوہ دیگر مؤرخین کے کشمیر کے آخری نامور مؤرخ پیرزادہ حسن شاہ بھی اپنی تاریخ میں بہرد اور نالہ بہرد کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "نالہ بہرو کہ درمیان درہ کامراج می گذرد منبع آں کوہستان وچشمہ سارلولاب است ۔ بڈشاہ درعہد خود نالہ بہرد را من مقام بہرو[1] از مجرای خود مسدود کردہ ۔ آب آن فیض بخش پرگنہ زینہ گیر ساختہ "

یہ نہر اپنی شاخوں کے علاوہ چودہ پندرہ میل تک لمبی تھی اس نے زینہ گیر کو جو رونق دی اس کا ذکر زینہ گیر کے حالات میں بیان کیا جا چکا ہے ۔

نہر کے تعمیر ہونے پر کئی شعرا نے بادشاہ کی خوشنودیٔ مزاج کے لیے نظمیں لکھیں، قصائد لکھے، قطعات تاریخ قلمبند کیے ۔ بادشاہ علم وفضل کا قدردان تھا ۔ اس کے دربار میں کئی شاعر موجود تھے ۔ ظاہر ہے کہ اُس نے کئی شعراُ پر اعلیٰ قدر مراتب نوازش شاہانہ کی برکھا کی ہوگی ۔ لیکن تاریخوں میں جس قطعۂ تاریخ کا ذکر آیا ہے وہ صرف ایک شعر ہے اور تعجب بلکہ افسوس ہے کہ تاریخ گو شاعر کا نام تک بھی کسی تاریخ میں

---

[1] بہرد اور بنہ گام بالکل پاس پاس ہیں اور سڑک ہندواڑہ پر جاتے ہوئے جہاں سنقو باندھا گیا ہے وہاں نالہ سے پار اب بھی یہ دونوں مواضعات موجود و آباد ہیں ۔

Marfat.com

نظر سے نہیں گزرا۔ شعر حسب ذیل ہے۔ ؎

چو شد تعمیر آں جوئے گرامی ——— خرد تاریخ گفتہ جوئے خرم[1]

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ نہر ۸۵۹ھ میں یعنی آج (۱۳۴۷ھ موافق ۱۹۲۸ء کے مطابق) سے ۴۸۸ سال پیشتر تیار کی گئی تھی۔

قریباً پانچ سو سال گزر جانے کے باوجود بھی اس قدیم نہر کے آثار سم پور۔ بمے۔ ڈور اور تنجر کے متصل نظر آتے ہیں۔ جو سڑک سوپور سے ہندواڑہ کو جاتی ہے وہ دسویں میل پر اسی قدیم چشمہ فیض یا "جوئے خورم" کے سینہ بے کینہ کو روندتی اور پامال کرتی ہوئی گزر جاتی ہے۔

فوقؔ بارہا کشمیر آیا اور بارہا اس نے "جوئے خورم" کے بانی کی روحِ پُر فتوح پر دعائے خیر کے پھول نچھاور کیے۔ لیکن بند (سنخو) کے آثار سب سے پہلی مرتبہ اُس نے ۱۹۲۴ء میں دیکھے۔ جو سڑک سے ذرا نیچے بائیں ہاتھ کی طرف اور باغ وزیر سوبہارام کے عقب میں ہیں۔ سنخو کے بہت سے پتھر زمینداروں نے اپنے کھیتوں کے گرد باڑ کے طور پر لگا دیے ہیں۔ تاہم سنخو کا بہت سا حصہ اپنی گزشتہ شاندار تاریخ کے دریدہ و بوسیدہ اوراق کے ذریعہ دیدۂ عبرت کو اب بھی اپنی اصلی جگہ پر پہاڑ کی مضبوط چٹان کی طرح نظر آرہا ہے۔

[1] از مکمل تاریخ کشمیر حصہ دوم مصنفہ راقم الحروف۔

Marfat.com

جہاں سے وزیر سوبہارام کا باغ شروع ہوتا ہے وہاں ایک پرانا گلاسڑا چنار کھڑا ہے۔ جو صورت بہ یں عالم کمپرس کے مطابق ہے۔ اس کے نیچے ایک ٹوٹا ہوا کالے رنگ کا پتھر پڑا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ یہ چنار اور پتھر دونوں بڈشاہ کے زمانہ کے ہیں۔ پتھر کے متعلق تو یہ مشہور ہے کہ جب احداث نہر کے ایام میں بڈشاہ یہاں آیا کرتا تھا۔ تو اسی پتھر پر نماز پڑھا کرتا تھا۔ اس چنار اور رنگین جا نماز کے پاس ہی ایک قدیم قبرستان کے آثار نظر آتے ہیں۔ متصلہ باغ کا بہت سا حصہ بے چین دنیا کے رہنے والوں نے اس خاموش آبادی کے رہن بسیروں کو کھود کھود کر حاصل کیا۔ اب بھی باغ کے اندر اور اس کے دائیں جانب بہت سی قدیم قبروں کے نشان ملتے ہیں بلکہ قبروں کے ساتھ جو زمین زیر کاشت ہے اور جہاں آج ہل چلائے جا رہے ہیں وہاں بھی راقم الحروف نے آج سے کئی سال پیشتر شکستہ قبریں دیکھی تھیں۔ ایک پیر مرد سے دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ بزمانہ بڈشاہ دامن کوہ میں ایک بہت بڑا شہر آباد کیا تھا۔ اسی برباد شہر کے لوگوں کو فرشتہ اجل نے تھپک تھپک کر یہاں سلا رکھا ہے۔

شاہ کول

مشہور ہے کہ کریوہ مارتنڈ کی بنجر اور غیر آباد سطح مرتفع کو سب سے پہلے بڈشاہ نے "شاہ کول" کے اجراء سے آباد کیا تھا لیکن جب ہم تاریخوں کی ورق گردانی کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ بڈشاہ سے بہت عرصہ پیشتر کشمیر کے مشہور راجہ للتادتیہ ۷۲۵ء تا ۷۵۲ء نے اس کریوہ پر اپنا شاندار مندر مارتنڈ تعمیر کرایا تھا اور اس مندر کی آبادی اور رونق کے لیے اس نے دریائے لدر کے اس مقام سے جہاں موضع گنیش پور آباد ہے اور جو کریوہ مارتنڈ سے ۱۶ میل کے فاصلہ پر نہایت بلند پہاڑ واقع ہے ایک نہر جاری کی تھی۔

۱؎ گنیش پور سے لیکر کریوہ مارتنڈ تک قریباً تیس چالیس دیہات کے رقبہ کو یہ سیراب کرتی تھی۔

Marfat.com

اس نہر سے کئی گاؤں سیراب ہوتے تھے۔ پنڈت کلہن پرجاہت
اور شک، جو ہندو عہد قدیم کے نامور مورخ تھے۔ مارتنڈ کے میدان پر انگوروں کے
باغ کا ذکر کرتے ہیں۔ لیکن جیسا کہ ہمیشہ ہوتا آیا ہے اور ہوتا رہے گا۔ راجہ مذکور کے
جانشینوں کے زمانہ میں ان کی عدم توجہی اور لاپرواہی کی وجہ سے ایک وقت ایسا آیا کہ
نہر بند ہو گئی۔ پانی کی بجائے اس میں مٹی اور پتھر نظر آنے لگے۔ مندر بھی ویران اور اُجاڑ
ہو گیا۔ کریوہ پر جو مکان آباد تھے وہ خاک کا پیوند ہو گئے۔ مکین ادھر اُدھر جا کر کسی اور
جگہ کاشت کرنے لگے۔

راجہ للتادیتہ کے قریباً سات سو سال کے بعد جب بڈشاہ
کا زمانہ آیا تو ملک کے سوئے ہوئے نصیب جاگ اُٹھے۔ خشک اور اجاڑ اراضیات
پہاڑوں اور جنگلوں کو چیر کر آباد کی گئیں۔ زینہ گیر کے لیے اگر اس کا وجود بارش کرم بن
آیا تو کریوہ متن کے لیے وہ ابرِ رحمت ثابت ہوا۔

ہزارہا مزدور نہر کی کھدائی پر لگا دیے گئے۔ بادشاہ کی طرف
سے مزدوری بھی دی جاتی تھی جو اس زمانہ میں شاید تین چار پیسہ روزانہ سے زیادہ نہ
تھی۔ تاہم سرکاری اہل کار جو نہر کی کھدائی پر مامور تھے کبھی کبھی لوگوں کو بیگار میں بھی پکڑ
کرتے تھے۔

بابا زین الدین حضرت شیخ نور الدین ولیؒ کے مرید تھے اور
اپنے خلوص خدمت کی وجہ سے بلند مرتبہ رکھتے تھے۔ ایک دن انھوں نے اپنے کسی
خادم کو کسی کام کے لیے کہیں بھیجا۔ جب وہ اس مقام پر پہنچا جہاں بڈشاہ اہل کار شاہ جُو

Marfat.com

یعنی شاہی نہر کی کھدائی کا کام کر رہے تھے تو انھوں نے خادم مذکور کو بہ زور و جبر بیگار میں پکڑ لیا۔ جب چند دنوں کے بعد اسے جبری خدمت سے نجات ملی تو وہ حضرت بابا صاحب کی خدمت میں آیا اور تمام ماجرا بیان کیا۔ حضرت یہ واقعہ سن کر ملولِ خاطر ہوئے بغضبناک ہو کر اپنے عصا کو دریائے لدر میں جس کا پانی نہر شاہی میں جانے والا تھا، زور سے گاڑ دیا۔ اور کلاہ مبارک کو سر پر ٹیڑھا کر دیا۔ اُدھر یہ ہوا اور اِدھر دریا کا پانی کم ہو کر خشک ہونا شروع ہوا۔ آخر یہ خبر بادشاہ کو بھی پہنچی اور یہ بھی معلوم ہوا کہ سرکاری آدمیوں نے حضرت بابا صاحب کے ایک خادم کو بیگار میں پکڑ کر اس سے زبردستی کام لیا تھا۔ بادشاہ ایک جمعیت بزرگان کے ساتھ حضرت کی خدمت میں گیا اور عذر تقصیر کیا اور اپنے آدمیوں کو نہ صرف حضرت کے خدام بلکہ کسی آدمی کو بھی بیگار میں پکڑنے سے منع کر دیا۔ حضرت نے بادشاہ کی معذرت قبول فرمائی۔ عصا دریا سے باہر نکالا اور کلاہ کو سر پر سیدھا کیا اور پانی دریا کا اسی طرح جاری ہو گیا جس طرح پہلے تھا۔[1]

بادشاہ چونکہ ایک نیک طبیعت لے کر آیا تھا۔ جس طرح جوگیوں اور سادھوؤں کا عقیدت مند تھا اسی طرح علماء، مشائخوں اور صوفی منش لوگوں کی خاکِ پا کو ملا ملا نے ... تھا حضرت بابا صاحب جو خفا ہوئے ہوں گے اور سلطان نے فوراً معذرت مانگی سے جو معذرت کی ہوئی بلکہ بیگار کے جبری واقعہ میں قدرت نے حکمت بھی پوشیدہ رکھی تھی کہ بادشاہ سے اس واقعہ بیگار کے بعد بیگار کی ممانعت کے احکام جاری کرا دیے تھے جس سے ہزاروں اور ہزاروں لوگوں کو اس جبری خدمت سے نجات مل گئی۔ باقی رہا قصہ عصا کے دریا میں گاڑے جانے سے دریا کے پانی کا خشک

---

[1] تاریخ خوارق السالکین قلمی ذخیرہ مطبوعہ سال تصنیف ۱۱۰۵ھ صفحہ ۹۳۔

Marfat.com

ہو جانے کا اس کو عقیدتمندوں کے حسن ارادت پر محمول کر دیا بزرگان دین کی روحانی طاقتوں سے اپنی لاعلمی تصور کرو بابا صاحب کی عظمت و بزرگی میں اس سے کوئی کمی یا کوئی اضافہ نہیں ہو سکتا۔

نہر پدر[۱] نے اپنی راج ترنگنی میں بڈشاہ کے زمانہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ نہر کے اجرا اور اس کی خوش انتظامی کی وجہ سے انگوروں کے باغات اس کریوہ پر بکثرت تھے اور وہ اپنی شیرینی اور موٹائی کی وجہ سے دور دور تک مشہور تھے[۲]۔

شاہ کوہل اور حکومت ڈوگرہ کریوہ مارتنڈ پر یہ نہر مواضعات رنبیر پورہ۔ رامپورہ۔ گرہالپورہ کلاں و خورد۔ آمرگڈھ۔ سنگھ پورہ اور دیوکی پورہ کے دیہات کو سیراب کرتی ہے۔ ۱۹۱۹ء میں مہاراجہ رنبیر سنگھ نے اس کریوہ کو از سر نو آباد کیا۔ یہاں پٹھان۔ پنجابی اور ڈوگرے آباد ہیں جن کا اکثر حصہ فوجوں سے آیا ہوا ہے مہاراجہ رنبیر سنگھ نے ان سب کو ½ مالیہ معاف کر دیا۔ جس کا عمل اب تک بھی بدستور ہے۔

۱۹۳۸ء تا ۱۹۴۰ء بعنایت بمعرفت وزیر پنوں مہاراجہ

---

[۱] جغرافیہ قدیم کشمیر صفحہ ۱۷۲ ضمیمہ راج ترنگنی۔

[۲] اکبر اور جہانگیر کے زمانہ میں بھی مارتنڈ کا انگور بہت مشہور رہا ہے۔ اس زمانہ میں ایک دام یا ½ پیسہ کے ۸ سیر خام یا چار سیر پختہ انگور آتے تھے کشمیر سے دہلی تک ایک ڈالی لیجانے کی مزدوری دو روپے تھی۔ اس زمانہ میں بھی اسی قسم کی اور اتنی ہی بڑی ڈالیاں ہوا کرتی تھیں جیسی آج نظر آرہی ہیں۔ کشمیر سے لاہور اور لاہور سے دہلی تک کی مسافت کا اندازہ کرو اور پھر یہ بھی خیال کرو کہ اس زمانہ میں رستے اسقدر ناہموار تھے اور پھر دو روپے اجرت پر بھی نظر ڈالو لیکن یہ بھی یاد رہے کہ اس زمانہ میں دو روپیہ کی قریباً ۶ من اکبری شاہی آتی تھی اس زمانہ کا من موجودہ من سے نصف ہوتا تھا۔ کشمیر سے (حاشیہ صفحہ ہذا بر صفحہ آئندہ)

Marfat.com

موصوف نے بڑنتا ہی نہر کی تعمیر شروع کی۔ لیکن پانی موضع سالیہ سے نیچے نہ اتر سکا۔ بعہد مہاراجہ پرتاب سنگھ ۱۹۵۵ب میں پھر اس کریوہ کی سرسبزی کے لیے کوشش کی گئی اور ۱۹۶۰ب میں بہت سی لاگت اور بجد جانفشانیوں کے بعد آخر پانی رنبیر پورہ تک آ گیا پہلے اور دوسرے سال لوگوں کو آبیانہ معاف کر دیا گیا۔ ۶۳-۱۹۶۲ب میں ۱/۲ حصہ اور ۱۹۶۴ء میں آبیانہ سالم لیا جانے لگا۔

تقسیم آب کے لیے اس نہر پر ڈویژنل انجینئر کے علاوہ ایک ضلع دار اور ایک امین زین پٹواری اور ایک چپراسی متقرر ہیں۔

نالہ مار یا مہاسرت ندی مہاسرت ایک ندی ہے جو ڈل کے چشمہ سے سیراب ہوتی ہوئی دارالخلافہ کے ساتھ آ ملتی ہے۔ اس کا ذکر کشمیر کی قدیم روایتوں کے ساتھ ساتھ چلا آتا ہے۔ مہاسرت کا اتصال وتستہ (جہلم) کے ساتھ جس مقام پر ہوتا ہے وہ شاہی محل شیر گڈھی کے عین مقابل ہے۔ یہ جگہ زمانہ قدیم ہی سے ایک مشہور تیرتھ چلی آتی ہے۔ سکھوں کے زمانہ میں یہاں بسنت باغ تھا۔

قدیم ہندو مؤرخوں نے اس سنگم (اتصال) کا نام مہاسر ورہ وتستہ سنگم" اور شریدر پنڈت نے اس کا خلاصہ کر کے "ماری سنگم" لکھا ہے۔ یہی لفظ شک اور پرتاجبٹ نے بھی استعمال کیا ہے۔ مہاسرت سے ماری اور ندی سے مار مشہور ہو گیا۔ اور اب یہ نالہ اسی نام سے نامزد ہے۔

(حاشیہ صفحہ سابقہ) دہلی تک کی مسافت پا پیادہ ۵۰۲۴ یوم بلکہ ایک ماہ سے کم میں طے نہ ہوتی تھی۔

Marfat.com

یہاں تک نوشین صاحب کی تحقیقات کا نتیجہ تھا اب مسلمان مؤرخین نے جو کیفیت نالہ مار اور مار کی وجہ تسمیہ میں لکھی ہے۔ وہ بھی درج کی جاتی ہے۔ شیخ عبدالوہاب نوری گنائی اپنی کتاب فتحیاب کبرویہ میں لکھتے ہیں "زمانہ سابق میں تالاب ڈل کا پانی برارہ نمبل[1] کی راہ سے محلہ علاؤالدین[2] پورہ سے ہوکر گذرتا تھا۔ بادشاہ نے غور کرنے کے بعد اس پانی سے فائدہ اٹھانے کی دو تجویزیں سوجھیں ایک تو یہ کہ اس سے پرگنہ اچھن کو آباد و سرسبز کیا جائے۔ دوسرے یہ کہ عید گاہ تک کسی طرح یہ پانی پہونچایا جائے تاکہ لوگوں کو وضو وغیرہ کی تکلیف نہ ہو۔ لیکن یہ دونوں تجاویز بظاہر خوش اسلوبی طے ہوتی نظر نہ آتی تھیں۔

آخر بادشاہ نے ایک شب خواب میں دیکھا کہ ایک سانپ نکلا ہے اور وہ دوڑتا جاتا ہے اور پانی کا رستہ دکھاتا جاتا ہے۔ چونکہ بادشاہ کو صفائے

---

[1] نمبل کشمیری لفظ ہے اور اس قطعۂ زمین کا نام ہے جو نمناک اور آب خیز یعنی دلدل کی قسم کی ہو یا ایسا قطعہ زمین جس میں تقریباً دو حصہ پانی اور ایک حصہ مٹی ہو۔ کشمیر کے نمبلوں میں سے برارہ نمبل اس لحاظ سے کہ نفس شہر کے شمالی حصہ میں موجود ہے۔ نہایت آباد مزروع اور زرخیز ہے یہاں سفیدہ اور بید کے درخت بکثرت ہیں۔ [2] تعمیر کردہ سلطان علاؤالدین والئ کشمیر (عہد حکومت ۱۳۴۳ء لغایت ۱۳۶۰ء) یہ ایک وسیع احاطہ کا نام ہے جس میں حسب ذیل محلہ جات ہیں۔ خانقاہ معلیٰ۔ دوکان سنگین۔ زیرپرستان۔ ملک آنگن۔ شاہی تعمیرات اب نابود ہیں۔ البتہ ملک آنگن میں قبرستان کا ایک احاطہ ہے مشہور ہے کہ وہاں علاؤالدین کا مزار ہے۔ [3] سرینگر کے غربی حصہ میں تقریباً تین میل کے فاصلہ پر واقعہ ہے اور عید گاہ تک پھیلا ہوا ہے۔ نمبل سنگم کی زراعت جو شامل پرگنہ اچھن ہے بلحاظ ملائمت و لطافت بہت مشہور ہے۔

Marfat.com

باطن کا درجہ بھی حاصل تھا اس نے بھی واقعہ بعد میں عالم بیداری میں مشاہدہ کیا۔ دیکھ کر ایک سانپ نکلا ہے۔ لوگ اس کے پیچھے دوڑ رہے ہیں اور وہ بھاگا جا رہا ہے اور کسی کے قابو نہیں آتا۔ یہاں تک کہ میدان عیدگاہ تک پہنچا۔ یہ واقعہ نالہ کی تیاری کے لیے ایک اشارہ تھا۔ چنانچہ سلطان نے اسی رستہ پر کھدائی شروع کرائی اور چونکہ سانپ کو فارسی میں مار کہتے ہیں اس لیے اس آبجو کا نام نالۂ مار مشہور ہو گیا۔ دیگر تمام مسلمان مورخین نے بھی نالۂ مار کی وجہ تسمیہ میں تقریباً یہی الفاظ دہرائے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ہندو عہد قدیم کا اس نالہ سے کوئی تعلق نہ تھا لیکن جیسا کہ سٹین صاحب کے حوالہ سے لکھا جا چکا ہے۔ عہد قدیم میں نالۂ مہاسرت موجود تھا۔ یہ دوسری بات ہے کہ وہ نالہ کریوہ مارتنڈ کی نہر کی طرح مٹ گیا ہو یا بہت چھوٹا ہو اور بعد میں زین العابدین نے اسی نالہ کو از سر نو جاری کیا ہو جیسا کہ شریور پنڈت کی راج ترنگنی کے شلوک ۲۴۰ کے حوالہ سے جغرافیہ قدیم کشمیر میں لکھا ہے کہ مغرب کی طرف نالۂ مار کی جو توسیع ہے۔ وہ زمانہ مابعد کی ہے۔ سلطان زین العابدین نے اس کو کشتی رانی کے قابل بنا دیا تھا۔

یہ نالہ شہر کی اندرونی آمد و رفت کے لیے بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ اس نے ڈل تک پہنچنے کے لیے ایک آسان گزار شاہراہ تیار کر دی ہے۔ اس کے ذریعہ ڈل کی تمام پیداوار دوسرے مقامات خصوصاً شہر (سرینگر) کے ہر گلی کوچہ تک بہ آسانی پہنچ جاتی ہے۔

مکمل تاریخ کشمیر میں اس نالہ کی کھدائی کی یہ وجہ بھی بیان کی گئی ہے کہ جھیل ڈل کا پانی بڈشاہ کے زمانہ میں حبہ کدل کے مقام پر دریائے جہلم میں ملتا تھا۔ بادشاہ نے مٹی اور پتھر ڈلوا کر اس جگہ کو بند کرا دیا اور جھیل کا پانی باہر نکالنے

Marfat.com

کے لیے نالہ مار تیار کرایا جس سے پرگنہ اچھن کی زراعت اور آبادی کو بھی بے شمار فوائد پہنچے[1]۔ بادشاہ نے آمد و رفت کے لیے اس نالہ پر سات پل بھی تیار کرائے[2]۔

اس نالہ سے تین چار شاخیں بھی نکالی گئیں۔ مثلاً کادہ ڈارہ بارہ پل۔ دولت کل۔ اس نالہ کا دور ۳½ میل تک بتایا جاتا ہے۔ میدان عیدگاہ کی عالیشان مسجد[3] جو آج اپنی بے سر و سامانیوں کی وجہ سے کشمیر اور سرینگر خاص کر مسلمانوں

---

[1] مصنف تاریخ حسن صفحہ ۲۰۰ پر لکھتا ہے " درسلف زبان آب تالاب (ڈل) قرین حبہ کدل با دریائے بہت پیوستہ مے رفت۔ بڈشاہ ازاں جا مسدود ساختہ نالۂ مار در نفس شہر حفر کردہ آب ڈل بزراعت پرگنہ اچھن جاری ساخت "

[2] آج اس نالہ پر چودہ پل ہیں جن میں سات قدیم ہیں اور سات زمانہ مابعد کے (۱) پل نائید یار (۲) پل جوگی لنگر (۳) پل ناوہ پورہ (۴) پل نائید کدل (۵) بوری کدل (۶) صراف کدل (۷) کادی کدل۔ (۸) راجوبری کدل یا راجوری کدل۔ (۹) پل کاوہ ڈارہ (۱۰) ڈوبنہ کدل (۱۱) پل سکہ ڈافر (۱۲) پل رنہ پورہ (۱۳) گاؤ کدل۔ (۱۴) پل گندر پورہ۔ سات سنگین پلوں کی تصدیق وجیز التواریخ غیر مطبوعہ مصنفہ ملا عبدالنبی (۱۲۷۴ھ) سے بھی ہوتی ہے۔

[3] ۱۹۲۷ء میں راقم الحروف نے اس مسجد اور عیدگاہ کو دیکھا۔ عیدگاہ کا میدان بہت وسیع ہے اور قدرت نے جو مخمل فرش (سبز گھاس کا) اس پر بچھا رکھا ہے اس نے اس کی سادگی کو بہت دلفریب بنا دیا ہے۔ مسجد بہت وسیع فراخ اور بلند و بالا ہے لیکن بہت شکستہ حالت میں ہے۔ فرش اکھڑا ہوا ہے بلکہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہاں فرش کبھی تھا ہی نہیں۔ بارش میں پانی ٹپکتا رہتا ہے۔ مسجد کے پاس ہی دائیں طرف سیاہ پتھر کی سیڑھیاں وضو کے لیے بنوائی تھیں جو مٹی سے ڈھکی ہوئی اور پانی میں چھپی ہوئی ہیں۔ پانی میں لمبی لمبی گھاس اُگی ہوئی ہے۔

Marfat.com

کے احساس ملی پر نوحہ کناں اور اپنے بانی کے جانشین فرمانروا کی چشم خسروانہ اور امداد شاہانہ کی منتظر و محتاج ہے۔ بڈشاہ کے بھائی علیشاہ بادشاہ کشمیر نے تعمیر کرائی تھی اور نام اس کا عالی مسجد رکھا تھا۔ یہاں پانی کی بڑی کمیابی تھی۔ بڈشاہ نے پرگنہ اچھن کی آبادی کے ساتھ ہی عیدگاہ کو بھی پانی پہنچانے کا [illegible] کیا۔ چنانچہ نالہ مار کا پانی میدان عیدگاہ سے ہو کر پرگنہ اچھن کو جایا کرتا تھا۔

نالہ مار پر کئی بزرگ آسودہ خاک ہیں جن میں حسب ذیل دو خاص طور پر مشہور ہیں۔ (۱) حضرت سید محمد بیہقی۔ جن کے مزار پر خواجہ محمد اعظم مؤلف تاریخ اعظمی (۱۱۴۸ھ) کے زمانہ میں بڑی رونق ہوا کرتی تھی۔ دوسرے میر سید حبیب سرخابی۔ جو نہایت جلالی شان کے صوفی اور اغنیاء و حکام کی صحبت سے سخت متنفر تھے۔

نہر زین گنگا جنوبی کشمیر کا نام عہد قدیم میں مدور راجیہ تھا اُسی کا بگڑا ہوا نام آج تک مزار چلا آتا ہے۔ یہاں اُدون کے عظیم علاقہ کا جو کرال کے نام سے بھی مشہور ہے۔ کچھ حصہ سطح مرتفع پر واقعہ ہے جو باوجود قرب دریا کے پانی سے محروم تھا۔ بقول شاعر ؎

اے سمندر دیکھ لی ہم نے تری دریا دلی
اک قطرہ کے لیے ساحل ترستا رہ گیا

جب سلطان زین العابدین نے اس علاقہ میں سلسلہ انہار کو وسعت دی تو اس کا شمالی حصّہ ایک جداگانہ پرگنہ بن گیا تھا۔ اس نے اس علاقہ کو آباد کرنے کے لیے اس سطح مرتفع پر اپنے نام سے زین پور ایک قصبہ آباد کیا جس کو سنسکرت زبان کے مؤرخین نے جین پور اور جین نگر دونوں ناموں سے موسوم کیا ہے۔

Marfat.com

چنانچہ جوزراج یا زونہ راج اپنی راج ترنگنی کے شلوک ۱۵۲۳ میں جین نگر یا جین پور کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے:" اس کو زین العابدین نے اپنے نام پر آباد کیا تھا اور کشیمندر مؤرخ نے اپنے پرکاش ۲ میں اس کی تائید کی ہے۔[1]

زین پور کو آباد و شاداب بنانے کے لیے زین العابدین نے ایک نہر جاری کی جس نے زین پور کو وہ رونق دی کہ زین پور جو ایک قصبہ تھا پرگنہ قرار دیا گیا۔ بادشاہ کا قاعدہ تھا کہ اپنے نئے آباد کردہ مقامات پر کوئی نہ کوئی سرکاری مکان بھی تعمیر کروا دیتا تھا اور اس کی دیکھا دیکھی امیر وزراء بھی چھوٹے چھوٹے مکان بطور ریسٹ ہاؤس (آرام گاہ) بنایا کرتے تھے۔ یہاں بھی بادشاہ نے یہی عمل کیا بلکہ کئی لوگوں نے باغات احداث کر کے اس کو نمونہ رشک ارم بنا دیا۔[2]

جوزراج اپنی تاریخ کے شلوک ۸۶۲ میں لکھتا ہے:" کہ زین العابدین نے جین نگری کے لیے جو نہر تعمیر کرائی اس کا نام جین (زین) گنگا رکھا اور اس کو اس قدر وسعت دی کہ رن سوامن کے مندر تک لے آیا جو راجہ رانا دیتہ نے سری نگر میں تعمیر کرایا تھا۔

اس نہر کا منبع جہاں سے یہ شروع کی گئی تھی قصبہ شوپیاں بیان کیا جاتا ہے اور اگر یہ صحیح ہے کہ اس کا آخری مقام رن سوامن کا مندر واقعہ سری نگر تھا تو

---

[1] مترجمہ راج ترنگنی کا ضمیمہ کشمیر کا جغرافیہ قدیم صفحہ ۶۱۔
[2] مکمل تاریخ کشمیر حصہ دوم مصنفہ راقم الحروف۔

Marfat.com

یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ اس نہر کی لمبائی ۲۰ میل سے کم نہ تھی اور اس سے صرف زینہ پور ہی سیراب نہ ہوتا تھا بلکہ کئی اور دیہات و مقامات کے تشنہ لب کھیت اس سے اپنی پیاس بجھاتے تھے۔

رن سوامن کا مندر سری نگر میں کس مقام پر واقعہ تھا۔ اس کے متعلق سٹین صاحب جو سنسکرت راج ترنگنی مصنفہ کلہن انگریزی کے مترجم ہیں لکھتے ہیں۔ کہ لچھی کول وہی نہر ہے جو دریائے سندھ (علاقہ لار) سے نوشہرہ اور سنگین دروازہ تک آتی ہے اور جامع مسجد کے پاس سے گزر کر نامی کول نامی پل کے قریب نالہ مار میں جا ملتی ہے۔ اگر یہ بات ثابت ہو سکے کہ لچھمہ کول کا موجودہ انتہائی مقام آج بھی وہی ہے جو بقول جوناراج زین العابدین کے زمانہ میں تھا تو میں اس قدیم شکستہ مندر "رن سوامن" کے کھنڈرات کو جو نالہ مار اور لچھمہ کول کے مقام انصال پر ایک کونہ میں موجود ہیں۔ رن سوامن کا مندر سمجھنے کے لیے تیار ہوں۔

بڈشاہی سڑکیں

جس بادشاہ کو ملک کی آبادی اور فارغ البالی کے لیے ہر وقت کوئی نہ کوئی مفید تجویز سوچنے سے سروکار رہتا ہو جس نے تپتے ہوئے میدانوں اور خشک قطعات زمین پر پانی کے دریا بہا دیے ہوں جس نے ویران اور اجاڑ اور خاموش اور سنسان مقامات کو جہاں ہر وقت سناٹا چھایا رہتا تھا۔ بارونق قصبے اور شہر بنا دیا ہو۔ جس نے ایسی زمینوں کو جہاں ایک دانہ پیدا نہ ہوتا تھا ہزار ہا خروار اناج پیدا کر دینے کے قابل بنا دیا ہو۔ اس بادشاہ نے لوگوں کی آمد و رفت اور تجارتی فوائد کے لیے کیا ملک کی سڑکوں کا انتظام نہ کیا ہوگا؟ قیاس کہتا ہے کہ ضرور کیا ہوگا لیکن جب اس زمانہ کی راج ترنگنیوں اور مابعد کی تاریخوں سے کوئی شہادت طلب کی جاتی ہے تو کوئی شافی جواب نہیں ملتا۔

Marfat.com

غالباً اس کی ایک وجہ بھی تھی۔ اُس زمانہ میں نہ بگیاں اور موٹریں تھیں نہ ٹانگے اور لاریاں۔ صرف گھوڑے کی سواری ہوتی تھی اور یہی جانور باربرداری کے کام آتا تھا اور گو ہمیں تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ پرانے کشمیر میں موجودہ زمانہ کی طرح فراخ اور چوڑی سڑکیں نہ تھیں اور نہ ان پر ایسے عظیم الشان پل تھے جیسے آج نظر آرہے ہیں۔ لیکن اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ایسے "وقف عام" بادشاہ نے باربرداری کے لیے ضرور ایسے رستے بنا رکھے تھے جن پر سے بیل۔ خچریں اور گھوڑے لدے ہوئے اسباب کے ساتھ بہ آسانی گزر سکتے تھے۔ ایک دیہات دوسرے دیہات اور ایک قصبہ دوسرے قصبہ کے ساتھ انھی رستوں یا پگ ڈنڈیوں کے ذریعہ ملتا تھا۔

ان پگ ڈنڈیوں کے دو رویہ خوب گھنے سایہ دار اور ثمر دار درخت نصب کیے گئے تھے۔ جن میں کہیں کہیں چنار بھی ہوتے تھے۔ شہتوت، زردآلو سیب، ناشپاتی اور اخروٹ کے درخت سایہ کا کام بھی دیتے تھے اور اپنے موسم پر مسافروں کو پھل بھی پیش کرتے تھے۔ راہ نوردوں کے لیے کسی قسم کی کوئی ممانعت نہ تھی۔ پانی پینے کو بے شمار چشمے تھے جن کا میٹھا اور شیریں اور سرد پانی "شکر نعمت ہائے او چنداں کہ نعمت ہائے تو" کے مصداق تھا۔

ابھی زیادہ عرصہ نہیں گزرا کہ سرینگر کے صفاکدل سے ایک کشتی مسافروں کی بھری ہوئی سوپور جانے کے لیے شام کے وقت روانہ ہوا کرتی تھی اور عام طور پر کشتی کے اندر اس قدر مخلوق ہوتی تھی کہ دم گھٹ جاتا تھا۔ پھر سونے بلکہ بہ آرام بیٹھنے تک کو جگہ نہ ملتی تھی۔ یہ کشتی ساری رات چل کر صبح کے وقت سنبل کے کنارے پہنچتی تھی اور دس گیارہ بجے دن قریب سوپور میں لنگر انداز ہوتی تھی۔

Marfat.com

لیکن آج یہ حالت ہے کہ موٹر لاری بارہ چودہ آنے فی مسافر کرایہ لے کر دو گھنٹہ میں سری نگر سے سوپور پہنچا دیتی ہے۔

بڈشاہ کے زمانہ میں کشتیوں کے ذریعہ بھی بہت آمدورفت ہوتی تھی اور شاید فراخ اور پختہ سڑکوں کی عدم موجودگی کی ایک وجہ یہ بھی ہو۔

Marfat.com

نواں باب

انتظام مالیہ وارزانئے اجناس وغیرہ

عہد قدیم کا طریق مالیہ راجگان ہنود کے عہد میں مالیہ کشمیر کس شکل میں وصول کیا جاتا تھا۔ تاریخوں سے اس کا کچھ پتہ نہیں ملتا لیکن اس خیال سے کہ سکّہ کا رواج کم تھا۔ مالیہ جنس ہی کی صورت میں وصول ہوتا ہوگا۔[1]

جب مسلمانوں کا زمانہ آیا تو بقول فرشتہ سلطان شمس الدین نے ۱۳۴۱ء میں پیداوار کا چھٹا حصّہ سرکاری مالیہ مقرر کیا۔ اسی بادشاہ کے عہد میں بقول ابوالفضل مال درآمد پہ چھٹا حصّہ محصول مقرر ہوا۔ البتہ سلطان سکندر کے زمانہ میں اس

---

[1] جنسی مالیہ مسلمانوں اور سکھوں کے عہد تک بھی کشمیر میں جاری رہا۔ البتہ ڈوگرہ حکومت کے زمانہ میں بہ عہد مہاراجہ پرتاب سنگھ و بعہد بندوبست لارنس صاحب جنسی مالیہ کی جگہ نقدی مالیہ مقرر ہوا جو اب تک جاری ہے۔

Marfat.com

کے وزیر سیہ بٹ نے مالیہ اور دیگر محصولات میں بہت کچھ اضافہ کر دیا۔

عہد بڈشاہی میں مالیہ کا طریق سلطان شمس الدین سے لے کر زین العابدین بڈشاہ کے باپ سلطان سکندر بت شکن کے زمانہ تک کچھ نہ کچھ اضافہ ہی ہوتا رہتا تھا۔ بڈشاہ کے بھائی علیشاہ کے زمانہ میں بھی یہی کیفیت تھی لیکن جب بڈشاہ کے ہاتھوں میں عنان حکومت آئی تو اس نے جہاں پیمانہ اور اوزان رعایا کے مفید مطلب ایجاد کیے۔ افسروں کو زمینداروں سے رشوت لینے اور ان کو تنگ کرنے کی مخالفت کے احکام جاری کیے۔ وہاں اُس نے مالیہ اور دیگر محصولات میں بھی نمایاں کمی کی۔ تاریخوں میں لکھا ہے کہ اس نے مالیہ جو بالعموم جنس ہی کی صورت میں ہوتا تھا پیدا کا ۱/۷ کر دیا جو اس کے جدامجد سلطان شمس الدین کے زمانہ میں تھا۔

بڈشاہ کے عہد میں چونکہ نہروں کی کثرت تھی اور رعایا امن و مسرت کے ساتھ رہتی تھی۔ اس لیے زمیندار اطمینان کے ساتھ کاشت کا کام کرتے تھے۔ مصنف "تاریخ حسن صفحہ ۱۳۳ پر لکھتے ہیں"۔ درعہد سلطان زین العابدین یک کرور سیزدہ لک سترہ لاکھ خروار داخل خزینہ مے شود"۔ غور کرو جب مالیہ ہی میں ایک کروڑ سترہ لاکھ خروار مختلف اجناس آتی تھیں۔ تو ملک کی پیداوار کس افراط سے ہوتی ہوگی۔ یہ بھی ایک تاریخ میں نظر سے گزرا ہے کہ زمانہ بڈشاہ میں صرف شالی کی پیداوار ستر لاکھ تھی [1]

---

[1] سمورکرافٹ کے زمانہ حیات (۱۸۲۵ئہ) جب کہ کشمیر میں سکھوں کی حکومت تھی۔ شالی کی پیداوار ۲۰ لاکھ خروار رہ گئی تھی۔

Marfat.com

شالی کا نرخ قدیم

شالی اس ملک کی خاص پیداوار ہے بلکہ چاول (شالی) کو اگر اہلِ کشمیر کی قومی خوراک کہا جائے تو بالکل مناسب ہے۔ شالی کی گرانی اور ارزانی ہی باشندگانِ کشمیر کو فارغ البال اور تنگدست بنا سکتی ہے۔ کشمیر کی تاریخوں میں سب سے پہلے شالی کی قیمتوں کا ذکر راجہ اونتی ورمن کے عہد میں آیا ہے جس نے آبپاشی کے طریقوں میں وسیع اصلاح کی تھی اور ملک کی زراعتی ترقی کی وجہ سے شالی کا نرخ ارزاں ہو گیا تھا۔

سوا تین پیسہ کی خروار شالی

اس زمانہ میں ایک خروار شالی کی قیمت بالاوسط دو سو دینار یا سوا تین پیسہ تھی جو قحط کے دنوں میں زیادہ سے زیادہ ۱۰۵۰ دینار یا سوا آٹھ تنک ہو جاتی تھی۔ جب سوپور کے بانی سویہ نے اراضی کی کاشت کو اور وسعت دی تو نرخ ۳۶ دینار تک کم ہو گیا یعنی خروار شالی کی قیمت ۱۶۴ دینار ہو گئی۔

قحط میں شالی کا نرخ ۲ر خروار

راجہ ہرش کے زمانہ میں شالی بہت سستی تھی بلکہ یہ کہنا چاہیے کہ اس کی کچھ قیمت ہی نہ تھی لیکن جب اس کے آخری عہد حکومت میں ایک دفعہ شدت کا قحط پڑا تو ایک خروار شالی کی قیمت پانچ سو دینار یا ۲ر ہو گئی۔

بڈشاہی زمانہ کا نرخ

شری ورا اپنی راج ترنگنی کے ترنگ ۱ شلوک ۲۰۲ میں لکھتا ہے۔ سلطان زین العابدین کے زمانہ میں شالی کی قیمت فی خروار تین سو دینار یا ساڑھے چار پیسہ تھی[۱] چونکہ کشمیر میں مالیہ جنس ہی کی صورت میں ادا ہوتا تھا اس لیے شاہی

---

[۱] مہاراجہ گلاب سنگھ کے آخری ایام میں سرکاری غلہ ۱ر فی خروار کو بکتا تھا۔ ۱۸۹۸ء میں یعنی ۵۲ سال کے بعد بعہد مہاراجہ پرتاب سنگھ یہ نرخ ۱۲؍ فی خروار ہو گیا۔ ۱۹۰۰ء میں ۱۸ فی خروار ۱۹۲۲ء میں سات روپیہ فی خروار اور سالہا سے مجوزہ یعنی ۱۹۲۱ء و ۱۹۲۲ء کے پرشور زمانہ میں اسکا نرخ عہ روپیہ فی خروار بھی رہا۔ اب مہاراجہ ہری سنگھ کے زمانہ میں نرخ شالی فی خروار فصل پر چار روپے کے قریب ہے۔

Marfat.com

ذخیرہ میں کافی جنس رہا کرتی تھی اور سرکاری قیمت پر فروخت ہوا کرتی تھی۔ چونکہ یہ قیمت عام مقررہ نرخ سے زیادہ ہوتی تھی اس لیے لوگ سرکاری ذخیرہ سے بہ امر مجبوری غلہ خریدا کرتے تھے۔

انگور ½۱ پیسہ کا پانچ سیر

راجہ ہرش کے زمانہ قحط میں پشم (اون) کی قیمت فی خروار گیارہ ہزار دینار یا دو روپے بارہ آنہ تھی۔ انگور ایک دینار کا چار تولہ آتا تھا یا بیس دینار کا ایک سیر۔ بیس دینار کا کوئی سکہ نہیں تھا بلکہ اس کی کوڑیاں گنی جاتی تھیں۔ زین العابدین کے زمانہ بھی قریباً یہی نرخ تھا۔ ابوالفضل کی تاریخ کے مطابق ایک سو دینار کا ایک دام ہوتا تھا اور دام کی قیمت ½۱ پیسہ تھی۔ اس سے یہ سمجھنا چاہیے کہ ½۱ پیسہ کا انگور بڈشاہ کے زمانہ میں پانچ سیر آتا تھا۔

نمک کا بڈشاہی نرخ

نمک کی قیمت کشمیر میں دیگر ممالک کی نسبت زیادہ رہی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ کشمیر میں ہوتا ہی نہیں۔ اس کی درآمد پنجاب اور لداخ سے کشمیر میں ہوتی ہے۔ شریورا اپنی راج ترنگنی کے ترنگ ۳ شلوک ۵۸۴ میں سیاسی فسادات کے زمانہ کا ذکر کرتا ہوا لکھتا ہے "جنوبی رستے بند تھے اور دارالخلافہ (سری نگر) میں ½۱ پل یا ۲ تولہ نمک کی قیمت ۲۵ دینار یا ایک پونتشو ایک دام کا چوتھا حصہ تھی۔ اس حساب سے ایک سیر کی قیمت اس زمانہ میں پانچ پیسہ تھی باقی [illegible] ہے۔ اکبر کے زمانہ میں بھی جو بڈشاہ کے ایک سو سال کے بعد گزرا ہے قریباً یہی قیمت تھی۔[۲]

نرخ نویسی کی ابتدا

نرخ نویسی کا رواج بھی بڈشاہ ہی کے زمانہ سے ہوا۔ اس زمانہ میں چھاپہ کا رواج نہ تھا۔ اس نے ورق ہائے مس پر تمام اجناس کے نرخ کندہ کرائے اور دارالخلافہ کے علاوہ پرگنوں اور قصبوں میں یہ ورق اطلاع عام کے لیے بھجوائے۔ ان اوراق کے آخیر میں یہ الفاظ بھی درج تھے "دہر کہ بعد از ما شد دربہ این دستور العمل عامل نہ باشد۔ او وا ند وندا"[۹]۔ لیکن زمانہ ہر کہ آمد عمارت نو ساخت کا مصداق

۱؎ طبقات اکبری مصنفہ محمد نظام الدین احمد بن محمد مقیم الہروی مدفن لاہور حاشیہ صفحہ [illegible]

ہے۔ بڈشاہ کی باتیں بڈشاہ کے ساتھ ہی چلی گئیں۔ ؎

گئیں وہ رونقیں سب داغ کے ساتھ
وُہی دم تھا غنیمت وہ نہیں ہے

قحط اور اس کا انسداد

لارنس[1] صاحب اپنی کتاب ویلی آف کشمیر VALLEY OF KASHMIR میں لکھتے ہیں۔ کشمیر کے مؤرخوں نے اپنے ملک کے ۱۹ بڑے بڑے قحطوں کا ذکر کیا ہے جن کی وجوہات کے متعلق ان کے مختلف بیانات ہیں لیکن سب سے اہم امر جس پر سب مؤرخین نے اتفاق رائے کیا ہے۔ یہ ہے کہ عموماً بے وقت برف باری اور کثرت آب اور اس کے بعد آتش زدگی کے واقعات سے ہمیشہ یہ ملک تباہ ہوا ہے۔ چنانچہ ایک کشمیری شاعر کا ایک شعر بھی اس کی تائید و تصدیق کرتا ہے وہ کہتا ہے۔ ؎

نہ آب و آتش است آباد کشمیر
ازیں ہر دو شود برباد کشمیر

جب کبھی اس قسم کے افسوسناک واقعات پیش آتے تھے حکومت کی طرف سے اس کا کچھ نہ کچھ ضرور انسداد و انتظام ہوتا تھا۔ اسی طرح جب بڈشاہ کے عہد حکومت کے آخری ایام میں اس کے بیٹوں نے باہم خانہ جنگی شروع کر دی تو کشمیر کو اس

(حاشیہ صفحہ سابقہ) سنہ تصنیف ۱۰۰۱ھ بعہد اکبر۔ [1] لارنس صاحب کشمیر کے کمشنر بند و بست تھے۔ سب سے پہلے آپ ہی نے جنسی مالیہ کو نقدی میں تبدیل کیا۔ کشمیر کے لوگ آج تک ان دعائیہ گیت گاتے اور ان کی تعریف کرتے سنے گئے ہیں۔ لندن جا کر کشمیر پر ویلی آف کشمیر کے نام سے ایک کتاب لکھی جو چھپ چکی ہے۔ پہلے مسٹر لارنس تھے اب سر والٹر لارنس ہیں۔

Marfat.com

مصیبت کے علاوہ کثرت باراں اور قحط عظیم کے واقعہ سے بھی دوچار ہونا پڑا۔ بے شمار لوگ نان شبینہ سے محتاج ہو کر دست اجل کا شکار ہو گئے۔ سلطان کو بڑی تشویش ہوئی غلہ اور خزانہ دونوں کے منہ رعایا کے لیے کھول دیے۔ بقول مصنف تاریخ حسن[۱] "سلطان خزائن ودفائن فراواں وقف محتاجاں کردہ جاں بخشی قحط زدگاں فرمود"۔ بلکہ طبقات اکبری میں لکھا ہے کہ علاوہ زر بخشی کے سلطان نے کئی مقامات پر ان کی پیداوار کے لحاظ سے مالیہ کم کر دیا اور کئی دیہات اور پرگنے مالیہ کی ادائیگی سے آزاد کر دیے۔

ایک انگریز مصنف راجرس کے حوالہ سے "اسلامک کلچر ان کشمیر" کے مصنف لکھتے ہیں۔ اگرچہ قحط کچھ کم نہ تھا لیکن زین العابدین نے پوری کامیابی کے ساتھ اس کا مقابلہ کیا اور کئی مقامات پر محصول (مراد لگان سے ہے) کم کر دیے۔

جونراج اپنی راج ترنگنی میں لکھتا ہے۔ سلطان نے صرف ایک روز کے اندر دس کروڑ دینار غریب اور محتاج لوگوں میں تقسیم کر دیے تھے۔ اس زمانہ میں ابوالفضل کی تحریر کے مطابق دس کروڑ دینار کی قیمت پچیس ہزار روپے تھی اور باوجود اس شدید قحط کے بھی ایک طرف تو سارے ملک میں خانہ جنگی اور فتنہ و فساد کی آگ لگی ہوئی تھی اور دوسری طرف شدت بارش نے ملک کو تباہ کر رکھا تھا خروار شالی کی قیمت ۲ روپے سے کبھی زیادہ نہ ہوئی۔[۲]

---

[۱] غور کرو اس زمانہ کے قحط پر اور آج کے معمولی خوش خریدوں پر۔ راقم الحروف سب سے پہلی مرتبہ کشمیر میں ۱۹۰۷ء میں گیا۔ اس زمانہ میں ساہوکار اور بیوپاری زمینداروں کو پیشگی روپیہ دے کر فصل پختہ ہونے پر ایک خروار شالی ۲ کے حساب سے لیا کرتے تھے (حاشیہ صفحہ ہذا بر صفحہ آئندہ)

"تاریخ فرشتہ" میں بھی بڈشاہی عہد کے اس قحط و انسداد قحط کا ذکر ہے۔ لکھا ہے "کشمیر میں ایسا قحط پڑا کہ "نان کے عوض جان" ایک معمولی بات سمجھی جاتی تھی۔ سونے اور چاندی کو چھوڑ کر لوگ غلّہ و آذوقہ کی چوری کو غنیمت جانتے تھے۔ میوہ ابھی خام ہی ہوتا تھا کہ لوگ اس کو کھا جاتے اور بیماریوں میں مبتلا ہو جاتے تھے۔ درختوں کے پتے اور کچی سبزیاں تک لوگ کھا گئے۔ سلطان اس واقعہ سے ہر لحظہ محزون و غمگین رہتا تھا اور اِدھر اُدھر سے غلّہ فراہم کر کے رعایا کو تقسیم کرتا تھا۔ جب قحط سے کسی قدر نجات ہوئی تو سلطان نے بعض محالات میں ¼ اور بعض میں ½ حصہ مالیہ مقرر کر دیا۔

(حاشیہ صفحہ سابقہ) تھے اور بازاری خوش خرید نرخ ۱/۲ اور زیادہ سے زیادہ تین روپے۔ لیکن آج ۱۹۲۸ء میں باہر دیہات میں خوش خرید نرخ چار پانچ روپے فی خروار ہے اور کسی کو محسوس بھی نہیں ہوتا۔ وڈدار زمینداروں کو پیشگی روپے دیکر دو روپیہ سے تین روپے کے درمیان شالی لے رہے ہیں۔

Marfat.com

دسواں باب

بدھ شاہ اور ہندو

کشمیر کے قدیم مذاہب کشمیر میں ہندوستان کی طرح زمانہ قدیم میں ہندو مذہب ہی تھا اور اس کے چار فرقے تھے۔ برہمن۔ کھتری۔ ویش۔ شودر۔ لیکن مذہباً ان کے عقائد میں بہت اختلافات تھے۔ کوئی ناگ پرست تھا۔ کوئی آفتاب پرست۔ کوئی آتش پرست۔ کوئی دیوتا پرست۔ بہت تھوڑے لوگ تھے جو خداشناس اور خدا پرست تھے۔ جب کشمیر کے راجا اشوک نے ۲۰۸ سن بکرمی یا کم و بیش میں بدھ مذہب اختیار کر لیا تو قدیم مذہب والوں نے اس کی بہت مخالفت کی۔ مگر راجہ کے مقابلہ میں کسی کی کوئی پیش نہ چلی۔ یہاں تک کہ اشوک کے بعد کئی راجے اسی مذہب کے پابند رہے اور انھوں نے بہ جبر و اکراہ یا بہ صلح و صفائی بدھ مذہب کو تمام کشمیر میں رائج کر دیا۔

آخر ایک وقت آیا کہ ہندوستان کی طرح کشمیر میں بھی بدھ مذہب

Marfat.com

کو زوال شروع ہوا۔ راجہ چندر راجو مذہب شیو کا پیرو تھا۔ بدھ مذہب کا سب سے بڑا مخالف تھا۔ اس بدھ مذہب کا استیصال کر کے اپنے مذہب کو بڑا فروغ دیا۔ جب شنکر اچارج کشمیر میں آیا تو اُس نے شیو مذہب کو اور بھی زیادہ ترقی دی۔

زوالچو کا واقعۂ المناک کشمیر مذہبی اختلافات بلکہ فسادات اور ملک کے اندرونی فتنوں میں مصروف تھا کہ ۷۲۴ھ میں دفعتاً ایک وبائے عظیم نے اس میں انقلاب پیدا کر دیا۔ یعنی ذوالقدر خاں ترک جو چنگیز خاں کی اولاد سے تھا بہتر ہزار سوار جرار لے کر بے خبر کشمیریوں پر جو خانہ جنگیوں کے انجام سے غافل ہو کر کشت و خون میں مصروف تھے، حملہ آور ہو گیا۔ جو ملک اور جو قوم نفاق و فساد کا شکار ہو رہی ہو۔ باوجود کثرت جمعیت کے اس کی کیا طاقت ہے کہ کسی بیرونی دشمن کا خواہ وہ قلیل سے قلیل سے فوج بھی کیوں نہ رکھتا ہو مقابلہ کر سکے۔

اس موقع پر ابراہیم لودھی اور بابر بادشاہ کی لڑائی پر غور کرو۔
ابراہیم کے پاس کئی سو مست اور جنگی ہاتھیوں کے علاوہ ایک لاکھ فوج تھی لیکن امرا چونکہ آپس میں پھٹے ہوئے تھے اور بادشاہ کے اقربا اور خویش اس سے ناراض تھے اس لیے بابر نے صدہا میل دور ایک غیر ملک سے آ کر بارہ ہزار فوج کے ساتھ سارے ہندوستان پر قبضہ کر لیا۔

غرض ذوالقدر خاں نے جس کو کشمیری ذوالچو کہتے ہیں ملک میں قتل عام مچا دیا۔ انسان کیا بلکہ مال مویشی ناپید ہو گئے ملک جو جنت نظیر کہلاتا تھا، دوزخ سے بدتر ہو گیا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ شہر میں صرف گیارہ آدمی زندہ رہ گئے تھے۔ ذوالچو چھ ماہ تک کشمیر میں رہا اور اُس وقت کشمیر سے باہر نکلا جب سارے ملک کو بے چراغ

Marfat.com

کر گیا۔ کہتے ہیں کہ وہ گھوڑی (مظفر آباد) کے رستے واپس آگیا اور مضافات و نواحات سے پچاس ہزار کشمیری قید کر کے ہمراہ لے گیا۔ مگھر اور پوہ کا مہینہ تھا۔ جب بالائے کوہ پہنچا تو اس قدر برف پڑی کہ ان بدنصیب قیدیوں میں سے ایک متنفس بھی نہ بچ سکا۔

حملہ ذوالچو کے نتائج

ذوالچو کے بعد کشمیر میں دیر تک بے اطمینانی کی حالت رہی۔ لوگ ذوالچو کو خواب میں دیکھتے تھے اور چونک اٹھتے تھے۔ جس طرح ہلاکو خان نے بغداد کو تباہ کیا تھا اور شیخ سعدی نے زوال خلافت و بغداد پر ایک دردناک اور خون رُلا دینے والا مرثیہ لکھا تھا جس کا ایک شعر یہ ہے۔ ؎

آسماں را حق بود گر خوں بہ بارد بر زمین
بر زوال ملک مستعصم امیر المؤمنین

یہی حال ذوالچو نے کشمیر کا کیا۔ لیکن افسوس اس بدنصیب ملک کی اس ذلت و خستہ حالی پر کسی نے خون کے آنسو تو کیا حسرت و افسوس کے دو قطرات اشک بھی نہ بہائے۔

کثرت حوادث اور انتظام حکومت کی خرابیوں اور انقلاب عظیمہ کی وجہ سے کشمیر کا اب کوئی خاص مذہب نہ تھا تا آنکہ رینچن شاہ نے کشمیر کے تخت و تاج پر قابض ہو کر ۱۳۲۵ء میں مذہب اسلام قبول کر لیا۔

بہت سے ہندو مشائخ کبار کے حسن و خلق اور تعلیم اسلام کے تاثرات سے مسلمان ہو گئے۔ کئی ایسے تھے جن کو مصالح ملکی نے تبدیلیٔ مذہب پر مجبور کیا۔ ایک کافی تعداد ایسی بھی تھی جو سلطان بت شکن اور اس کے وزیر ملک سیف الدین

Marfat.com

کے جوش مذہبی کی بدولت دائرہ اسلام میں داخل ہو گئی۔ بہت سے ایسے بھی تھے جو تشدد سکندری کی تاب نہ لا سکے اور ہجرت و ترکِ وطن پر مجبور ہو کر کشمیر سے باہر چلے گئے۔

سلطان بت شکن کے بعد علیشاہ اس کا بڑا بیٹا تخت پر بیٹھا اور چونکہ اس زمانہ میں بھی ملک سیف الدین مدار المہام کل تھا اس لیے ہندوؤں کی بے اطمینانی و بے قراری کی جو صورت سلطان بت شکن کے زمانہ میں تھی اُس میں اس کے بعد بھی کوئی تبدیلی نہ ہو سکی۔

بڈشاہ کا سلوک ہندوؤں کے ساتھ

جب تخت کشمیر نے زین العابدین کے قدم چومے اور تاج شاہی نے اس کے سر پر آ فخر محسوس کیا تو کشمیر کے ہندوؤں کی بے اطمینانی مضطرب الحالی اور شکستہ دلی کے احساس کے باوجود بادشاہ کچھ عرصہ تک سرکشوں اور سلطنت کے مخالفوں کے استیصال میں مصروف رہا۔ اس کے بعد جب اُسے ذرا اطمینان حاصل ہوا تو اس نے صحیح تعلیم اسلام پر کاربند ہو کر ملک کے غیر مسلم گروہ کی جس کی تعداد سارے کشمیر میں غالباً چند ہزار سے زیادہ نہ تھی تالیف قلوب کرنا اپنی زندگی کا خاص مقصد قرار دیا۔

جسم پر حکومت کرنے کی بجائے وہ دلوں پر حکومت کرنے کو ترجیح دیتا تھا اور اس کے طرزِ عمل نے ثابت کر دیا کہ وہ اپنے قول و عہد اور اپنی زبان پر سختی سے کاربند رہتا تھا۔ ہندوؤں کے ساتھ جو سلوک بڈشاہ نے کیا حقیقت یہ ہے کہ کوئی ہندو راجہ کسی ہندو کے ساتھ نہیں کر سکا۔ اپنی مراعات کی وجہ سے بڈشاہ بٹ شاہ[1]

---

[1] تاریخ گلدستہ کشمیر مصنفہ پنڈت ہرگوپال کول صفحہ ۱۱۶۔ [2] بٹ کشمیر میں پنڈت کو کہتے ہیں۔

Marfat.com

کے نام سے بھی مشہور ہو گیا ؎

بڑھ کے ہوگا اس سے کیا ہر والعزیزی کا ثبوت
بن گیا بڈشاہ سے بٹ شاہ زین العابدین

بڈشاہ نے اپنے طویل عہد حکومت میں ہندوؤں کو جس طرح نوازا ہے اور مسلمانوں کی طرح ہندوؤں کی جو حوصلہ افزائی کی ہے اور ان کے مقدس مقامات اور ان کی قدیم عمارات کے ساتھ جس انصاف و مساوات کا سلوک کیا ہے اور قابل ہندو علماء و ادبا کی جو سرپرستی کی ہے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے یہ بادشاہ اپنے باپ اور بھائی کے خلاف حکمت و تدبر سے بھرا ہوا ایک عجیب دل و دماغ لے کے آیا تھا۔ اس کی نظر میں مسلمان اس لیے قابل و نفعت نہ تھا کہ وہ مسلمان ہے اور ہندو اس لیے قابل نفرت نہ تھا کہ وہ ہندو ہے بلکہ وہ ہر شخص میں کسی نہ کسی کمال کا متلاشی رہتا تھا۔

چنانچہ مسلمان مشائخ کی طرح اُسے ہندو جوگیوں سے بھی جن کے پہلو میں حقائق و معارف سے لبریز دل ہوتا تھا۔ برابر عقیدت و ارادت تھی۔

جب ہم دربار بڈشاہی کے ارکان و شعراء پر نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں ہندوؤں کی ایک کافی تعداد نظر آتی ہے[1]۔

مختلف تاریخوں[2] کے مطالعہ سے بڈشاہ کی ہندو نوازیوں کی

---

[1] ان کی مفصل کیفیت دربار بڈشاہی کے ملکی و مالی اور ادبی مصاحبوں کی فہرست میں دیکھیے۔
[2] اس مضمون کی تحریر کے دوران میں مندرجہ ذیل کتابیں پیش نظر (حاشیہ صفحہ ہذا بر صفحہ آئندہ)

Marfat.com

کی جو کیفیت معلوم ہو سکی ہے اس کو بیسویں صدی کے اس نفاق پرور و اتحاد شکن دور میں ذرا وضاحت سے قلمبند کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

مہاجر کشمیری پنڈتوں کی واپسی

جیسا کہ ذکر کیا جا چکا ہے سلطان سکندر بت شکن کے نومسلم وزیر ملک سیف الدین بٹ کے تعصب مذہبی کی وجہ سے ہندوؤں کی ایک کثیر تعداد کشمیر سے باہر چلی گئی تھی۔ یہ لوگ پنجاب دہلی، لکھنؤ، بنارس، الہ آباد اور ہندوستان کے دیگر مقامات میں جا کر آباد ہو گئے۔ جب بڈشاہ کا زمانہ آیا اور اس نے سلطنت کے فوجی انتظامات اور دشمنانِ سلطنت کو محکوم و مغلوب کرنے کے بعد جب ملک کی آبادی طرف توجہ کی تو اس نے مہاجر لوگوں کو واپس بلوانے کے لیے ایک اشتہار عام جاری کیا۔ ان کو بہت سی مراعات کی توقع دلائی۔ ان سے انصاف و عدل کا وعدہ کیا ان کی زمینیں اور جائیدادیں بعد ثبوت کامل ان کو واپس دلانے کی خوشخبری سنائی۔

چنانچہ کئی ہزار کشمیری ہندو جنھوں نے کئی سال سے پنجاب و ہند کو اپنا وطن بنا رکھا تھا۔ حب وطن اور جدید بادشاہ کے اعلان مراعات کی وجہ سے پھر کشمیر چلے آئے۔ بادشاہ نے بھی ان کے ساتھ مراحمت خسروانہ سے کام لیا۔ جو جاگیردار تھے اُن کی جاگیریں واپس کیں اور جو اپنی جائیدادوں کا ثبوت دے سکے۔ ان کی جائیدادیں

(حاشیہ صفحہ سابقہ) ہیں۔ (۱) طبقات اکبری فارسی۔ (۲) اسلامک کلچر ان کشمیر انگریزی۔ (۳) تاریخ ملا بہاؤالدین فارسی (۴) تاریخ گلشن کشمیر مولفہ مولوی محمد سعادت قلمی۔ (۵) تاریخ حسن کشمیر فارسی قلمی (۶) وجیز التواریخ قلمی۔ (۷) راج ترنگنی مترجمہ سٹین صاحب کا اردو ترجمہ۔ (۸) گلدستہ کشمیر مصنفہ پنڈت ہرگوپال (۹)۔ منتخبات کبروبہ قلمی فارسی (۱۰) تاریخ خواجہ اعظمی فارسی (۱۱) مختصر التواریخ کشمیر پنڈت بیر برکاچرو فارسی قلمی۔ (۱۲) تاریخ کشمیر اردو قلمی مصنفہ خواجہ حسن ملک (۱۳) تاریخ فرشتہ۔

Marfat.com

ان کو واپس دلائیں جن کا ثبوت نہ مل سکا۔ ان کو مکانات وغیرہ کے لیے زمینیں عطا کیں۔

پنڈتوں کی واپسی کے متعلق ایک ہندو مورخ لکھتا ہے "سرما[1]

ظلم از ولایت کشمیر برانداختہ وطبقہ برہمناں راکہ بہ سعایت سیہ بٹ نامی کہ در عہد سلطان سکندر جلا وطنی اختیار کردہ بودند۔ باز آوردہ درمعابد ومقامات خود را اقرار گرفتہ وظائف مستمر آں مقرر گذاشت"

نو مسلم کشمیری پنڈتوں کی شدھی سلطان بت شکن کے عہد میں ایک جماعت ایسی بھی تھی جس نے خوف یا طمع کی وجہ سے مذہب اسلام قبول کر لیا تھا۔ بڈشاہ نے جب مذہبی آزادی کا اعلان کیا اور یہ مشتہر کیا کہ اسلام "لا اکراہ فی الدین" کی تعلیم دیتا اور مذہب کے معاملہ میں ملک سیف الدین کے جبر سے بہ اکراہ مسلمان ہو گئے تھے پھر اپنے سابقہ مذہب میں آ گئے۔ ان کی برادری نے بھی ان کو قبول کرنے سے انکار نہ کیا اور کسی قاضی اور مفتی کو بھی جرأت نہ ہو سکی کہ ان سے ارتداد کا مواخذہ کرتا[2]۔ ایک ہندو مورخ بھی لکھتا ہے "علما و فضلا را بجائے آں جمعیت برہمنانے کہ درحکمرانی سلطان سکندر از درجہ خود افتادہ بودند۔ زبان تعرض کشا بند۔"

جزیہ کی موقوفی جونراج اپنی راج ترنگنی میں اس جزیہ کا ذکر کرتا ہے۔ جو کشمیر کے مسلمان بادشاہ کشمیر کے ہندوؤں سے وصول کیا کرتے تھے۔ کشمیر کے ابتدائی مسلمان سلاطین کے زمانہ میں اس ٹیکس کی مقدار دو پل چاندی سالانہ تھی۔ سٹین صاحب

---

[1] پنڈت بیربر کاچرو مصنف مختصر التواریخ کشمیر غیر مطبوعہ۔

[2] مکمل تاریخ کشمیر حصہ دوم مصنفہ راقم الحروف۔

[3] پنڈت بیربر کاچرو۔

Marfat.com

لکھتے ہیں۔ چونکہ یہ وزن آٹھ تولہ کے برابر ہے اس لیے یہ امر تعجب خیز نہیں کہ اس زمانہ کے لوگ اس سختی کو بجا طور پر محسوس کرتے تھے۔ پل چار کرش کا ہوتا ہے اور ایک کرش ۱۲ ماشہ کا ہوتا ہے۔ اس طرح ایک پل چار تولک (تولہ) کے مساوی سمجھنا چاہیے۔ اب تک کشمیر میں سیر کے ۱/۴ حصہ کے لیے پل ہی کا لفظ بولا جاتا ہے۔ اس زندگی میں جونراج نے لکھا ہے کہ بڈشاہ نے گھٹا کر اسے ایک ماشہ سالانہ کر دیا تھا اور اس رعایت و نوازش کے لیے جونراج نے بادشاہ کی بہت تعریف کی ہے۔ بہرحال جزیہ کم تھا یا زیادہ۔ اور اسلامی نکتہ نگاہ سے جائز تھا یا ہندوؤں کے خیال میں ناجائز۔ اس کی سختی ہندو عام طور پر محسوس کرتے تھے۔ چنانچہ بادشاہ نے ہندوؤں کے خیالات اور ان کی عرضداشتوں سے متاثر ہو کر جزیہ اتنا کم کر دیا کہ وہ بہت تھوڑا بلکہ برائے نام رہ گیا[۱] اور تھوڑے سے ہی عرصہ کے بعد جو تھوڑا بہت بھی تھا وہ بھی موقوف کر دیا۔[۲]

ایک محب وطن کشمیری پنڈت

جزیہ کی موقوفی کے متعلق ذیل کا واقعہ دلچسپی سے مطالعہ کیا جائے گا۔ ایک مرتبہ سلطان کے ہاتھ پر ایک پھوڑا نکلا جس سے وہ سخت بیمار و لاچار ہو۔ آخر جب شاہی حکیم شری بٹ کے معالجہ سے بادشاہ کو صحت ہوئی تو اس نے حکیم موصوف کو انعام دینا چاہا لیکن شری بٹ نے کسی قسم نقد انعام لینے سے انکار کر دیا۔ بادشاہ نے سمجھا شاید جاگیر کا خواہشمند ہے۔ حکم دیا، شری بٹ کے نام عطائے جاگیر کا فرمان لکھا جائے لیکن شری بٹ نے بادشاہ کا شکریہ ادا کرتے ہوئے اس پر بھی رضامندی کا اظہار نہ کیا۔ آخر بادشاہ نے کہا کچھ تو کہو۔ شری بٹ نے عرض کیا میری ذات کے لیے خداوند نعمت کی شاہانہ توجہ سے بہت کچھ ہے۔ اگر سرکار مجھے عنایت خسروانہ سے ممنون ہی فرمانا چاہتے ہیں تو میری قوم کو زر جزیہ سے بالکل ہی معاف فرما دیا جائے تاکہ ایک شری بٹ کی جگہ اس کی ساری قوم حضور کے ازدیاد اقبال و دولت کی..

---

[۱] فتحیاب کبرویہ غیر مطبوعہ۔

دعا گو رہے۔

نثری بٹ کے یہ الفاظ ایثار و قربانی کی زندہ نظیر تھے۔ بادشاہ کے دل پر اثر کر گئے اور کیوں نہ کرتے؟ ؎

دل سے جو بات نکلتی ہے اثر رکھتی ہے
پر نہیں طاقت پرواز مگر رکھتی ہے

چنانچہ بادشاہ نے نثری بٹ کی یہ درخواست منظور کی اور کشمیر کے ہندو جزیہ کے ٹیکس سے نجات حاصل کر گئے۔ آج ہر کشمیری پنڈت نثری بٹ کی حب الوطنی اور اس کے جذبہ ایثار پر فخر کرتا ہے اور تاریخ اس کے نام کو سنہری حروف میں پیش کر رہی ہے۔

ہندو جوگیوں کے لیے جوگی لنگر

بادشاہ کی فیاضیوں اور اس کی ہندو نوازیوں کی داستانیں گو کشور ہندوستان کی فصیل یعنی ہمالیہ سے باہر سمندر پار نہ جا سکی ہوں تاہم اس میں کلام نہیں کہ کشمیری پنڈتوں کے علاوہ جو کشمیر سے ہجرت کر گئے تھے۔ اور بڈشاہ کے زمانہ میں جن کی کثیر تعداد واپس آ گئی تھی۔ اکثر دوسرے برہمن بھی بادشاہ کی شہرت سن کر کشمیر آ گئے۔ ان میں جگن ناتھ اور کرو کیشتر کے عالموں کے علم و فضل اور ان کی صحبتوں سے بادشاہ نے بہت استفادہ حاصل کیا اور ان کے معقول مشاہرے مقرر کر کے اپنی علم نوازی اور بے تعصبی کا ثبوت دیا بلکہ کہتے ہیں کہ ان لائق و فائق دیدانتوں اور عالم فاضل برہمنوں کی قدر مسلمان درباریوں سے بھی زیادہ کرتا تھا۔[۱]

---

[۱] تاریخ کشمیر اردو قلمی مصنفہ خواجہ حسن ملک۔ و مکمل تاریخ کشمیر حصہ دوم مصنفہ راقم الحروف۔

Marfat.com

لیکن ہندو جوگیوں کی جن میں کشمیری سادھو بھی تھے۔ ایک عظیم تعداد ایسی تھی جو نروکل کے غلط معنے سمجھ کر اور ہاتھ پاؤں توڑ کر ملک اور قوم کے لیے ناقابل برداشت بوجھ ثابت ہورہی تھی۔ بادشاہ نے ان کے لیے رینہ داری میں مطبخ عظیم مقرر کیا جہاں سے دو وقت کا کھانا ہر ایک جوگی کو سرکار کی طرف سے مُفت ملتا تھا اور ان کے روز بینے بیت المال سے مقرر کرا دیے[1] جس مقام پر یہ مطبخ یعنی لنگر خانہ تھا۔ اب وہ جگہ جوگی لنگر کے نام سے موسوم ہے۔

مندر شنکر اچارج کی مرمّت کمراز کے علاقہ میں راجہ پرتاب پیڈ کا مندر موضع تاپر میں نرندریشور کے نام سے تھا۔ راجہ جیا پیڈ کے تین مندر (۱) چترا نما کیشو۔ (۲) شیشتہ شاٹی کیشو اور (۳) امرتہ کیشو۔ اندرکوٹ میں تھے۔ یہ سب مندر اس تباہ حالت میں تھے کہ ازسرنو ان کا اصلی شان وشوکت میں آنا بہت محال تھا۔ اُس زمانہ میں محکمہ آثار قدیمہ قائم نہ تھا ورنہ یہ مندر جس حالت میں بھی تھے موجود رہتے مگر بادشاہ نے اس پر بھی ان مندروں کی بوسیدہ و کہنہ ہڈیوں یعنی ان کے پتھروں سے جو اِدھر اُدھر بیکار پڑے ہوئے تھے۔ ایک نہایت مفید کام لیا۔ ان سے کسی مسجد کی تعمیر نہیں کی۔ ان کو کسی محل میں استعمال نہیں کیا بلکہ ان پتھروں سے ایک سنخو (بند) تونابید کھائی سے سوپور تک بنوایا اور ایک صفاپور سے سوپور تک جو رفاہ عام کے لیے وقف تھے۔ تاریخوں میں لکھا ہے کہ اس نے بعض منادر جو منہدم ہو گئے تھے۔ ازسرنو تعمیر کرائے۔ ان میں مندر "زشتی شور" جو کوہ سلیمان یا شنکر اچارج پر واقع ہے۔ خاص طور پر مشہور ہے۔ یہ مندر راجہ سندیمان نے ۴۸۰ ب میں تعمیر کرایا تھا۔ راجہ گوپادت اور راجہ للتادیتہ نے اپنے زمانہ میں اس کی مرمت کرائی لیکن بعد کے راجاؤں نے

---

[1] منتخب التواریخ قلمی صفحہ ۳۲۲۔

Marfat.com

چنداں توجہ نہ کی۔ مندر کی حالت خراب سے خراب تر ہوتی گئی۔ یہاں تک کہ سلطان کے زمانہ میں زلزلہ کی ایک ہی ضرب نے اس کے چھت کے پتھروں کو شکستہ و منہدم کر دیا۔

بڈشاہ نے اپنی طویل عمر کے آخری ایام میں اس مندر کی طرف توجہ کی۔ اس کے انہدام کو پائیداری سے اور اس کی شکستگی کو مضبوطی سے تبدیل کیا اور چھت کو نئے سرے سے تعمیر کر کے اس کے نیچے چار سنگین ستون استوار کیے۔ چنانچہ اس کے ایک ستون پر مندرجہ ذیل دو سطریں منقوش ہیں[1] سطر اول این ستون برداشت خواجہ رکم بن مرجان و سال و پنجاہ و چہار[2] کشمیری۔ سطر دوم۔ معمار این ستون واجی بہشتی زرگر دو سال پنجاہ و چہار کشمیری نیز بر دیوار شمالی خرد بان سنگین آں منقوش بود۔

---

[1] تاریخ حسن حصہ اول۔

[2] پنجاہ و چہار (۵۴) سے مراد ۱۵۴ سال کشمیری ہے۔ یہ سال رینچن شاہ ملقب بہ ملک صدر الدین کی تخت نشینی (۷۲۵ھ) سے جو کشمیر کا سب سے پہلا مسلمان بادشاہ تھا، شروع ہوتا تھا۔ اس حساب سے مندر شنکر اچارج کی مرمت کا زمانہ ۸۷۹ھ سمجھنا چاہیے۔ جو زین العابدین کا سال وفات بھی ہے۔ یا بالفاظ دیگر اس نے موت سے چند دن یا چند ماہ پیشتر اس مندر کی نئے سرے سے تعمیر کرائی تھی۔ اگر بقول تاریخ حسن یہ صحیح ہے کہ ستون مندر پر پنجاہ و چہار سال کشمیری درج تھا تو تعجب ہے کہ اسی مصنف نے، ایک اور جگہ یہ کس طرح لکھ دیا کہ "سلطان زین العابدین در ۸۷۵ھ چہار ستون سنگین وقایہ سقف آں استوار نمود" اس حساب سے تو ۱۵۴ کی بجائے ۱۵۰ سال کشمیری ہونا چاہیے۔ ایک ہی مقام پر دو مختلف تحریریں۔؟

رینچن شاہ نے اسلام قبول کرنے کے بعد سنہ ہجری ملک میں جاری کیا لیکن وہ مقبول عام نہ ہو سکا کیونکہ اس وقت سوائے چند آدمیوں کے (حاشیہ صفحہ ہذا بر صفحہ آئندہ)

Marfat.com

اس سال کشمیری سال ۱۵۰ھ تھا مگر اہلِ کشمیر عموماً احاد لکھتے تھے اور مآت سافط کر دیتے تھے اور آج کل بھی نہ صرف کشمیر میں بلکہ ہر جگہ یہی رواج ہے۔ مثلاً آج ۱۹۲۸ء ہے لیکن تحریروں میں بالعموم ۲۸ء ہی لکھا جاتا ہے۔

مندروں کے ساتھ پاٹ شالائیں بادشاہ نے بُت خانوں اور مندروں کی مرمت و نگرانی کے علاوہ ان کے ساتھ پاٹ شالائیں بھی جاری کیے جہاں ہندو و دیارتھی۔ مذہبی علوم نہایت آزادی سے حاصل کیا کرتے تھے۔ ان کی مذہبی کتابیں جو ان کی مہاجرت کے ساتھ ہی کشمیر سے نابود ہو گئی تھیں۔ ہندوستان سے واپس منگوائیں بقول ملّا بہاؤ الدین "دفاتر کفر و شرک کہ

(حاشیہ صفحہ سابقہ) باقی تمام ملک ہندو مذہب کا پیرو تھا۔ آخر سلطان شمس الدین (۱۳۴۳ء تا ۱۳۴۷ء) نے اپنے عہد حکومت میں کشمیری سن ایجاد کیا اور بنا اس کی اس زمانہ سے رکھی جب رینچن شاہ عرف ملک صدر الدین (۱۳۲۵ء میں) تخت پر بیٹھا تھا۔ کشمیری مہینوں کے نام حسب ذیل تھے۔ وہک۔ جیت۔ ہار۔ بشر دان۔ بادرت۔ آشت کارتک۔ مونجہر۔ پوہ۔ ماگ۔ پھاگن۔ چیتر۔ . . شمس الدین کے حکم کے مطابق حساب کتاب۔ نوشت۔ خواند۔ سب کشمیری سنہ میں ہونے لگا۔ ماہ وہک میں نوروز کا دن مقرر ہوا۔ اعراس او لیا و عیدین وغیرہ سب اسی سنہ کے مطابق عمل میں آتے تھے۔ بڈشاہ کے زمانہ میں بھی سنہ کشمیری کا ہی رواج تھا۔ تاریخ حسن میں لکھا ہے "وقتیکہ زمام اختیار حکومت ایں دیار در دست شاہان چغتہ افتاد۔ آں ہا سنہ کشمیری فسخ کردہ۔ سنہ ہجری و سنہ جلوس خود مروّج کردند"۔ شاہان چغتہ میں اکبر نے سب سے پہلے کشمیر کو ۹۹۴ھ بمطابق ۱۵۵۶ء میں فتح کیا ہے۔ سمجھنا چاہیئے کہ اسی سال سے سنہ کشمیری کا رواج کشمیر سے اُڑا دیا گیا۔

Marfat.com

ازیں دیار بدر کشیدہ بودند باز طلبید[۱] ند۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ ہندو جو کچھ ان کی کتابوں میں درج ہے اس پر عمل کیا کریں۔ مندروں کی مرمت اور پاٹ شالوں کے اخراجات کے لیے بادشاہ نے جاگیریں عطا کیں۔ استاد تنخواہوں سے بے فکر تھے اور طالب علم فیسوں سے آزاد تھے افسوس یہ باتیں بادشاہ کے ساتھ ہی مٹ گئیں ؎

آہ اے سلطان زین العابدین بڈشاہ ماہ

نوحۂ کشمیر پڑھ بیٹھے تری میت کے ساتھ

سنسکرت اور فارسی کا میل جول

بادشاہ نے ہندوؤں کا مذہبی لٹریچر صرف پاٹ شالاؤں ہی میں تقسیم نہیں کیا۔ بلکہ دید وں شاستروں پرانوں اور ان کی کئی اور مذہبی کتابوں کا ترجمہ فارسی میں اور فارسی کتابوں کا سنسکرت زبان میں ترجمہ کر کے ہندوؤں کے مذہبی خیالات سے مسلمانوں کو اور مسلمانوں کی مذہبی تعلیم سے ہندوؤں کو آگاہ اور باخبر کیا۔

بادشاہ کی عقلمندی۔ بے تعصبی اور دور اندیشی کا ملک کی سیاسی حالت پر بہت اچھا اثر پڑا۔ چنانچہ جب مسلمانوں اور ہندوؤں کو ایک دوسرے کی مذہبی تعلیم سے واقف ہونے کے بعد معلوم ہوا کہ ؏

مذہب نہیں سکھاتا آپس میں بیر رکھنا

تو ذاتی بغض وعناد کی جڑیں جو تھوڑی بہت ابھی باقی تھیں۔ وہ بھی حرف غلط کی طرح کٹ گئیں اور اب دونوں قومیں اکثریت و اقلیت کی تمیز کے بغیر آپس

---

[۱] از تاریخ ملا بہاؤالدین۔

Marfat.com

میں شیر وشکر ہوگئیں۔

جزیہ کی موقوفی نے بھی اس بادشاہ کے عہد میں کفر و اسلام کی تفریق مٹادی تھی لیکن دونوں قوموں کو دونوں کے علوم سے آگاہ کر کے بادشاہ نے نہ صرف اپنے مصالح ملکی (یعنی قومی اتحاد کی وجہ ملک میں امن وامان) کو مضبوط کیا۔ بلکہ ملک کو بھی آئے دن کے فتنہ وفساد سے نجات دلادی۔

بڈشاہ کیسا بے تعصب اور محب وطن بادشاہ تھا اور اس کی رعایا کیسی صلح جو اور امن پسند اور مختلف مذاہب کے بزرگوں کا احترام کرنے والی تھی۔ آہ اب یہ صورتیں خواب وخیال ہیں۔ ؎

ہوگئیں وہ صورتیں گو صورت موج سراب...
خلق کو احسان ان کے اب بھی ہیں خاطر نشیں

کشمیری پنڈت اور فارسی

انگریزوں کے ابتدائی دور میں مسلمان علماء اور پیر صاحبان نے مسلمانوں کو انگریزی تعلیم کے حصول سے جو حکمران قوم کی زبان تھی اور ملک کے ہر حصہ میں سرعت سے پھیل رہی تھی محروم رکھا تھا اور زبان کی اسی محرومی کی وجہ سے مسلمان برطانوی عہد حکومت میں اب تک دفتری ملازمتیں نہ حسب خواہش اور نہ تناسب آبادی کے لحاظ سے حاصل کر سکے ہیں۔

بڈشاہ نے جزیہ کی موقوفی، سنسکرت لٹریچر کے فارسی ترجمے اور اپنے ذاتی حسن سلوک سے ہندوؤں میں بہت کچھ ہر دلعزیزی حاصل کر لی تھی اور ہندوؤں اور مسلمانوں کے باہمی تعلقات بھی خوشگوار تھے۔ لیکن ابھی تک ایسے ہندو علماء موجود تھے جو ہندوؤں

Marfat.com

کو فارسی کی تعلیم سے منع کرتے۔ فارسی اس وقت کشمیر کی دفتری زبان تھی اور جس کے حصول کے بغیر کسی ہندو کا کسی سرکاری دفتر میں ملازم ہونا بہت مشکل تھا، روکتے اور منع کرتے تھے اور اس کو ملیچھوں کی زبان کہتے تھے اور اس کے پڑھنے والے پر برادری سے خارج کرنے کے فتوے صادر کیا کرتے تھے۔

بڈشاہ نے ہندوؤں کو سمجھایا کہ فارسی دفتری زبان ہے اگر تم اس سے الگ رہے تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ملک میں تم کو کوئی حصہ نہ ملے گا۔ ملک کی کثیر تعداد مسلمان ہے جو کئی لاکھ تک ہے۔ تمہاری تعداد چند ہزار سے زیادہ نہیں ہے اس لیے فارسی زبان جس کو مسلمانوں نے اپنی مذہبی زبان (عربی) کے بعد دوسرا درجہ دیا ہے اور جو کشمیر میں سوا سو سال سے دفتری زبان کی حیثیت سے جاری ہے بدل نہیں جا سکتی۔ اس کے حصول کیلئے تم کو کوئی دقت نہیں۔ تعلیم مفت ہے اور اس کے تمام اخراجات حکومت کے ذمہ ہیں تم بھی مسلمانوں کی طرح فارسی پڑھو اور ملک کے عہدوں میں حصہ لو اور مل جل کر اپنے ملک کی ترقی و فلاح کی تدابیر سوچو۔

چنانچہ اسی زمانہ میں پنڈتوں نے فارسی پڑھنی شروع کی اور تھوڑے ہی عرصہ میں اس قوم میں فارسی زبان کے ایسے ایسے نامور اور عالم پیدا ہوئے کہ بادشاہ نے ان کی قابلیتوں کی وجہ سے ان کو سر آنکھوں پر جگہ دی اور وہ اعلیٰ مراتب ان کو عطا کیے کہ ان کے خواب و خیال میں بھی نہ تھے۔ فارسی پڑھنے والے ہندو طلباء کو خاص وظائف ملا کرتے تھے اور ان میں سے بعض نادر طلباء کو نوراک بھی سرکار کی طرف سے عطا ہوتی تھی۔

مختصر التواریخ کشمیر کا مصنف[1] بڈشاہ کی بے شمار خوبیوں بلکہ اس

---

[1] پنڈت بیربر کاچرو

Marfat.com

کے احسانات کو جو اس نے ہندو قوم کے ساتھ کیے تھے تسلیم کرنے اور بہ تحریر کرنے کے باوجود کہ "در رعایت فقرا و ضعفا و پرواخت حال رعایا و برایا دقیقۂ از شفقت و مہربانی دریغ نمے داشت"، بڈشاہ جیسے نیک دل اور نیک نیت بادشاہ پر یہ حملہ کرتا ہے کہ اس نے پنڈتوں کو فارسی کی تعلیم کی تحریک محض اس لیے کی کہ ان کو ان کے مذہب سے برگشتہ کر دیا جائے اور ان کو بام عروج سے قعر مذلت میں گرا دیا جائے۔ چنانچہ اس کے اصل الفاظ یہ ہیں: "سلطان زین العابدین در فکر کار افتاد کہ ایں رھیشران و ریاضت کیشان بچہ عنوان ازیں درجہ بر اندازم۔ بمرور ایام چند نفر برہمن را بدولت دنیا خام طمع ساختہ بہ خواندن علم فارسی مشغول ساخت و بہ خوردن نان شبانہ عادی کرد تا ایں کہ اندک اندک ہمگی خواص و عام بہ طمع دولت ناپائیدار کہ یک جا قرار ندارد۔ راغب و مائل گردیدند۔ و طریقۂ دیگر برروے کار آمد۔ و قانون قدیم اختلاف پذیرفت و ہر کس از درجۂ ریاضت افتادہ۔ بہ دام حرص و ہوا در افتاد"

مختصر التواریخ کے مصنّف نے بڈشاہ کی رواداری پر جو زہریلی نظر ڈالی ہے وہ دیکھ چکے ہو۔ اب گلزار کشمیر کے ہندو مصنّف کی رائے بھی ملاحظہ فرمائیے جس نے اس امر پر کچھ روشنی ڈالی ہے کہ بادشاہ نے پنڈتوں کو کیوں علم فارسی کی طرف رغبت دلائی۔ وہ لکھتا ہے۔ کشمیر کے علاوہ ہندوستان کے اکثر لوگ کشمیر کے برہمنوں کی ان کے کمالات علم کی وجہ سے جو راجگان قدیم کے زمانہ میں ان کو حاصل تھا۔ عزت و تکریم کرتے اور "از نقود و اجناس" ان کی خدمت کیا کرتے تھے۔ جب دولت اسلامیہ کشمیر پر فائض ہوئی تو امرا لوگ انقلاب سلطنت کی وجہ سے برہمنوں کی خدمت و خاطر اچھی طرح نہ کر سکے۔ یہی باعث تھا کہ اہل علم رفتہ رفتہ علم سے بھی اور دولت سے بھی بے بہرہ ہو گئے اور چونکہ محنت و جفاکشی کی ان کو عادت نہ تھی۔ اس لیے ان کی گذر اوقات مشکل سے ہوتی تھی۔ بڈشاہ کے حسن سلوک کی تعریف سن کر مہاجر کشمیری پنڈتوں کی ایک کثیر جماعت کشمیر میں واپس آ

Marfat.com

گئی تھی اور ہر چند بادشاہ نے ان کو سرآنکھوں پر جگہ دی تھی تاہم بہت سے لوگ مالی حیثیت سے امداد کے قابل تھے۔ بادشاہ نے جوگی لنگر میں نادار و محتاج برہمنوں کا انتظام کیا اور حکم دیا کہ برہمن لوگ بھی علم مروجہ (فارسی) حاصل کریں۔ سرکار اُن کو ان کی قابلیتوں کے موافق کوئی نہ کوئی خدمت سپرد کر دے گی۔ چنانچہ صاحب گلزار کے چند اصل الفاظ ذیل میں درج ہیں۔

" سلطان تعسر گزران این جماعت نہ پسند بدہ از نا قابلیت محنت کشی و بار برداری کہ در تعیش عادات سعی باز و ندا شتند بہ نظر چارگری در تعلیم علم فارسی بہ محاسبہ حا ماذکر با بائی کنانیدہ ہر یکے را فراخور حوصلہ و خرج واجبی بہ کار سے منسوب نمودہ تقسیم رزق کردہ داد۔"

شارٹ ہسٹری آف کشمیر ایک نادر تصنیف ہے جو اس عہد میں لکھی گئی ہے۔ جب کہ ملک میں فرقہ وارانہ اختلافات ترقی پر ہیں اور کوئی قوم دوسری قوم کے کسی مذہبی بزرگ یا دنیاوی بادشاہ کی نیکی اور اس کے احسانات کو تسلیم کرنا اپنی جگہ اپنے مذہب کی کمزوری محسوس کرتی ہے۔ اس تصنیف میں جو ایک کشمیری پنڈت کی تصنیف ہے۔ لکھا ہے۔

" زین العابدین کی متبرک یادگار ہمارے دلوں میں ہے۔ جو کچھ اس نے کیا دانائی اور مآل اندیشی سے کیا۔ اس کے تاج کے پیچھے قابلیت ہی قابلیت چھپی ہوئی تھی۔ اس کے عہد میں ہر کسی کو مذہبی آزادی حاصل تھی۔ ہندوؤں نے اس مبارک دور میں فارسی تعلیم حاصل کرنے کے بعد اعلیٰ سے اعلیٰ سرکاری ملازمتیں حاصل کیں۔[۲] "

پنڈتوں کے دو فرقے

پنڈتوں میں جن لوگوں نے دفتری زبان فارسی حاصل کر کے نوکریاں حاصل کر لیں۔ ان کا نام "کارکن" مشہور ہو

---

[۱] پنڈت گوشنہ لعل بی اے۔ یہ تاریخ نہایت مختصر ہے اور انگریزی زبان میں ہے۔ سال تصنیف ۱۹۲۰ء

[۲] صفحہ ۲۲ و ۲۷۔

گیا۔ جو مذہبی کام کرتے رہے ان کو باچھ بٹس کہتے تھے۔

بڈشاہ کے عہد میں پنڈتوں کا دفتری اقتدار پر بہت کچھ عمل دخل ہوگیا تھا اور افغانوں کے عہد میں ہر چند کہ بے آئینی و مظالم کا دَور دورہ تھا۔ تاہم اس زمانہ کی تاریخ بھی اس قسم کی شہادتیں پیش کر رہی ہے کہ کارکن پنڈتوں نے جنکی بڈشاہ نے کئی سو سال پیشتر رکھی تھی۔ دفتری اقتدار یعنی ملک کے اعلیٰ عہدوں پر بہت کچھ قابو پایا تھا بلکہ خود کابل میں نندرام ایک معزز کشمیری پنڈت نے وہ عروج حاصل کیا کہ آج تک سکہ زد در کابلستان نندرام مشہور چلا آتا ہے۔

پنڈتوں کے یہ دونوں فرقے آج تک موجود ہیں اور تعجب یہ ہے کہ ان کا باہمی اختلاف بھی آج تک نابود نہیں ہوا۔ یہاں تک کہ ایک دوسرے کے ساتھ یہ شادیاں بھی نہیں کرتے۔

بڈشاہی دربار کے پنڈت ارکان

پنڈتوں نے بڈشاہی دور ہی میں فارسی زبان کی طرف توجہ کی اور اپنی ذہنی قابلیتوں کی وجہ سے اُسی زمانہ میں اعلیٰ اعلیٰ عہدوں پر پہنچ گئے۔ جن کے نام کشمیر کی مختلف تواریخوں سے ہم تک پہنچ سکے ہیں۔ ان کی فہرست ذیل میں درج ہے۔

۱۔ پنڈت شری بٹ حکیم شاہی۔

۲۔ پنڈت زونہ راج مترجم و مؤرخ۔

۳۔ پنڈت بودی بٹ مترجم۔

۴۔ پنڈت سدا شیو بابو۔ جوتشی منجم۔

۵۔ پنڈت گوپال کول۔ صدر قانون گو کشمیر۔

۶۔ پنڈت مادھو کول۔ قانون گوئے کامراج۔

Marfat.com

۷۔ پنڈت گنیش کول۔ قانون گوئے کامراج ۔

۸۔ سوم پنڈت ۔مصاحب و شاعر و مترجم۔

ان میں سے چند ایک کے حالات بڈشاہی درباریوں کی ذیل میں لکھے جائیں گے ۔

گاؤکشی بند اور ستی کا اجراء

گائے کا گوشت مسلمانوں کے مذہب میں حلال و جائز ہے۔ چنانچہ مسلمان سلاطین کے عہد حکومت کے ساتھ ہی کشمیر میں گاؤکشی بھی شروع ہو گئی تھی۔ بڈشاہ نے اپنی محکوم رعایا کے ایک فرقہ کے تالیف قلوب کی خاطر اور زراعتی کاروبار کو ترقی دینے کے لیے ممالک محروسہ میں گاؤکشی کی ممانعت کے احکام جاری کر دیے اور نہ صرف یہی کام کیا بلکہ رسم ستی کو بھی جو ہندوؤں میں زمانہ قدیم سے چلی آتی تھی اور سابقہ سلاطین اسلام نے اس کو ایک ظلم سمجھ کر بند کر دیا تھا اور خود زین العابدین بھی اس کے دوبارہ اجراء پر راضی نہ تھا۔ صرف ہنود کشمیر کی خاطر اس نے اس رسم کو جو فی الواقعہ سریح ظلم تھی دوبارہ جاری کر دیا ۔

ممکن ہے گاؤکشی کو بند کرنے کے متعلق اس زمانہ کے علماء نے بادشاہ کے اس فرمان کو مذہب اسلام میں دخل اندازی کا مترادف سمجھا ہو اور اس پر ناراضگی کا اظہار کیا ہو لیکن بادشاہ جو صلح کل تھا اور سمجھتا تھا کہ ذبیحہ گاؤ کے حلال ہونے کے باوجود اسلام نے یہ کہیں حکم نہیں دیا کہ مسلمان اگر گائے کا گوشت نہیں کھائے گا۔ یا اس کی قربانی نہیں دے گا تو وہ مسلمان نہیں رہے گا۔اس لیے اس نے علمائے وقت کو ایک ہمسایہ اور ماتحت قوم کے مذہبی جذبات کے احترام کی طرف توجہ ضرور دلائی ہو گی اور علمائے اسلام نے بھی ہمسایہ قوم کی دلداری کی وجہ سے بادشاہ کی ملکی مصلحتوں کو سمجھ لیا ہو گا خصوصاً

Marfat.com

جبکہ ذبیحہ گاؤ کے کھانے کے بغیر بھی ایک مسلمان مسلمان رہ سکتا ہے۔

ایک مسلمان درباری کو عبرت ناک سزا

بادشاہ کے مقربوں اور مصاحبوں میں ایک مسلمان تھا۔ جس کو شراب پینے کی عادت تھی۔ ایک مرتبہ شراب کے نشہ میں اس نے ایک پنڈت کو اس قدر زدوکوب کیا کہ اس کی جان ہی نکل گئی۔ پنڈت کے وارثوں نے بادشاہ کے پاس فریاد کی۔ بادشاہ نے مقدمہ کو قاضیوں اور حجوں کے پاس بھیجنے کے بجائے اس کو اپنے ہاتھ میں لیا اور اس کے وارثوں کے بیان اور گواہی کی شہادتیں لے کر حکم دیا کہ اس کی نیت اس کو ہلاک کرنے کی نہیں تھی۔ شراب کے نشہ میں اس نے متوفی کو کوئی ایسی ضرب لگائی ہے جس سے وہ بچ نہیں سکا اس لیے اس کو پھانسی تو نہیں دیا جا سکتا البتہ اس روسیاہ کو گدھے پر سوار کر کے تمام شہر میں پھرایا جائے۔ تاکہ اس کو شراب نوشی کا انجام اور تقرب شاہی کے گھمنڈ میں اپنی اس حرکت قبیحہ کا نتیجہ معلوم ہو جائے اور باقی لوگ اس واقعہ سے عبرت حاصل کریں۔[۱]

خوبیٔ اخلاق کال دنیا و دیں رازیو راست
بافقیری خوش بود بابادشاہی خوشتر است

بادشاہ پابرہنہ ایک برہمن کے مکان پر

مورخین ہنود لکھتے ہیں ایک کشمیری شہزادہ کشتی میں سوار ہو کر دریا کی سیر کر رہا تھا۔ جب عالی کدل پر پہنچا تو ایک پنڈتانی کو جو غارت گر ہوش و حواس تھی دریا کے کنارے پانی بھرتے ہوئے دیکھا۔ جب اس نے گھڑا سر پر رکھا تو شہزادہ نے گھڑے کو غلیلہ کا نشانہ بنایا جس سے گھڑا تو ٹوٹ گیا۔ لیکن پانی اس کے سر پر برابر معلق رہا۔ جب وہ گھر گئی اور اس نے اپنے خاوند کو واقعہ سے آگاہ کیا تو اس نے جل کر بددعا

---

[۱] از مکمل تاریخ کشمیر حصہ دوم مصنفہ راقم الحروف و گلدستہ کشمیر مصنفہ پنڈت ہرگوپال کول۔

Marfat.com

دی کہ اے ایشور جس نے یہ حرکت کر کے مجھے رنج پہنچایا ہے اس کے سینہ میں ایسا درد اٹھے کہ وہ تڑپ تڑپ کے اپنے اس فعل مذمومہ کی سزا بھگتے ۔

مؤرخین ہنود لکھتے ہیں شہزادہ ایسا بیمار ہوا کہ جان کے لالے پڑ گئے ۔ جب بادشاہ کو اصل معاملہ سے آگاہی ہوئی تو وہ پابرہنہ برہمن کے گھر گیا اور معذرت طلب کر کے دعائے صحت کا طلب گار ہوا ۔ برہمن نے بادشاہ سے کہا کہ بادشاہ اور شہزادے جب اپنی رعایا کی بہو بیٹیوں کے ساتھ ایسا سلوک کریں گے تو غریب رعایا کا کہاں ٹھکانا ہو سکتا ہے ۔ آخر برہمن نے شاہزادے کی صحت کے لیے دعا مانگی جو بارگاہ حقیقی میں قبول ہوئی ۔ بادشاہ کے دل پر اس واقعہ نے بڑا اثر کیا اور وہ رعایا اور خصوصاً ہندوؤں کی دل جوئی میں اور بھی سرگرمی سے کام لینے لگا ۔

بڈشاہ اور امرناتھ کی یاترا

اس کا قدیم سنسکرت نام امریشور اور کشمیری نام امرناتھ ہے ۔ یہ ایک ایسا تیرتھ ہے ۔ جہاں نہ صرف کشمیری بلکہ پنجابی ، مدراسی ، بنگالی اور ہندوستان کے دوسرے حصص کے لوگ بھی یاترا کے لیے آتے تھے ۔ امرناتھ ایک مرتفع غار (گپھا) کا نام ہے ۔ جو اسلام آباد سے پانچ یا چھ یا پانچ دن کے راستہ پر واقع ہے ۔ یہ مقام ۱۳۰۰۰ فٹ کی بلندی پر ایک برفانی چوٹی کے جنوبی پہلو میں ہے ۔ اس غار کے اندر سفید برف کا ایک بت جو ٹپکتے ہوئے پانی کے انجماد سے بنا ہوا موجود رہتا ہے ۔ جو چٹان سے رستا رہتا ہے ۔ ہندو اسے امریشور کا مجسمہ خیال کرتے اور شولنگ تصور کر کے پوجتے ہیں اور اس کے درشن کو باعث خیر و برکت سمجھتے ہیں ۔ باوجود اس شہرت کے آج کل اس تیرتھ کی نیل مت پران میں اس اعظم ترین تیرتھ سے بہت کم حوالے آتے ہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں اس کی اس قدر شہرت نہ ہوگی ورنہ ہزاروں کا ہجوم کیوں

سے نکلتا ہوگا جیسا کہ آج کل کے زائرین (یاتری) ان کی شہادت دیا کرتے ہیں۔

مسلمان بادشاہوں میں سب سے پہلا بادشاہ بڈشاہ ہے جو ہندوؤں کے اس متبرک تیرتھ پر پہنچا ہے چنانچہ زونراج نے اپنی راج ترنگنی[1] میں لکھا ہے کہ سلطان زین العابدین اس تیرتھ کی یاترا کے لیے تمام مشکلات کو عبور کر کے وہاں پہنچا تھا۔

بادشاہ ہندوؤں کے میلوں اور تیرتھوں پر جایا کرتا تھا اور اپنی شمولیت سے ان کی رونق کو دوبالا کیا کرتا تھا افسوس ہے امرناتھ کی شاہی یاترا کے مفصل حالات نہیں مل سکے۔ ورنہ معلوم ہو سکتا کہ کس جاہ وجلال سے اور کس سازو سامان کے ساتھ وہ وہاں گیا ہوگا۔ بادشاہ کے یاترا پہ جانے سے اتنا ضرور ظاہر ہوتا ہے کہ کلہن پنڈت یا راجہ جے سنگھ کے زمانہ میں امرناتھ کی بہت زیادہ شہرت نہ تھی تاہم بڈشاہ کے زمانہ میں یہ اس قدر مشہور تھا کہ خود بادشاہ وہاں یاترا کے لیے گیا تھا۔

شاردا تیرتھ اور بڈشاہ

ہندوؤں کا یہ مشہور تیرتھ کمراز کی طرف دریائے کشن گنگا کے دائیں کنارہ پر ضلع مظفر آباد کی تحصیل کرناہ میں واقع ہے اور بہت قدیم زمانہ سے مشہور ہے۔ چنانچہ البیرونی (بزمانہ محمود غزنوی) نے اپنی کتاب الہند ہیم چندر کے مصنف دیا کرن۔ کلہن نے راج ترنگی میں اسی طرح جوزاج اور اس کے بعد کے مصنفوں اور فارسی مؤرخوں ابوالفضل (بزمانہ اکبر) وغیرہ سب نے اس کا ذکر کیا ہے۔

---

[1] بمبئی ایڈیشن شلوک ۱۲۳۲ بحوالہ راج ترنگنی اردو ترجمہ۔

Marfat.com

زونہ راج یا جونراج کی ایک تحریر کے مطابق معلوم ہوتا ہے کہ سلطان زین العابدین بھی اس تیرتھ کی یاترا کے لیے آیا تھا۔ اسٹین صاحب نے راج ترنگنی کے انگریزی ترجمہ میں لکھا ہے کہ بادشاہ غالباً ۱۴۲۲ء میں اس مندر کی زیارت کے لیے گیا تھا۔

اُس زمانہ کے مشکل ترین راستوں پر غور کرو پہاڑوں کی عظیم رفعت کو جہاں برف کے تودے لگے رہتے ہیں دیکھو دریاؤں اور ندی نالوں کی طغیانیوں پر نظر ڈالو اور بادشاہ کی عقیدت مندی اور دلوں پر حکومت کرنے کی پالیسی پر دھیان کرو اور پھر بتاؤ کیا ایسی مثالیں آج بھی مل سکتی ہیں۔

مسجدیں اور پنڈت اور قشقہ

سلطان بت شکن اور علیشاہ کے زمانہ میں ہندوؤں کو مسجدوں میں داخل ہونے بلکہ ان سے چھو جانے تک کی سخت ممانعت تھی۔ بادشاہ نے یہ سختی ہٹا دی اور حکم دیا کہ ہندوؤں کو بشرط طہارت مسجدوں میں داخل ہونے اور ان کے صحنوں میں پھرنے اور ان کے دیکھنے کی عام اجازت ہے۔ کوئی پنڈت سلطان بت شکن اور سلطان علی شاہ کے زمانہ سے نہ اپنے آپ کو علانیہ ہندو کہہ سکتا تھا اور نہ اپنی پیشانی پر قشقہ لگا سکتا تھا۔ جو ان کا قدیم دستور تھا۔ بادشاہ نے پنڈتوں سے اس مصیبت کو بھی دور کیا اور کھلے بندوں ان کو ہندو کہلانے اور قشقہ لگانے کی اجازت عطا کی علاوہ ان مراعات کے جرمانہ۔ پیش کش۔ نذرانہ جو سلطان بت شکن کے زمانہ سے جاری تھا معاف کر دیا[1]۔

---

[1] طبقات اکبری سال تصنیف ۱۰۰۱ھ۔

Marfat.com

ہندوؤں کے لئے ہندو عدالتیں

ہندوؤں اور مسلمان مصنفوں اور مؤرخوں نے بادشاہ کی اس انصاف پروری کی سنہری الفاظ میں داد دی ہے کہ اس نے ہندوؤں کے مذہبی مقدمات کے تصفیہ کے لیے ہندو جج اور مسلمانوں کے مذہبی مقدمات کے لیے قاضی مقرر کر رکھے تھے اور جب مدعی اور مدعا علیہ ہندو اور مسلمان ہوتے تھے تو ان کے مقدمات کا تصفیہ دو جج مل کر کرتے تھے جن میں ایک ہندو ہوتا تھا، ایک مسلمان ؛ یہ وہ انصاف ہے اور وہ عدل ہے کہ آج بھی ہندوستان کو کامل طور پر نصیب نہیں ہو سکا۔

شکار سے نفرت اور گوشت سے پرہیز

بادشاہ کو باوجود ایک عظیم الشان اور فاتح و کامران بادشاہ ہونے کے شکار سے جسے اورنگ زیب نے بھی "کار بیکاران" لکھا ہے، کوئی رغبت نہ تھی۔ شکار سے جو خرابیاں انسانوں اور حیوانوں پر آتی ہیں وہ سب ان کے پیش نظر تھیں۔ صدہا انسان شکار کو گھیرنے اور شور مچانے کے لیے ہمراہ ہوتے ان میں سے کئی ایک راستے کی خرابیوں اور پہاڑوں کے نشیب و فراز کی نذر ہو جاتے۔ پھر ان غریبوں کا جو ہرج اور نقصان ہوتا وہ اس کے علاوہ تھا۔ مبداء فیاض نے اس کے پہلو میں ایک دردمند دل رکھا تھا۔ اس نے شکار کو نہ صرف خود ترک کیا بلکہ اس خیال سے کہ اس کی رعایا کا ایک گروہ (طبقۂ ہنود) شکار سے نفرت رکھتا ہے۔ اس نے کشمیر میں شکار کی قطعی ممانعت کر دی۔ بعض بعض ہندو تقریبوں اور تیوہاروں پر وہ گوشت بھی ترک کر دیا کرتا تھا۔

رفاہ عام دان اور دھرم نتبل

بادشاہ نے شور پور (حال ہیرپور) واقعہ درّہ پیر پنجال میں جو شوپیاں سے تھنہ و راجوری کے راستے میں ایک پڑاؤ ہے اور اپنے تاریخی واقعات کی وجہ سے بہت مشہور ہے کچھ مواضعات اس کام کے لیے وقف کر رکھے تھے کہ ان کی آمدنی سے مسافروں کو جو پنجاب یا گرد و نواح

Marfat.com

سے کشمیر میں آیا کرے بلا امتیاز (ہندو مسلمان) مفت کھانا ملا کرتے ہیں یر پور میں بادشاہی لنگر موجود رہتا تھا اور ہندوؤں اور مسلمانوں کے لیے علیحدہ علیحدہ انتظام ہوتا تھا۔ اس دان یا فیاضی کا نام شریدر نے اپنی راج ترنگنی میں "ان ستر ادھن" لکھا ہے۔

ڈل میں فصل سنگھاڑہ بہ افراط پیدا ہوتی ہے۔ اس کے چاروں ساحل اس فصل کی پیداوار سے سرسبز رہتے ہیں۔ بڈشاہ نے تمام فصل کو غریب غربا کے لیے وقف کر دیا اور نام اس کا دھرم منبل رکھا۔ چنانچہ تاریخ حسن میں لکھا ہے۔" از ابتدائے عہد بڈشاہ تا حال وقف عام است۔ آں را دھرم منبل مے گویند"۔ لیکن اس کا جنوبی و غربی حصہ اب مدت سے ضبط سرکار ہے۔" آنکہ در نواحی غرب و جنوب می روید۔ از قدیم ضبط سرکار"

بڈشاہ ہندوؤں پر کیوں مہربان تھا؟

ہندو مؤرخوں اور ہندوؤں کی تقلید میں مسلمان مؤرخوں نے ہندوؤں پر شاہی مراعات مبذول رہنے کے متعلق عجیب و غریب حکایتیں لکھی ہیں۔ منجملہ ان کے ایک یہ بھی ہے کہ سلطان ابتدائے عہد میں ہندوؤں پر چنداں ملتفت نہ تھا لیکن ایک دفعہ جب وہ مرض الموت میں مبتلا ہو گیا۔ تو شری بٹ اور دیگر اطبائے نامدار کی تمام تدابیر کے باوجود بھی اُسے آرام نہ آیا۔

آخری شری بٹ اور بودی بٹ ایک باکمال جوگی کے پاس گئے جو علم سیمیا میں یگانۂ روزگار تھا اور کشمیر کے ایک گوشہ میں رہتا تھا۔ بادشاہ کی بیماری کا حال اس سے عرض کیا۔ جوگی نے کہا مرگ سلطان سے چارہ نہیں۔ تقدیر کو کوئی ٹال نہیں سکتا۔

وہ مقدر ہوں کہ ٹل نہیں سکتا۔۔
جو ہے پیش آئی وہ پیشانی ہوں میں

Marfat.com

البتہ ایک صورت ہے کہ قدرت بھی اپنا کام کرے اور بادشاہ بھی زندہ رہ سکے اور اس کی تدبیر یہ بتائی کہ جب بادشاہ کا دم نکل جائے تو میں اپنے خاص عمل کے ذریعہ روح اپنے قالب سے نکال کر اس کے قالب میں ڈال دوں گا۔ جب میری روح سلطان کے بدن میں منتقل ہو جائے تو میرے قالب کو حفاظت و احتیاط سے تھام کر میرے اصلی آسن پر لے آؤ۔ تاکہ سلطان کو صحیح و تندرست بلکہ زندہ کر کے میں پھر اپنی اصلی حالت پر آجاؤں۔ چنانچہ جوگی کو اس کے شاگردوں سمیت بادشاہ کے دونوں مصاحب بادشاہ کے پاس لے آئے۔ جب بادشاہ کا مرغ روح اُس کے قفس عنصری سے پرواز کر گیا تو جوگی نے اپنا عمل شروع کیا اپنی روح اس کے قالب میں ڈال دی۔ اُس کے شاگردوں نے امراء سے کہا کہ اپنے بادشاہ کو جا کر دیکھ لو۔ وہ اب صحیح و سالم موجود ہے اور میں اب اپنے استاد کو معالجہ کے لیے اپنے استہان میں لیے جاتا ہوں۔

وجیز التواریخ کے مصنّف نے استہان میں لے جانے سے اختلاف کیا ہے۔ وہ لکھتا ہے: مصاحبوں نے جوگی کے قالب کو ہندو رسوم کے مطابق جلا دیا۔ اس واقعہ کے بعد بادشاہ ۴۲ سال تک عدل وانصاف کے ساتھ حکمرانی کرتا رہا اور ہندوؤں کی بے غرضانہ محبت و خدمت کا اس کے دل پر محکم و پائیدار اثر پڑا۔

ہندو مورّخین کا خیال ہے کہ چونکہ سلطان زین العابدین میں ایک ہندو کی روح موجود تھی۔ اس لیے قدرتاً اُسے ہندوؤں سے محبت تھی۔ شارٹ ہسٹری آف کشمیر کا ہندو مصنّف بھی اس کی تائید کرتا ہے اور لکھتا ہے "لوگوں کا عام خیال ہے کہ اس کی بڑی شخصیت میں ہندو روح حلول کر گئی تھی جو اس کو ہندوؤں کی طرف راغب کرتی رہتی تھی۔"

Marfat.com

لیکن ارباب دانش سے مخفی نہیں ہے کہ روح ایک بدن سے دوسرے بدن میں منتقل نہیں ہوسکتی۔ البتہ مرض کا منتقل ہوجانا قرین قیاس ہے۔ جیساکہ بابر کی موت اور ہمایوں کی بیماری کا حال سب لوگ جانتے ہیں کہ دونوں باپ بیٹا سخت بیمار تھے۔ بابر نے خلوص دل سے خضوع وخشوع کے ساتھ دعا مانگی۔ بارالہا ہمایوں کی جس قدر بیماری ہے وہ بھی میری بیماری میں شامل کرکے اس کو صحت وتندرستی عطا فرما۔ دعا دل سے نکلی تھی، اثر کر گئی۔ بابر زیادہ بیمار ہوگیا اور ہمایوں تندرست ہونے لگا۔ یہاں تک کہ تیسرے ہی دن بابر کا انتقال ہوگیا۔

قیاساً معلوم ہوتا ہے کہ جوگی اور بڈشاہ کا معاملہ بھی اسی قسم کا ہوگا۔

بہرحال ہندو اس کے احسانات عظیمہ کے قائل ومعترف ہیں اور اس کی انصاف پروری رعایا پروری اور علم دوستی کا شکرگزاری اور احسان مندی کے ساتھ ذکر کرتے رہتے ہیں۔

راجہ راجور کی بیٹی اور بڈشاہ

صاحب "اسلامک کلچر ان کشمیر" لکھتے ہیں: "راجوری کے راجہ سندرسین نے جس کی تخت نشینی کا سال ۱۴۵۰ء بتایا جاتا ہے اپنی بڑی لڑکی راجیہ دیوی بڈشاہ کی خدمت میں بطور تحفہ بھیجی۔ بادشاہ اُس وقت جھیل ڈلر کی سیر کررہا تھا۔ ڈولی اور ڈولی کا جلوس معہ کنیزگاں وہیں پہنچا۔ بادشاہ نے دیکھ کر فرمایا کہ مائی کی ڈولی ہے جو واقف کار تھے۔ انھوں نے واقعہ عرض کیا۔ بادشاہ نے فرمایا جس کو ماں کہہ دیا ہے اُس کو بطور بیوی کس طرح قبول کرسکتا ہوں۔ بادشاہ نے اس خیال سے کہ "ڈولہ" واپس بھیجنے میں راجہ کی ہتک ہوگی۔ راجیہ دیوی کو شاہی حرم

Marfat.com

میں بھجوا دیا۔ جہاں ہمیشہ اس کی خدمت میں وہ ایک بیٹے کی حیثیت سے حاضر ہوتا رہا۔

اسی کتاب میں یہ لکھا ہے کہ رانی بادشاہ کا یہ حسن سلوک دیکھ کر تھوڑے سے عرصہ کے بعد مسلمان ہو گئی اور اس نے بادشاہ کی اجازت سے اپنی یادگار کے طور پر نالہ مار پر راجوری کدل یا راجوری کدل کے نام سے ایک پُل تعمیر کرایا۔

صاحب اسلامک کلچر نے یہ واقعہ "جنرل آف دی پنجاب ہسٹوریکل سوسائٹی" سے لیا ہے۔ لیکن جیسا کہ "شباب کشمیر" کے صفحہ ۱۸ کے حاشیہ ۲ میں لکھا جا چکا ہے۔ والیان راجوری بقول تزک جہانگیری فیروز شاہ خلجی کے زمانہ میں اور بقول مصنف راجگان راجور شہاب الدین غوری کے زمانہ میں یعنی بڈشاہ کے زمانہ سے بہرحال کئی سو سال پیشتر اسلام قبول کر چکے تھے۔ اس لیے راجوری کی شہزادی کو جو بڈشاہ کی زوجیت کے لیے بھیجی گئی تھی۔ ایک ہندو راجکاری تصوّر کرنا تاریخ کی رُو سے بہت مشکل ہے۔

اس قسم کی کئی نظیریں ملتی ہیں کہ ماتحت راجگان اور ماتحت مسلمان بادشاہوں نے جلیل القدر مہاراجوں اور شہنشاہوں کے پاس اپنی "بیٹیاں" بھیجی ہیں۔ ممکن ہے راجوری کے مسلمان راجہ نے بھی بادشاہ کی خوشنودیٔ مزاج کے لیے یہ پیش کش بھیجی ہو اور بادشاہ نے جو نہایت متقی و پرہیز گار تھا اُسے زوجیت میں تو قبول نہ کیا ہو البتہ شاہی محلات میں داخل کروا دیا ہو۔

ایک نوعمر اور پری چہرہ شہزادی کے پاس جو "ہیری"

Marfat.com

بننے کی خاطر بادشاہ کے حضور میں بھیجی گئی تھی ہمیشہ ایک فرماں بردار بیٹے کی حیثیت سے جانا بادشاہ کے اخلاق حسنہ اس کی مقدس زندگی اور اس کے صفائے قلب کی ایک نادر مثال ہے اور یقیناً اس کا ہندوؤں پر بھی بڑا اثر ہوا ہو گا۔

Marfat.com

گیارھواں باب

علم موسیقی اور بڈشاہ

بڈشاہ کا دربار معجونِ مرکب تھا جس میں ہندو مسلمان دونوں قوموں کے صاحب کمال موجود تھے۔ اس کی فیاضی و سخاوت اور قدردانیوں اور ہنرپروریوں کی شہرت سن کر ہندوستان کے علاوہ خراسان و بغداد تک سے ارباب کمال کھچے چلے آتے تھے[1]۔

---

[1] انفرادی حیثیتوں کے علاوہ اجتماعی صورتوں میں بھی کئی لوگ بڈشاہ کے دربار میں آئے۔ مثلاً ایک میر قوم ہے جس کے بزرگ خراسان و ترکستان سے اس جنت نظیر ملک میں آئے۔ یہ لوگ دراصل مرزا یعنی مغل تھے جیسا کہ صاحب تاریخ حسن لکھتے ہیں "لفظ میر دراصل مخفف لقب میرزا است" لوگوں نے بمرور ایام اس میں تغیر و تبدل کر کے اس کو میر بنا دیا۔ یہ لفظ سادات و مغل میں مشترک ہے۔ فرق صرف اس قدر ہے کہ سادات اس کو نام کے پہلے استعمال کرتے ہیں۔ جیسے میر مبارک۔ میر مقبول اور مغل نام کے بعد لکھتے ہیں۔ جیسے عزیز میر۔ غفار میر۔ (حاشیہ صفحہ ہذا بر صفحہ آئندہ)

Marfat.com

بڈشاہ کی موسیقی سے دلدادگی

مشائخ کبار اور علمائے کرام بھی اس کے دربار میں موجود تھے۔ جوگیان باصفا اور سنیاسیان بے ریا بھی اس کے دربار کی زینت تھے۔ شاعران جادو بیان بھی بزم شاہی کی رونق تھے اور صانع و کاریگر اور دیگر اہل حرفت نے بھی اس کی سرپرستیوں کے دامن میں پرورش پاکر اپنے کمالات سے اس کی شہرت کو چار چاند لگا رکھے تھے۔ انھی میں علم موسیقی کے ماہر بھی تھے اور بڈشاہ چونکہ خود موسیقی کا بڑا شائق بلکہ کئی سازوں کا موجد تھا۔ اس لیے دیگر اہل علوم و فنون کے ساتھ موسیقی کے جاننے والوں کی بھی بڑی قدر ہوتی تھی۔ چنانچہ صاحب طبقات اکبری لکھتے ہیں۔

" سلطان زین العابدین ہر قسم کے علوم و فنون کا سرپرست تھا۔ علم موسیقی میں وہ بڑا ماہر تھا۔ اس کی سخاوتوں کے قصے سن سن کر اطراف و اکناف سے کئی قسم کے باکمال کشمیر میں جمع

(حاشیہ صفحہ سابقہ) صاحب تاریخ حسن لکھتے ہیں "لیکن بعضے مغلان از روئے تنظیم نام میر اول می گویند چنانچہ میر نازک قادری" پنجاب میں بھی اب یہی رواج ہو چلا ہے۔ چنانچہ حاجی میر شمس الدین (لاہور) میر امیر بخش اینڈ سنز (مالکان کریمی پریس لاہور) میر رحمت اللہ ہمایوں کابل۔ (فرزند حاجی میر شمس الدین صاحب) میر کریم بخش (پشاور) خان بہادر ڈاکٹر میر ہدایت اللہ (امرتسر) اور ان کا تمام خاندان اور میر کرامت اللہ میر امرتسری۔ سب کے ناموں کے ساتھ از روئے تعظیم لفظ میر پہلے لکھا جاتا ہے۔

دوسری قوم عشائی ہے جو خراسان کے نواحی موضع عشا ور سے اپنے اہل وطن کی قدر دانیوں کی خبریں سن کر کشمیر آئی۔ بادشاہ نے ان کی قابلیت کی وجہ سے ان کو اپنے مصاحبوں میں جگہ دی۔ ان عشاوری بھی اور عشائی بھی کہتے ہیں۔ حاجی مختار شاہ عشائی کشمیر میں اس خاندان کے نامور رئیس گزرے ہیں۔ خواجہ اکبر شاہ عشاوری رئیس وسوداگر کا حال ہی میں انتقال ہوا ہے۔ ان کے فرزند خواجہ انور شاہ موجود ہیں۔ خواجہ غلام احمد عشائی ایم اے جو کشمیر کے سب سے پہلے مسلمان گریجوایٹ ہیں۔ اسی قوم سے تعلق رکھتے ہیں۔

Marfat.com

ہو گئے تھے۔[۱] غرض ؎

ہر طرف سے آتے تھے کچھ کچھ کے کیا کیا اہل ذوق
اہل علم اہل ہنر اور اہل تقوے اہل دیں...

بادشاہ موسیقی کا اس قدر دلدادہ تھا اور اس سے اس قدر مسحور ہو چکا تھا کہ جب کبھی وہ مطربوں سے خوش ہوتا تو ان کو بیش قیمت انعام و اکرام دیتا اور ان میں جو زیادہ ماہر ہوتے ان کو درباری گویا مقرر کر کے ان کی حوصلہ افزائی کرتا۔ لکھتا ہے کہ مطربوں سے خوش ہو کر اس نے کئی مرتبہ ان کے آلات موسیقی (مثلاً بین و رباب وغیرہ) سونے سے آراستہ کرا دیے اور ان کو زر سے لبریز کرا دیا۔[۲]

صاحب وجیز التواریخ نے بھی بادشاہ کی سرود افزائی کا ذیل کے الفاظ میں ذکر کیا ہے: "سلطان کو ساز و سرود سے بھی بہت رغبت تھی۔ وہ اس فن کو خوب جانتا اور راگ کی ماہیت کو خوب سمجھتا تھا۔ ملّا عودی اور ملّا جمیل کہ علم موسیقی میں صاحب تصانیف اور کئی راگ راگنیوں کے بانی تھے۔ اس لیے خراسان سے بلواتے اور ان کو انعامات سے سرفراز کیا۔"[۳]

کشمیر میں موسیقی کے مدارس

ابوالفضل کے قول کے مطابق ایرانی و تورانی راگی بھی اس کے دربار میں موجود تھے۔ ان میں سے بعض نے کشمیر میں موسیقی کے مدارس جاری کیے اور جب انھوں نے بادشاہ کے حضور میں

۱؎ ترجمہ ۲؎ اسلامک کلچر ان کشمیر (انگریزی) صفحہ ۲۲۴۔
۳؎ اصل فارسی میں ہے یہ ترجمہ ہے۔

Marfat.com

ان مدارس کی سرپرستی کی درخواستیں کیں تو بادشاہ نے جو فقہ و حدیث اور تفسیر کے مدارس کا بھی مربی تھا اور فارسی زبان کی درسگاہوں کا بھی معاون تھا۔ فنونِ لطیفہ کی اشاعت کا خیال رکھتے ہوئے موسیقی کے مدارس کی بھی سرپرستی و امداد قبول فرمائی۔

ان مدارس میں سے چند ایک سری نگر ہی میں تھے اور گو نہ ابو الفضل نے اور نہ صاحب تاریخ فرشتہ نے ان کا محل و قوع بتایا ہے تاہم قیاس یہ کہتا ہے کہ یہ مدارس نوشہرہ کے قرب و جوار میں ہوں گے۔ جو بڈشاہ کا دارالخلافہ تھا اور جس کو بادشاہ نے عالیشان ایوانوں اور نہروں اور باغوں کے اجرا سے نمونہ بہشت بنا رکھا تھا۔

ایرانی راگنیاں جو کشمیر کے سازندوں اور مطربوں نے اختیار کریں۔ حسب ذیل بتائی جاتی ہیں۔ ساگا۔ راست۔ کشمیری راست۔ چراغ۔ عراق۔ نوا۔ ریحانی۔ شاہ نواز۔ نوروز۔ نے ریز اور زنگورا[1]

کشمیری آلات موسیقی کشمیر سازندے طوطی اور شہنائی بجانے میں بڑے ماہر تھے۔ لیکن ان کے بڑے بڑے آلات موسیقی جو بڈشاہ کے زمانہ سے اب تک چلے آتے ہیں، حسب ذیل ہیں۔ گیچک جو ہندی سارنگی سے مشابہت رکھتا ہے لیکن اس سے ذرا بڑا ہے۔ اسے ایک کمان سے بجاتے ہیں۔ ستار، جو ہندی ستار سے چھوٹی ہوتی ہے۔ صد تارہ یا وہ ساز جس کی سو تاریں ہوتی ہیں۔ اس میں زیر و بم

---

[1] مولانا عبدالحلیم شرر مرحوم نے عرصہ ہوا بڑودہ کی مجلس موسیقی کی تحریک سے ایک دلچسپ مضمون "ہندی راگ پر ایرانی موسیقی کا اثر" کے عنوان سے لکھا تھا اور اسی میں کشمیر کی موسیقی کا بھی ذکر کیا تھا۔ یہ اقتباس اسی مضمون سے لیا گیا ہے۔

Marfat.com

بھی ہوتی ہے۔ یہ نہایت نفیس ساز ہے اور جب بجایا جاتا ہے تو چنگ کی سی آواز دیتا ہے۔

کشمیر کے سب راگی مسلمان ہیں

یہ نہایت اہم حقیقت ہے کہ تمام کشمیری سازندے اور راگی بلا استثنیٰ مسلمان ہیں۔ کشمیری پنڈتوں نے موسیقی کو خود کبھی حاصل نہیں کیا لیکن وہ اس کے سننے کے ضرور شوقین ہیں اور کبھی اپنے گوراشلوک اور منتر مصنوعی نغمہ زا آواز میں پڑھتے بھی ہیں لیکن موسیقی کی اندرونی نفاستیں اس کی الجھنیں اور مشکلات ان کے لیے اب تک ایک سربمہر کتاب ہیں۔[۱]

دربار بڈشاہی کے نامور موسیقی دان

پنجاب کشمیر اور ہندوستان کے اکثر موسیقی دان نہ صرف اپنی ادنیٰ کیرکٹر کی وجہ سے موسیقی کو بدنام کر رہے ہیں بلکہ اہل علم نہ ہونے کی وجہ معزز طبقوں میں وہ قابل وقعت نظروں سے بھی نہیں دیکھے جاتے۔ گذشتہ زمانہ کے لوگ اس فن کو ایک علم اور فن کے طور پر حاصل کیا کرتے اور اس کی تکمیل کے بعد اس پر اعلیٰ اعلیٰ کتابیں لکھا کرتے تھے۔ جن سے نہ صرف ان کی قابلیتوں کا اظہار ہوتا تھا بلکہ فنون لطیفہ کے شوقین ان کتابوں سے مستفیض بھی ہوتے تھے۔

۱؎ رائے بہادر پنڈت شیو نرائن شمیم (لاہور) کا مضمون "بعنوان "کشمیری موسیقی" جو پنجاب ہسٹاریکل سوسائٹی لاہور میں ۱۹۱۶ء میں پڑھا گیا تھا۔ جناب شمیم پنجاب کے ادبا میں امتیازی درجہ رکھتے ہیں۔ تاریخ سے آپ کو خاص ذوق ہے۔ کشمیر آپ کے نام پر فخر کرتا ہے۔

۲؎ بڈشاہی عہد دو ہندو ماہرین موسیقی سوم پنڈت۔ و بودی پنڈت کے نام پیش کرتا ہے۔ مگر معلوم ہوتا ہے جب ازدل اخلاق کے لوگوں نے اس فن کو خراب و بدنام کر دیا تو ہندوؤں نے اس کو ترک کر دیا ہو گا۔ پنجاب و ہندوستان میں تو اب ہر ہندو مسلمان اور سکھ اس میں خوب دلچسپی لے رہا ہے۔

Marfat.com

بڈشاہ خود اس میں صاحبِ کمال تھا۔ اس نے بازاری گویّوں کی حوصلہ افزائی نہیں کی۔ بلکہ اس نے اس فن کے ایسے ایسے صاحبِ کمال بلوائے جو اس زمانہ میں اپنی نظیر نہ رکھتے تھے۔ ان کو دربار میں دوسرے صاحبانِ علوم و فنون کے برابر جگہ دی۔ چند نامور موسیقی دان جو اس کے دربار کی زینت تھے حسبِ ذیل ہیں۔

بودی بٹ کشمیری پنڈت تھا۔ خدا نے اُسے عجیب دماغ دیا تھا۔ ذہن اس قیامت کا رسا اور حافظہ اس بلا کا تیز تھا کہ شاہنامہ فارسی جس کو فردوسی نے تیس سال میں لکھا تھا۔ اُسے از بر یاد تھا۔ سلطان کو شاہنامہ سے عشق تھا۔ جب بودی بٹ اپنی مستانہ لَے میں پڑھتا تھا تو بادشاہ پر ایک وجدانی کیفیت طاری ہو جاتی تھی۔ اس کی ایک کتاب علم موسیقی میں زین نام ہے جو نہایت معتبر سمجھی جاتی ہے۔ بادشاہ بودی بٹ کی نہایت قدر کرتا تھا۔

مُلّا عود خراسانی النسل تھا اور اس فن کے صاحبِ کمال خواجہ عبدالقادر کا عزیز شاگرد تھا۔ عود (بربط) بجانے میں بے مثل تھا اور اسی رعایت سے اس کا نام مُلّا عود مشہور ہو گیا تھا۔ بادشاہ کی قدر دانیوں کی شہرت سُن کر خراسان سے کشمیر آیا۔ لکھا ہے کہ جب یہ عود بجاتا تھا تو سامعین نقش بہ دیوار ہو جاتے تھے۔ جب یہ بادشاہ کے دربار میں پہنچا تو بادشاہ نے جو ہر فن اور ہر علم کا قدر دان تھا اس کو اپنے دامنِ دولت میں جگہ دے کر فکرِ روزگار سے بے نیاز کر دیا۔ صاحب طبقات اکبری نے بھی ملا عود کا ذکر کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں "عود اس غضب کا بجاتا تھا کہ محفل مدہوش ہو جاتی تھی۔ بادشاہ نے بارہا اس کو اپنی نوازشوں سے نوازا۔"[۱]

مُلّا جمیل بڈشاہ کے چرچے ہندوستان سے نکل کر ایران تک جا پہنچے تھے جب خراسان میں یہ خبر پہنچی کہ کشمیر کا بادشاہ اکثر سازوں، عود، رباب، طنبور

---

[۱] ترجمہ۔

Marfat.com

وغیرہ کو طلائے خالص سے مڑھ کر جواہرات سے مرصع کرتا ہے اور سازندوں کی ایسی قدر کرتا ہے کہ ان کو شام غربت کی خزاں میں صبح وطن کی بہاریں فراموش ہو جاتی ہیں۔ چنانچہ اس کی نظیر کے لیے ملّا عود کا نام کافی تھا تو بہت سے صاحبان کمال نے اپنی آشفتہ حالی دور کرنے کے لیے کشمیر کا رخ کیا۔ ملّا جمیل بھی جو علم موسیقی کا ماہر ہونے کے علاوہ بذلہ سنج اور شاعر بے بدل بھی تھا۔ انھی میں سے ایک تھا۔ اس کی خوش الحانی و خوش خوانی اور اس کے خوش رنگ کلام سے تمام دربار خوش رہتا تھا۔ سلطان اس پر بڑا مہربان تھا اور دل کھول کر اسے انعام دیا کرتا تھا۔

چنانچہ صاحب سیر المتاخرین (جلد اوّل) میں لکھتے ہیں: مُلّا جمیل، سلطان ابوسعید مرزا بادشاہ خراسان کے دربار کی زینت تھا۔ جب اس نے سُنا کہ بادشاہ کشمیر کو بھی فن موسیقی میں دسترس ہے تو اس نے بطور تحفہ ملّا جمیل کو معہ اور تحائف کے بڈشاہی دربار میں بھجوا دیا۔[1]

سوم پنڈت بڈشاہ کے اس نامور درباری کا ذکر اُس کے درباریوں کے ذیل میں آئے گا۔ یہاں اس کا صرف اسی قدر ذکر کیا جاتا ہے جو علم موسیقی سے تعلق رکھتا ہے۔ صاحب طبقات اکبری لکھتے ہیں" اس نے بادشاہ کے لیے ایک کتاب مانک نام علم موسیقی پر لکھی جسے بادشاہ نے اپنے نام پر معنون کرنا منظور فرما کر اس کی عزت افزائی کی۔ صاحب "اسلامک کلچر ان کشمیر" لکھتے ہیں:" سوم علم موسیقی کا ماہر ہونے کی وجہ بھی بادشاہ نہایت منظور نظر تھا۔"

بادشاہ آلات موسیقی کا موجد تھا بڈشاہ کے علم موسیقی میں ماہر ہونے کا قریباً تمام مصنفین و مؤرخین نے ذکر کیا ہے اور یہ بھی لکھا

---

[1] ترجمہ۔

Marfat.com

ہے کہ اُس نے کئی آلات خود بھی ایجاد کیے تھے لیکن ایک آلہ یا ساز کا ذکر صاحب طبقات نے ذیل کے الفاظ میں کیا ہے "کہ یک نفس را بہ دوازدہ مقام ادامی نمود" یہ ساز آج عنقا ہے۔ بادشاہ کی قدردانیوں کا ذکر کرتے ہوئے صاحب طبقات لکھتے ہیں "سلطان کے حکم سے رباب۔ بین اور دیگر آلات سرود مرصع بہ زر کیے جاتے تھے۔"

کشمیری مطرب دربار اکبری میں

اکبر اعظم جو بڈشاہی کا ایک ادنیٰ سا پَرتو تھا دیگر اہلِ کمال کی طرح مغنیوں کا بھی بڑا مربی تھا۔ یہ بڈشاہ کے ایک سو سال کے بعد ہوا ہے۔ اس وقت تک کشمیری مغنی اپنے کمال کی وجہ اتنی شہرت رکھتے تھے کہ اکبر جیسے عظیم الشان شہنشاہ کے دربار میں ہندی ایرانی اور تورانی اور تان سین جیسے صاحب کمال جس نے علمِ موسیقی میں حیات تازہ پیدا کر دی تھی۔ مغنیوں کے پہلو بہ پہلو قدردانی کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔

اکبر کے زمانہ میں چونکہ ہندی مغنیوں کی کثرت تھی۔ ان کے فیض صحبت سے کشمیری مغنی بھی متاثر ہوئے اور جب یہ وطن میں واپس آئے تو ان کے ساتھ ہی ہندوستانی راگنیوں نے وادیٔ کشمیر میں قدم رکھنا شروع کر دیا۔

جس طرح کشمیری زبان حکومتوں کی تبدیلیوں کے ساتھ جدید سانچہ میں ڈھل رہی اور نئے نئے الفاظ قبول کر رہی تھی۔ اسی طرح اکبر کے زمانہ میں کشمیری موسیقی ایرانی و ہندی موسیقی کے اشتراک سے ایک جدید قالب اختیار کر چکی تھی۔

موجودہ کشمیری موسیقی

آج کشمیری راگ سارے ہندوستان میں موسیقی کے لیے باعث توہین سمجھا جاتا ہے بلکہ ہندوستان میں مثل مشہور ہے کہ راگ ہندوستان میں پیدا ہوا، پنجاب میں یہ پروان چڑھا اور کشمیر میں جاکر دفن ہو گیا۔

Marfat.com

اور یہ اعتراض و نکتہ چینی وہ لوگ کرتے ہیں جن کے اہلِ وطن بادشاہ کشمیر کے دربار میں خالی داماں لے کے آتے تھے اور جب واپس جاتے تھے تو کامیابیوں کا ایک خزانہ ان کے ہمراہ ہوتا تھا بلکہ ان میں سے اکثر ایسے ہوتے تھے جو بادشاہ کشمیر کے دامن دولت سے لپٹ کر یہیں کے ہو رہتے تھے۔

جس ملک کی اپنی حکومت چھن جائے اُس کے اخلاق اُس کا تمدّن سب بدل جاتا، بلکہ بگڑ جاتا ہے۔ اُس کی خوبیاں بُرائیوں میں تبدیل ہو جاتی ہیں اور فاتح جو غیر ملکی ہوتا ہے ہر طرح سے ان کو کمزور پست ہمّت اور پست خیال بنانے کی کوشش کرتا ہے۔ محکوم قوم کے کمالوں پر زوال آجاتا ہے۔ اُس کی آزادی پر غلامانہ عادات غالب آجاتی ہیں اور غلامی کی وجہ سے اُن میں خوشامد، خوف، جھوٹ وغیرہ جیسے عیوب پیدا ہو جاتے ہیں۔ جو قوم اور ملک یہاں تک زوال پذیر ہو جائے اُس میں موسیقی کہاں تک ترقی کر سکتی ہے۔ ترقی تو کجا اُس کا اصل حال پر قائم رہنا مشکل ہو جاتا ہے اور پھر موسیقی اور شاعری تو فارغ البالی۔ آزادی، بے فکری اور قومی حکومت کی عیش و عشرت کا نتیجہ ہوتی ہے۔

کشمیریوں کی موسیقی ہی قابل مضحکہ نہیں بلکہ آج تو اُن کا وجود تک باعث ننگ انسانیّت سمجھا رہا ہے۔ آہ۔ ع

خوشہ چینوں کے لگے رہتے تھے کیا کیا جمگھٹے
جب تک آتا تھا نظر پھولا پھلا یہ گلستاں
ایک ہی گردش میں تیری سب نے آنکھیں پھیر لیں
ایک ہی چشمک میں تو نے کیا کیا اے آسماں

Marfat.com

اب نہ وہ گلچیں نہ وہ گلبن نہ وہ باغ وبہار
اب نہ وہ محفل نہ وہ ساقی نہ وہ پیرِ مغان
ہے یہ افسانہ نصیحت اہل عالم کے لیے
ہے زمانہ کے لیے عبرت ہماری داستان

Marfat.com

بارھواں باب

کشمیری صنعت وحرفت بڈشاہی عہد میں

کشمیری صنعت کی ترقی کا دور مرزا حیدر جو بڈشاہ سے پون صدی بعد کشمیر میں ایک بادشاہ کی حیثیت سے زندگی بسر کرتا رہا ہے۔ اپنی تاریخ رشیدی میں لکھتا ہے۔ کشمیر ایسی عجیب وغریب صنعتوں کا مرکز نظر آتا ہے جو سمرقند، بخارا اور ماوراالنہر کے سوا اور شہروں میں بہت کم نظر آتی ہے۔ ان صنعتوں میں پتھر کو جلا دینا، پتھر تراشنا، بوتل سازی۔ تابدان تراشی اور طلائی ورق بنانا خصوصیت سے قابلِ ذکر ہیں۔ کشمیر میں صنعت وحرفت کی اس ترقی بلکہ بنیاد قائم کرنے کا سہرا صرف سلطان زین العابدین کے سر ہے۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ کشمیر علوم وفنون اور صنعتی وحرفتی کاروبار کا گہوارہ اور امن وامان کا ماوا وملجا تھا اور شمالی ہند علوم وفنون اور صنعت وحرفت کی ترقی اور ملکی امن وامان کا مرکز ہوتا تو کجا کسی مستحکم حکومت سے بھی محروم تھا بلکہ یورپ تک خوابِ غفلت میں محو اور اس قسم کی علمی وصنعتی ترقیوں سے بے نصیب تھا۔

Marfat.com

بیرونی ارباب صنائع کشمیر میں

جیسا کہ قبل ازیں ذکر کیا جا چکا ہے۔ بڈشاہ ابھی شاہزادہ ہی تھا کہ امیر تیمور اُسے اپنے ہمراہ سمرقند لے گیا۔ شاہزادہ وہاں سات آٹھ سال تک رہا۔ وہ بڑے غور سے تیموری شان و شوکت کے اسباب پر نظر ڈالتا رہا۔ اُس نے گرد و پیش کے حالات دیکھے خراسان، بخارا، ماوراء النہر کے لوگ سمرقند میں آتے تھے اور وہ ان سب سے ملتا اور ان کے ملکوں کے حالات دریافت کرتا رہتا تھا۔ اُس نے تیموری مملکت میں اس قسم کی صنعتیں دیکھیں جن کا اس کے ملک میں وجود بھی نہ تھا۔ وہ دل میں یہی سوچتا رہتا تھا کہ میں بھی اپنے ملک واپس جا کر صنعت و حرفت کو ترقی دوں گا۔ لیکن جب تک امیر تیمور زندہ رہا اُس کو کشمیر میں واپس آنے کی اجازت نہ مل سکی۔

بیرونی صنعت و حرفت کی اقسام

جب زین العابدین خود بادشاہ ہو گیا تو اس نے عالم شہزادگی کے اہل صنائع کی بڑی حوصلہ افزائی کی اور علاوہ ان کے ماوراء النہر، سمرقند، بخارا، خراسان اور دیگر ممالک سے اور بھی بہت لوگ منگوائے جن میں مندرجہ ذیل اقسام کے نام مختلف تاریخوں میں درج ہیں:

کاغذ ساز۔ صحاف۔ قالین باف۔ زین ساز۔ دابہ۔ قابلہ۔ حکاک۔ سنگ تراش۔ شیشہ گر۔ نانبائی۔ زرکوب۔ اسلحہ ساز۔ غالیچہ ساز۔ ماہران علم موسیقی۔ جلد گر۔ آتش باز۔

بادشاہ نے بہت سے ان میں سے سرکاری کاموں میں لگا دیے۔ جن کو سرکاری ملازمت یا کام نہ مل سکا ان کو اپنا علیحدہ کاروبار کرنے کے لیے مالی امداد دی۔

Marfat.com

بڈشاہ کے زمانہ میں صنعتی وظائف

بادشاہ نے بیرونی اہلِ صنائع کو یہ بھی تاکید کی کہ جو کام وہ خود جانتے ہیں اہلِ کشمیر کو بھی سکھائیں۔ اس کے علاوہ نوجوان کشمیریوں کی ایک معقول تعداد کو ماہوار خرچ اور زادِ راہ دے کر سمرقند بھیجا کہ وہاں رہ کر علوم و فنون سیکھیں اور واپس آکر اپنے ملک کی ترقی و فلاح میں حصّہ لیں۔ ان میں جن نوجوانوں کے متعلق اُسے اچھی اطلاعیں ملا کرتی تھیں ان کو انعام فراواں بھی دیتا تھا۔

بڈشاہ نے عطائے وظائف کا شعبہ اُس زمانہ میں جاری کیا جب دُنیا کے کسی حصہ میں اس قسم کی علمی و صنعتی خیرات کا کوئی نام بھی نہ جانتا تھا۔

غالیچہ سازی

کشمیر میں یہ بھی بڈشاہی یادگار ہے۔ بادشاہ کے بعد کئی سال تک غالیچہ کی تجارت کو فروغ رہا لیکن جب ملک خانہ جنگیوں میں مصروف ہو گیا اور بادشاہوں کو اپنی سلطنت بلکہ جانیں بچانے کی فکر پڑ گئی تو یہ تجارت اور صنعت بھی قریباً معدوم ہو گئی۔

ریشم کا کام

ریشم کا کام کشمیر میں بہت قدیم زمانہ سے چلا آتا ہے ممکن ہے بڈشاہ سے بھی پہلے زمانہ کا ہو لیکن اس میں کلام نہیں کہ بڈشاہی دَور میں اس کو بہت ترقی ہوئی۔ اُس زمانہ میں دمشق ، بخارا اور ترکستان تک کی منڈیوں میں کشمیر کا ریشم جاتا تھا اور بہت پسند کیا جاتا تھا۔ بخارا سے کشمیر کے ریشم کو بہت تعلق رہا ہے۔ اس کے بیج وہیں سے آتے تھے اور اہلِ کشمیر کے صنعتی دماغوں کا یہ کمال ہے کہ ان کے تیار کیے ہوئے ریشم کی زیادہ کھپت بھی بخارا ہی میں ہوتی تھی[۱]۔

---

[۱] رپورٹ مردم شماری سنہ ۱۹۲۱ء جموں و کشمیر۔

Marfat.com

اہلِ ختن کشمیر کے ریشم کو مغربی ایشیا اور یورپ تک بھیجا کرتے تھے۔[1]

سر والٹر لارنس کی رائے میں ریشم کے کیڑے پالنے کے لیے کشمیر کی سرزمین نہایت موزوں ہے۔

کاغذ سازی اور جلد سازی

کاغذ ملک چین کی ایجاد ہے۔ حضرت عیسیٰ کی وفات کے پچھتر سال بعد ایک شخص تسیح لن نام پیدا ہوا جس نے دنیا بھر میں سب سے پہلے کاغذ تیار کیا۔ پہلے وہ بانس وغیرہ سے کام لیتا رہا لیکن وہ زیادہ مفید ثابت نہ ہوا۔ بیس سال بعد اس نے شہتوت کے درخت کے ریشے تیار کیے[2] اور ان سے کاغذوں کا پہلا دستہ تیار کیا۔

لیکن کشمیر میں کاغذ کا بانی زین العابدین ہی ہے جو صحافوں اور کاغذگروں کو سمرقند سے لایا اور جس نے اپنے ملک کے نوجوان اس قسم کی صنعتوں کے سیکھنے کے لیے سمرقند میں وظیفے دیکر بھیجے۔

ان لوگوں کو اس نے دارالخلافہ نوشہرہ میں آباد کیا جہاں آج تک نہ صرف ان کاغذ سازوں کی ذریات موجود ہیں بلکہ کاغذ سازی کا کارخانہ بھی جاری ہے۔ کشمیر کا کاغذ تمام ہندوستان میں باوجود اپنی بے انتہا گرانی کے اپنی صفائی اور پائیداری کی وجہ سے نہایت پسند کیا جاتا ہے۔ یہ کاغذ اس قدر پائیدار ہے۔ اس کاغذ پر لکھی ہوئی کتابیں تین تین سو سال سے زیادہ عرصہ تک محفوظ و بے ضرر پڑی ہوئی ہیں۔ پائیداری میں دنیا کا اور کوئی کاغذ کشمیری کاغذ کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ ؎

عہدِ اسلاف کا ہے ایک مرقع دلکش
دورِ حاضر کا ہے آئینہ روشن کاغذ

---

[1] اسلامک ہیجران کشمیر بحوالہ تاریخ رشیدی (انگریزی) صفحہ ۴۳۰

چونکہ حکومت کی طرف سے اس کاغذ کی کوئی سرپرستی نہیں کی جاتی اور عام بازاری کاغذ اس سے سستا ملتا ہے۔ اس لیے یہ صنعت بھی آج کشمیر میں زوال پذیر ہے۔ اُس زمانہ میں نہ چھاپے خانوں کا رواج تھا اور نہ کتابوں کی بہتات تھی۔ اس لیے جلد سازی کا بھی رواج کم تھا اور اگر کہیں تھا بھی تو بالکل معمولی اور ادنیٰ درجہ کا۔ بڈشاہ نے سمرقندی صحافوں کے ذریعہ اس فن کو بھی ترقی دی اور نہ صرف اعلیٰ جلدیں تیار کرائیں بلکہ نقرئی جلد سازی کا کام بھی سب سے پہلے کشمیر بلکہ ہندوستان میں اسی نے شروع کرایا۔

کاغذسازی پر ایک شاعر کی طبع آزمائی

ایک شاعر اسی زمانہ میں محلہ کاغذگراں (نوشہرہ) سے گزرا۔ دیکھا کہ ایک کاغذ ساز پُرانے اور پھٹے ہوئے بوسیدہ کپڑوں کے چھوٹے بڑے ٹکڑے جمع کرتا اور ان کو دھوتا اور کاغذ بنانے کے لیے اُن کو کوٹتا ہے۔ اس قسم کا کاغذ آبی کاغذ کہلاتا تھا۔ شاعر نے کاغذ اور کاغذ ساز کی یہ کیفیت دیکھ کر فی البدیہہ کہا۔[1]

تا اجل آرام بخش رسم بے تابی شود
زندگانی تدآہ عہد بے خوابی شود

پرزہ پرزہ جامۂ عاشق سرہ گفت دوش
گوشۂ دامان عاشق کاغذ آبی شود ۔۔

بادشاہ کو خبر ہوئی اُس نے شاعر کو بلوایا۔ اشعار سنے اور بطور اظہار خوشنودی انعام عطا فرمایا۔

---

[1] از بیاض بوسیدہ و کہنہ مملوکہ خواجہ محمد اسمٰعیل صاحب ناتی تہت بقال سرینگر۔

Marfat.com

پیپر ماشی بوسیدہ کاغذوں پر جو منقش کام کیا جاتا ہے اس کو پیپر ماشی کہتے ہیں۔ اس کا رواج بھی بڈشاہ ہی کے زمانہ میں ہوا۔ اس کو کار قلمدانی بھی کہتے ہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اس سے منقش قلمدان اور چھوٹی چھوٹی صندوقچیاں نقش و نگار کے ساتھ تیار کی جاتی ہیں۔ علاوہ ازیں کاغذوں کی تشتریاں، چھوٹی چھوٹی کرسیاں۔ گلاس۔ پیالے اور متفرق چیزیں جن پر نہایت خوبصورت بیل بوٹے ہوتے ہیں بنائی جاتی ہیں۔

کشمیری تلوار اور بندوق پنجاب کے کشمیریوں نے فوجوں میں بھرتی ہو کر کپتانی اور لفٹنٹی اور صوبہ بیداری تک کے اعزاز و عہدے حاصل کیے ہیں اور اپنی شجاعت و شمشیر زنی سے وہ شہرت پیدا کی ہے کہ تلوار اور بندوق کو ان کو ان کے نام پر فخر و ناز ہے لیکن اس میں کلام نہیں کہ وادیٔ کشمیر کے کیا مسلمان اور کیا ہندو آج تلوار و بندوق دونوں کے استعمال سے ناواقف ہیں بلکہ تلوار و بندوق کے ساتھ ان کی نسبت دنیا میں سب سے زیادہ ناموس اور اجنبی سمجھی جاتی ہے۔

لیکن جن لوگوں کو تاریخ پر عبور ہے وہ جانتے ہیں کہ ہر قوم اور ہر ملک میں کبھی نہ کبھی شجاعت و بسالت اور حکومت و سطوت کا دور دورہ رہا ہے۔ ان سے مخفی نہیں کہ کشمیری بھی کسی زمانہ میں صاحب السیف والقلم تھے۔

محمود غزنوی نے ہندوستان پر سترہ حملے کیے۔ جن میں بارہ بہت مشہور ہیں۔ وہ ہر حملہ میں پنجابیوں اور ہندوستانیوں کو پامال کرتا رہا اور بقول بعض مصنفین ان کے غلام بنا کے لے جاتا رہا لیکن یہی "بزدل" ملک تھا جہاں اس

نے دو حملے کیے اور دونوں میں ناکام رہا[۱]۔

جب راجہ جموں کو تاتار خاں حاکم پنجاب کے خوف سے اپنے ملک کے علاوہ اپنی جان بھی بچتی نظر نہ آئی تو " بزدل " ملک کے بادشاہ حسن شاہ کے سپہ سالار تازی بٹ نے سیالکوٹ کے مقام پر تاتاری افواج کو شکست دی اور سیالکوٹ کی اینٹ سے اینٹ بجا کر راجہ جموں کے ملک اور اس کی جان کی حفاظت[۲] کی۔

غرض جس زمانہ کا ہم ذکر کر رہے ہیں۔ وہ کشمیر میں عین شباب و عروج کا زمانہ تھا۔ ہر کشمیری تلوار کا دھنی تھا اور تلواریں اور بندوقیں یہاں بنا کرتی تھیں۔ ایجبرٹن[۳] صاحب لکھتے ہیں "کشمیر کی ساختہ تلواروں پر نہایت نفاست و خوبصورتی سے نہایت باریک باریک انسانی و حیوانی تصاویر کندہ ہوتی ہیں۔ تلواروں کا حاشیہ سونے سے چمکدار بنا دیا جاتا ہے۔ نیاموں پر نہایت خوبصورت شکلیں اور بیل بوٹے ہوتے ہیں جو شال کے سلمہ ستارہ سے مقابلہ کرتے ہیں۔ تلواروں پر کشمیری ارباب صنائع جو تصویریں بناتے ہیں ان پر عموماً پیدل یا ہاتھی سوار شکاریوں کو کسی شیر یا دوسرے خونخوار جانور کا تعقب کرتے ہوئے دکھایا جاتا ہے۔ بندوق کی نالیاں بنانے میں بھی اُن کو خاص شہرت حاصل ہے۔ لندن کے ہندوستانی عجائب خانہ میں پرانے کشمیری پیش قبض اور شمشیر بچہ اب بھی دیکھے جاتے ہیں۔" لنڈن تو بہت دور ہے سری نگر کے عجائب گھر میں بھی کشمیری اسلحہ جات موجود ہیں۔

اشک ریزاں در عجائب خانہ بر حالِ وطن — تودہ تیر و زرہ و تیغ دستانِ کاشمیر

۱؎ و ۲؎ تاریخ فرشتہ و دیگر تاریخ ہائے ہند و کشمیر۔ ۳؎ اسلامک کلچر ان کشمیر صفحہ ۲۵۴۔

Marfat.com

تفنگ کا رواج اور آتش بازی

حلب آتش باز بادشاہ کی قدر دانیاں سن کر اپنے وطن سے کشمیر آیا۔ اُس نے آتش بازی بنا کر طرح طرح کے کھیل تماشے کیے اور بادشاہ اور تماشائیوں کو محو حیرت کر دیا۔ بادشاہ ہر عجیب اور نئی چیز کا رواج اپنے ملک میں چاہتا تھا۔ اُس نے حکم دیا کہ میرے اہل وطن کو بھی اس فن میں استاد کامل بناؤ۔

کشمیر میں تفنگ کا موجد بھی یہی آتشباز ہے بادشاہ کی عنایت سے وہ مقربان شاہی میں داخل ہوا۔ تفنگ اور آتشبازی کا رواج کشمیر میں بڈشاہ ہی کے زمانہ سے ہے۔

Marfat.com

تیرھواں باب

بادشاہ کی علمی سرگرمیاں

بادشاہ کئی زبانیں جانتا تھا

بادشاہ اپنے زمانہ کے علم و ادب ہی میں مہارت تامہ نہ رکھتا تھا بلکہ اُس زمانہ کی متعدد زبانوں سے بھی اُسے بہت واقفیت تھی اور یہی وجہ تھی کہ وہ علم و علماء دونوں کی قدر دانیوں سے اپنے ادبی کارناموں کو ناپائیدار شہرت دے سکا۔ آج ہندوستان و کشمیر کے مصنّفوں اور مؤرّخوں کے علاوہ یورپ کے مؤرّخ و مصنّف بھی اُس کے برمحل علمی عطایات اور اس کے ماہر علوم ہونے کی تعریف کر رہے ہیں [۱]۔

کشمیری زبان تو بادشاہ کی ملکی و مادری زبان تھی۔ اس کے علاوہ وہ تبتی، فارسی، سنسکرت اور ہندی زبانیں بھی جانتا تھا بلکہ ان زبانوں کا عالم و

---

[۱] اسلامک کلچر ان کشمیر بحوالہ لفٹنٹ نیول جے اے ایس صفحہ ۲۱۲۔

Marfat.com

فاضل[1] تھا۔ فارسی میں اُس کے اشعار بھی ہیں۔ وہ علوم ریمیا وسیمیا میں بھی ماہر تھا۔

وہ خود عالم تھا اس لیے علم کی اشاعت میں بڑی سرگرمی سے کام لیتا تھا اور اس میں بیش بہا رقوم خرچ کرتا تھا۔

بادشاہ ایک مصنّف کی حیثیت سے

طبقات اکبری کا مصنّف بادشاہ کی علمی سرپرستیوں کا ذکر کرتے ہوئے حلب آتش باز کے حالات میں لکھتا ہے کہ "کتاب سوال وجواب" کہ متضمن فوائد بسیار است۔ سلطان بہ اتفاق او تصنیف کردہ"۔ یہ کتاب جس کا ذکر آج ۴۵۰ سو سال پیشتر کا مصنّف اپنی کتاب میں "متضمن بہ فوائد بسیار" کے ساتھ کرتا ہے بالکل نابود ومعدوم ہے۔ کتاب کے نام "سوال وجواب" سے یہ بھی معلوم نہیں ہوسکتا کہ وہ کس مضمون کے متعلق تھی اور اس سے کس قسم کے فوائد بسیار عوام کو حاصل ہوسکتے تھے۔

دارالترجمہ اور دارالتصانیف کا اجراء

بادشاہ نے اُس زمانہ میں جبکہ ہندوستان کے علاوہ دیگر تمام ایسے ممالک بھی جنہوں نے علوم جدیدہ کی شعاعوں سے آج تمام عالم کو منوّر کر رکھا ہے۔ اشاعت علوم وفنون کے طریقوں سے محض بے خبر تھے علمی وظائف کے علاوہ دارالترجمہ اور دارالتصانیف کے شعبے قائم کیے جن میں مسلمانوں اور ہندوؤں کی مذہبی تاریخی اور عام اخلاقی وطبی کتابوں کے تراجم ہوتے اور نئی تصانیف بھی قابل مصنّفوں سے منقول مشاہیر سے دیگر لکھوائی جاتیں۔ مُلّا احمد زونراج پنڈت۔ پنڈت بودی بھٹ اور مُلّا نادری۔ ان شعبہ جات کے معزز ارکان تھے سب سے پہلے مُلّا احمد ہی نے مہا بھارت کو فارسی کا جامہ پہنایا تھا۔

---

[1] وجیز التواریخ فارسی قلمی۔

Marfat.com

ایک کتاب ہندی زبان کی جس کا اصل نام معلوم نہیں ہو سکا بادشاہ نے فارسی میں ترجمہ کرائی اور نام اس کا افسانہ ہندی رکھا۔ بڑی فربہ اور ضخیم کتاب ہے۔ اب کہیں نہیں ملتی۔ اکبر نے مُلّا عبدالقادر بدایونی سے فرمایا۔ اس کی فارسی غیر متعارف ہے۔ اسے مانوس عبارت میں لکھ دو۔ مُلّا نے دو تین مہینے کے اندر کتاب تیار کر دی۔ اکبر نے دس ہزار تنکہ مرادی اور ایک گھوڑا انعام دیا اور نام اس کتاب کا بحر الاسمار رکھا [۱]

معلوم ہوتا ہے کہ افسانۂ ہندی کی صرف ایک جلد ہی بادشاہ کے کے حکم سے ترجمہ ہو سکی تھی۔ جیسا کہ دربار اکبری کی سطور ذیل ظاہر کرتی ہیں" بادشاہ نے ابوالفضل سے فرمایا افسانۂ ہندی کی صرف ایک جلد ہی سلطان زین العابدین کے حکم سے ترجمہ ہوئی ہے۔ بہت سی جلدیں اس کی باقی ہیں۔ انھیں ترجمہ کر کے پورا کر دو۔ چنانچہ اس کتاب کی اخیر جلد کہ ۶۰ جزو کی ہے پانچ مہینہ میں تیار کر دی "[۲]

علم و علماء کی سرپرستی

بادشاہ نے اپنے ممالک کے اکثر لوگوں کو جو علم کی اہلیت اور اس کا شوق رکھتے تھے، وظائف دیکر بیرونی ملکوں میں بھیجا۔ ان میں جو لوگ شادی شدہ تھے ان کے اہل و عیال کے اخراجات کا بوجھ بھی خزانہ شاہی پر ڈالا۔ علاوہ ازیں بیرونی ممالک سندھ، ہرات، ہندوستان، بخارا، خراسان، عرب وغیرہ ممالک سے فارسی، عربی اور سنسکرت کے عالم بلوائے۔ ان کو معقول تنخواہیں دیں اور ان تنخواہوں کے لیے خاص خاص دیہات وقف کر دیے۔ جو اہل علم زیادہ قابل تھے اُن کو جاگیریں بھی عطا کیں بلکہ ملک روم تک علماءِ و فضلاءِ کشمیر میں آئے جیسا کہ

---

[۱] دربار اکبری (اردو) مصنفہ شمس العلماء مولانا آزاد دہلوی۔ صفحہ ۱۱۰

[۲] و [۳] دربار اکبری اردو مصنفہ شمس العلماء مولانا آزاد دہلوی صفحہ ۴۵۹۔

Marfat.com

ملّا بہاؤ الدین متو اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں " درعہد اُو از دیگر اعصار علماء و فضلاء دریں شہر آمدند۔ مثلاً مولانا محمد باقر رومی و مولانا احمد رومی کہ برادر یکدگر بودند از سلطان مور د انعامات شدہ دریں شہر سکونت ورزیدند "

ہندوؤں کے علوم کی اشاعت

ہندو علوم کی کتابیں جن کو مہاجر کشمیری پنڈت اُس کے باپ اور بھائی کے زمانہ میں اپنی جلا وطنی کے ساتھ ہی پنجاب وغیرہ ممالک میں لے گئے تھے۔ ہندوستان سے منگوا کر ملک میں تقسیم کیں[1]۔ تاریخ متو[2] میں لکھا ہے " دفاتر کفر و صحائف شرک کہ ازیں دیار۔ درکشیدہ بودند باز طلبیدند "

عالی حوصلگی۔ وسیع القلبی۔ بے تعصبی اور سرپرستی علوم کی یہ ایک ایسی مثال ہے اور نہ آج کوئی بادشاہ اس قسم کی بلا تفریق مذہب وملت " دلجوئی رعایا " کا ثبوت پیش کر سکتا ہے۔

مختلف علوم وفنون کی کتابوں کے لیے بادشاہ کے تحائف

بادشاہ کو علمی ذخائر جمع کرنے اور ان سے اپنے ملک کو مستفیض کرنے کا اس قدر شوق تھا کہ وہ غیر ممالک کے بادشاہوں کو کشمیر کے بیش قیمت تحائف بھیجا کرتا۔ جنہیں ایک معزز جماعت لے کر جایا کرتی اور بادشاہ اس جماعت کے اخراجات کا کفیل ہوا کرتا اور جو ہدایا ملتے اپنے ہمعصر بادشاہ کے نام ہوتا۔ اُس میں صرف مختلف علوم وفنون کی کتابوں کی خواہ وہ کسی مذہب

---

[1] مکمل تاریخ کشمیر حصہ دوم مصنفہ راقم الحروف۔
[2] ملّا بہاؤ الدین متو۔

وملت کے متعلق ہوتیں خواہش کیا کرتا۔ بہاؤالدین متو اپنی تاریخ میں لکھتا ہے: "دریں دیارکتب ہا وعلوم کم بود۔ بہ ہمیں وجہ بادشاہ بہ دیگر سلاطین وقت ہدیہ وتحفہ ہامی فرستاد۔ ازایشاں کتاب ہا درمختلف علوم وتصانیف کثیر آورد ایند"۔

بادشاہ نے اس طریق سے ایک ایسا کتب خانہ بنالیا جو اس کے عہد میں اس کے کسی معاصر بادشاہ کے پاس نہ تھا۔ یہ کتب خانہ بادشاہ کے بعد ایک سو سال یعنی سلطان فتح شاہ کے عہد تک دستبرد زمانہ کے ہاتھوں محفوظ رہا۔ اس کے بعد دیگر تمام فانی اشیاء کی طرح یہ خزانہ علوم وفنون بھی جس میں خدا جانے کیسے کیسے بیش قرار علمی جواہرات تھے۔ فناہ و نابود ہوگیا۔

ایک کتاب کیلئے مکہ معظمہ کو ایک کاتب کی روانگی

علامہ جاراللہ کی تصنیف تفسیر کشاف کا اصل نسخہ بہت کم یاب تھا۔ اس کے حصول کے لیے بادشاہ نے ہندوستان کے علاوہ ترکستان اور ماوراالنہر کے اطراف میں بھی آدمی دوڑائے لیکن کامیاب نہ ہوسکا۔ ایک مرتبہ جب کشمیری حجاج کا قافلہ اپنے وطن میں واپس آیا تو ان میں جو حاجی علم دین کے ماہر تھے۔ انھوں

لہ کشمیر ہندو عہد قدیم ہی سے علوم وفنون کا مرکز رہا ہے یہاں اُس زمانہ میں سنسکرت کی یونیورسٹیاں قائم تھیں۔ جب ٹیکسلا (پنجاب) اور بنارس کے سوا تمام ہندوستان علمی چشموں سے محروم تھا۔ لیکن ذوالچو کے حملہ اور ظلم نے جو چھ ماہ تک کشمیر میں مسلسل جاری رہا۔ کشمیر کی ادبی شہرت اور اُس کی سیاسی عظمت دونوں کو خاک میں ملاکر ہندو سلطنت کو بالکل کھوکھلا کر دیا۔ یہاں تک کہ تھوڑے عرصہ کے بعد حکومت بھی ان کے ہاتھ سے جاتی رہی۔ بڈشاہ نے کشمیر کو ادبی وسیاسی حیثیت سے دوبارہ زندہ کیا۔

Marfat.com

نے بادشاہ سے عرض کیا کہ علامہ جار اللہ کی تصنیف کا اصل نسخہ مکہ معظمہ میں موجود ہے۔ بادشاہ نے یہ سن کر "یک مرد کاتب را خرج راہ و اہل و عیال دادہ بہ ہمیں غرض بہ مکہ فرستاد"[1]

چنانچہ وہ کاتب عرصہ دراز تک مکہ مکرمہ میں مقیم رہا۔ اس نے کتاب کے اصل نسخہ سے اس کی نقل کی اور پھر نقل کو بعد مقابلہ صحیح کرا کر اور اس کی تصدیق کے لیے اکابر علمائے مکہ کے خطوط لے کر کشمیر واپس آیا۔ جب یہ تفسیر کشمیر پہنچی تو شعرا نے نظمیں لکھیں۔ چنانچہ ایک نظم کے جو بیاض بوسیدہ[2] سے معلوم ہوئی ہے۔ چند شعر ذیل میں درج ہیں۔

شہ راز مدینہ نور برہاں آمد
رنجور ئے اہل دیں بہ درماں آمد
آمد ز خدا دفتر اخلاص وادب
(یہاں کاغذ کرم خوردہ ہے
(یہاں کاغذ کرم خوردہ ہے)
با سلطان بار سول قرآں آمد

اصل نسخہ تفسیر کشاف کی بہ منت تو نقل مرزا حیدر کے زمانہ تک کشمیر میں موجود تھی۔ جب کشمیریوں اور مغلوں میں جنگ ہوئی اور ... بہاں سے مارے گئے اور مرزا حیدر بھی قتل ہو گیا اور یہ کتاب الگ تا ... کے قبضہ میں ...

---

[1] فتحباب کبرویہ میں لکھا ہے۔ بادشاہ نے تفسیر کشاف کی نقل ... دو کاتب ...
[2] مملوکہ خواجہ محمد اسمٰعیل صاحب نامی نبت ... سری نگر۔

Marfat.com

جو مرزا کے ہمراہیوں میں تھا۔ وہ اپنی جان بچا کر اور کتاب کو بغل میں دبا کر اپنے وطن چلا گیا۔[1]

بادشاہ کے حکم سے جامع مسجد (سری نگر) کے شمال کی طرف ایک مدرسہ کی بنا ڈالی گئی جس میں عربی فارسی کے علاوہ سنسکرت کی تعلیم بھی دی جاتی تھی۔ بادشاہ نے اس کے اخراجات و مصارف کے لیے چند دیہات وقف کر دیے۔ قاضی میر محمد علی جو چنگیز خاں کی اولاد سے تھا۔ اس دارالعلوم کے صدر بنائے گئے۔[2]

نوشہرہ میں بادشاہی دارالعلوم

مرزا حیدر تاریخ رشیدی میں لکھتے ہیں۔ نوشہرہ میں شفا خانہ اور لنگر خانہ ہی نہ تھا بلکہ دولت خانہ شاہی کے بالکل متصل راجدھانی (نوشہرہ) میں اعلیٰ پیمانہ پر ایک شاہی بیت العلوم بھی جاری کیا گیا۔ کئی گاؤں طالب علموں کے وظائف اور ان کے اخراجات اور استادوں کو فکر معاش سے آزاد کرانے کے لیے وقف کیے گئے۔ اس بیت العلوم میں دارالاقامہ بھی تھا جہاں طالب علم رہا کرتے تھے۔ مولانا کبیر جو بادشاہ کے استاد بھی تھے اس دارالعلوم کے صدر یا پرنسپل تھے۔

اس مدرسہ میں مندرجہ ذیل اساتذہ کا نام بھی تاریخوں میں نظر سے گزرا ہے۔ ملّا پارسا، اصل وطن معلوم نہیں لیکن سلطان کے وقت میں کشمیر میں آئے سلطان نے ان کی قابلیت سے خوش ہو کر مدرسہ پادشاہی میں جگہ دی اور معقول

---

[1] تاریخ ملّا بہاؤالدین متو۔

[2] از بیان واقعہ حالات مسجد جامع اردو غیر مطبوعہ از تصنیف مولوی محمد شاہ کاشمیری۔

Marfat.com

جاگیر بھی عطا کی۔ ملا محمد، ملا احمد، مولانا نادری، ملا مدہجی، ملا ضیائی جو بڈ شاہی عہد کے نامور شاعر اور ادیب تھے اور قاضی حمید الدین جنھوں نے بڈشاہ کے زمانہ میں کشمیر کی تاریخ بھی لکھی ہے لیکن جو آج کل بلکہ عرصہ دراز سے نایاب[1] ہے۔ غرض ؎

اس کے زریں عہد میں جاری تھے وہ دارالعلوم
جن کی شہرت کے ہیں شاہد آج بھی شمس و نجوم

جن کے علم و فن پہ نازاں ہند و سندھ و شام و روم
جن سے بچ بچ کر کبھی چلتی رہی بادِ سموم

گردشِ ایام نے شکلیں وہ ایسی میٹ دیں
آج اُن کی تعلیم گاہوں کا نشان تک بھی نہیں

[1] از تاریخ حسن قلمی صفحہ ۔

Marfat.com

چودھواں باب

بڈشاہ کے عام اخلاق و عادات

بڈشاہ اپنی فتوحات عظیمہ اور لشکر جرار اور اپنی مشہور بے تعصبی و رواداری کی وجہ سے عظیم الشان اور قابل احترام بادشاہ نہ تھا بلکہ اپنے پاکیزہ اخلاق اور نیک عادات اور اپنے نیک چال چلن کے باعث بھی اپنی رعایا کی آنکھوں کا تارا تھا۔ مسلمان اور ہندو اس کے نام کی بجائے ہمیشہ اُسے بڈشاہ اور بٹرشاہ کہتے رہے اور یہ مقبولیت اُسے اپنی زندگی ہی میں نصیب ہوگئی۔ آج بھی بہت کم لوگ ہیں جو اس کے اصلی نام سے آگاہ ہیں۔

مالِ غیر اور زن بیگانہ سے نفرت مالِ غیر اور زن بیگانہ دونوں کو وہ اپنے لیے حرام سمجھتا تھا۔ چنانچہ صاحب مختصر التواریخ لکھتے ہیں۔ "برروئے زن بیگانہ و مال مردم نظر بہ خیانت در نمے کرد"۔ ایک شہزادہ

لہ پنڈت بیربر کا بچرو۔

Marfat.com

نے ایک برہمنی کے ساتھ نازیبا حرکت کی۔ اُس کے لیے یہ جلیل القدر شہنشاہ برہمن کے مکان پر ننگے پاؤں گیا اور اُس سے معذرت طلب کی۔ راجہ راجور اپنی بیٹی اس کے حضور میں بطور تحفہ بھیجتا ہے اور یہ اُسے ماں کہہ کر پکارتا ہے اور جب تک وہ زندہ رہتی ہے بطور ماں کے اُس کا ادب و احترام کرتا ہے۔

تاریخ کشمیر کوئی ایسی نظیر پیش نہیں کرتی کہ اس بادشاہ نے دوسروں کے زر و مال پر دستبرد کی ہو۔ بلکہ اُس نے اپنے باپ اور بھائی کے زمانہ کے ٹیکس بھی رعایا کو معاف کر دیے۔

عتاب میں الطاف

یہ بادشاہ ایسا نیک دل اور نیک نیت تھا اور اس کے اخلاق ایسے اعلیٰ تھے کہ جس کسی پر اس کا عتاب بھی نازل ہوتا تھا۔ اس کو اس وقت فراموش کر کے کسی اور موقع پر ایسی آسانی اور خوبی کے ساتھ اپنے ملک سے بدر کر دیتا تھا کہ وہ بادشاہ کی ناراضگی سے قطعی لاعلم و بے خبر رہتا تھا[1]

بلکہ ملک بدر شخص جلاوطنی کو بھی بادشاہ کی عنایت ہی سمجھتا۔ اُس کی پالیسی ایسی گہری ہوتی تھی کہ عقلمند سے عقلمند آدمی بھی اُس کی دوستی دشمنی میں تمیز نہ کر سکتا تھا[2]۔

ملک گیری و پیش قدمی کا حامی نہ تھا

بادشاہ پر اس کی رعایا کا ایک ایک فرد جان دیتا تھا۔ اُس کی باقاعدہ پیدل اور سوار فوج بھی کافی

---

[1] طبقات اکبری۔

[2] مکمل تاریخ کشمیر حصہ دوم مصنفہ راقم الحروف۔

Marfat.com

تعداد میں تھی اور ملک کی لاج قائم رکھنے کے لیے مرمٹنا معمولی بات سمجھتی تھی۔ کشمیر سے باہر ہندوستان، خراسان، عراق و عرب تک اس کی فیاضی و بیبر پیشی اور اس کے اعلیٰ اوصاف کی شہرت تھی۔ اگر وہ ملک گیری و پیش قدمی کی پالیسی کا حامی ہوتا تو اندرونی و بیرونی . . . ہر دلعزیزیوں کی وجہ سے یقیناً ہر جگہ کامیاب ہوتا اور جہاں تک چاہتا اپنی مملکت کو وسعت دے سکتا تھا۔

لیکن ناحق خلقِ خدا کا خون اُس نے کبھی پسند نہیں کیا۔ وہ ایسا رحمدل تھا کہ اُس نے شکار تک کی ممانعت کر دی تھی پھر وہ انسانوں کا خون کس طرح جائز رکھ سکتا تھا۔ تاریخ جس قدر اُس کے حملوں کا پتہ دیتی ہے یہی ثابت ہوتا ہے کہ وہ مدافعتی حملے تھے۔ جیسا کہ سطور ذیل سے بھی معلوم ہو گا۔[۲] اگر کسے از سلاطین اجانب و اطراف تغلب و استیلا بر ایں نواحے مے نمود۔ سلطان زین العابدین سپہ داراں و اُمرائے لشکر خود کشیدہ باالبشان جنگ ہامے کرد۔ حدود ولایت خود را ز استیلائے ایشاں نگاہ مے داشت۔

دشمنوں سے سلوک جو متمرد اور سرکش ہوتے تھے اُن کی گوشمالی بھی کرتا تھا۔ جیسا کہ پانڈو چک کو اس کی بدکرداریوں کی سزا دی گئی اور جو ان میں صلاحیت اختیار کر لیتے تھے اُن کی عزت افزائی بھی کرتا تھا[۱] (اس موقعہ پر پانڈو چک کے بیٹے حسین چک کو یاد رکھنا چاہیے جو باپ کی وفات کے بعد پیدا ہوا تھا اور ترقی کرتے کرتے دربار شاہی میں پہنچ گیا تھا جہاں اُس نے خدمات حسنہ کے باعث بادشاہ کے دل میں گھر کر لیا تھا)۔

---

[۱] تاریخ ملا بہاؤ الدین ستو۔

[۲] طبقات اکبری۔

Marfat.com

سادگی اور انکساری

باوجود اس قدر شان وشوکت اور جاہ وجلال کے یہ بادشاہ ہمیشہ سادہ زندگی بسر کرتا تھا۔ البتہ تاج کے اندر وہ کلاہ مبارک ضرور رکھتا تھا جو امیر کبیر سید علی ہمدانی نے اس کے دادا سلطان قطب الدین کو عطا فرمایا تھا اور جو اس کے خاندان میں سلطان ابو الفتح یعنی فتح شاہ تک جو محمد شاہ کا پوتا تھا برابر سر پر پہنا جاتا رہا۔ ابو الفتح کے مرنے کے بعد جب وہ کلاہ اس کے کفن کے ساتھ دفن کر دیا گیا تو اسی زمانہ سے ان کی دولت وسلطنت کو زوال آنا شروع ہوا۔

ان کی انکساری کا یہ عالم تھا کہ علماء وفضلاء زادِ راہ بھیج کر مختلف ممالک سے بلواتا اور مناصب جلیلہ عطا کرتا تھا اور پھر ان کے مکانوں پر جا کر ان کی عزت افزائی کرتا اور ان کی صحبتوں سے مستفیض ہوتا تھا اور بعض علماء وصوفیا جب شریعت وصداقت سے کام لے کر اس کی باتوں سے اختلاف بلکہ ناراضگی کا اظہار کرتے تھے تو برا نہیں مانتا تھا۔ اور اگر کبھی ناراض بھی ہوتا تھا تو بہت جلد اپنی پشیمانی کا اظہار کرتا تھا۔

خزانہ شاہی پبلک امانت ہے

اس نے سرکاری خزانہ کو ہمیشہ رعایا کی امانت تصور کیا اور جب کبھی اسے خرچ کیا، فلاح عامہ اور آسائش رعایا کے خیال کو سب سے مقدم رکھا۔ اس نے شاہی خزانہ کو علوم وفنون کی سرپرستی، زراعتی ترقی اور ہنرمندوں کی امداد کے لیے وقف کر دیا اور بقول صاحب[1] سلاطین کشمیر [illegible] شاہ ایسا بادشاہ تھا جو صنعت وحرفت کا معاون، مزارعین کا دوست، علوم وفنون کا مربی، ہنرمندوں کا محسن اور اپنی رعایا کا خیر خواہ تھا۔

بادشاہ کے ذاتی اخراجات

سرکاری خزانہ اور شاہی دولت جب رعایا کی فلاح وبہبود کے کام آتے تھے تو آخر بادشاہ اپنے ذاتی اخراجات

---

[1] اسرار الابرار۔

کہاں سے ادا کرتا تھا؟ اس کے جواب میں صاحب طبقات لکھتے ہیں: "سلطان کے اپنے روزمرہ کے اخراجات کی کفیل سلطنت نہیں ہرتی تھی۔ نہ اُس نے خزانہ سے کوئی اپنی تنخواہ مقرر کر رکھی تھی بلکہ کان مس سے جو اس نے خود دریافت کی تھی اور جہاں صدہا مزدور بیگار پہ نہیں بلکہ کام پر لگے رہتے تھے وہ اپنے اخراجات ادا کیا کرتا تھا۔ اسی مس کی کان سے سرکاری سکہ جات تیار ہوتے تھے۔

چونکہ بادشاہ علم کیمیا وسیمیا میں بھی بخوبی ماہر تھا۔ کان مس کے علاوہ کان جواہر بھی اُس نے دریافت کی تھی۔ چنانچہ جواہرات زرینہ زنتی اسی کے نام پر اور اسی کے عہد سے مشہور چلے آتے ہیں۔ ان دونوں کانوں کی آمدنیوں سے وہ سیر وتفریح کرتا۔ اور مطربوں اور مغنیوں کی سرپرستی کیا کرتا تھا البتہ علماً وفضلاً کی قدردانیاں۔ درس گاہوں کے اخراجات علمی وفنی وظائف غربا وضعفا کی پرورش اور دیگر امورات جن کا تعلق ملک کی خدمت وفلاح سے تھا۔ وہ خزانہ شاہی سے ادا ہوا کرتے تھے۔

بادشاہ کی بے تعصبی

بڈشاہ کی بے تعصبی بلکہ مندروں اور بت خانوں کی تعمیر ومرمت کی وجہ سے اکثر مورخین نے اس پر بت پرستی کا الزام بھی لگایا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ وہ خالص اسلامی اخلاق وتعلیم کا پابند تھا۔ جس میں لکھا ہے کہ تم غیر اقوام کی عبادت گاہوں کو مسمار نہ کرو اور ان کے بتوں کو گالیاں نہ دو۔ تاکہ وہ تمہارے خدا کو گالیاں نہ دیں۔ بڈشاہ اپنی عمر کے آخری لمحہ تک اس پر قائم رہا بلکہ مرنے سے پیشتر اس نے مندر شنکرا اچارج کی نہ صرف حفاظت کی بلکہ اس کی مرمت وتعمیر کرا کے اس کو از سر نو زندہ کر دیا۔

تبدیل لباس اور حالات رعایا

بڈشاہ آج کل کے بادشاہوں اور والیان ریاست کی طرح دارالخلافہ کی آرام طلبی اور محلات کی عیش وعشرت ہی

لے ترجمہ۔

میں غرق نہیں رہتا تھا بلکہ اپنے اوقات عزیز کا بڑا حصہ سیر و سیاحت اور دارالخلافہ کے علاوہ دیگر مقامات پر بھی تعمیرات میں صرف کرتا تھا۔ دیہات و پرگنہ جات میں بھی اس کی آمد و رفت رہتی تھی اور ہرچند اس کے اس فرمان کا بھی عمال پر بڑا اثر تھا کہ کوئی اہل کار کسی شخص سے نذرانہ قبول نہ کرے لیکن اس کے اپنے دورہ اور آمد و رفت کی وجہ سے بھی افسران مالی و ملکی خوف زدہ رہتے تھے اور اس طرح غریب دیہاتی اور عوام ماتحت حکام کی استبداد پرستیوں کا تختۂ مشق بننے سے محفوظ رہتے تھے۔

لیکن اُس کی رعایا پروری یہیں تک ختم نہ ہو جاتی تھی۔ وہ راتوں کو لباس تبدیل کرکے اِدھر اُدھر نکل جاتا۔ وہ لوگوں میں شامل ہو کر اُن کے حقیقی خیالات سے آگاہی حاصل کرتا اور اپنی ذات کے متعلق لوگوں کے خیالات سنتا۔ لوگ اس کی تعریف بیان کرتے تو خدا کا شکر ادا کرتا اور زیادہ خدمات کی توفیق رفیق ہونے کے لیے دست بدعا ہوتا۔ اگر کوئی برائی سنتا تو اُسے دور کرنے کی کوشش کرتا اور اگر کسی حاکم کی زیادہ شکایت سے اُس کے کان آشنا ہو جاتے تو اُس کی سرزنش کرتا۔

بادشاہ کی اس نیک عادت کو تاریخ حسن کے مصنف نے نہایت مختصر مگر جامع طور پر مندرجہ ذیل الفاظ میں ادا کیا ہے "پادشاہ شب ہا روش بسیار می‌نمود و تغییر لباس کردہ شب ہا سیر می‌کرد تا حسن و قبح اعمال مردم بر وی منکشف شود"

بادشاہ کا زہد و اتقا

جس بادشاہ کی نظر میں زر [illegible] بیگانہ اور [illegible] حرام ہو [illegible] بادشاہ [illegible] ہوتے اور [illegible] قلیل استطاعت [illegible] کے باوجود [illegible]

ے نسخۂ مخطوطہ قلمی تاریخ ۱۳۰۱ھ جو راقم الحروف نے راجہ شیر علی خاں صاحب جاگیردار [illegible] تحصیل ہندواڑہ کشمیر کے پاس دیکھی تھی۔

رکھتا ہو اور دیگر بیگمات اور کنیزوں اور لونڈیوں کی کثرت سے بے نیاز ہو۔ اس کے زہد واتقا میں کیا کلام ہو سکتا ہے۔

مشائخ عظام اور علمائے کرام کی خاک پا کو وہ طوطیائے چشم تصور کرتا تھا۔ مساجد و مزارات کی تعمیرات میں اس نے فراخدلی سے کام لیا۔ زینہ لنک میں جو عالیشان محل اس نے تعمیر کرایا اس میں بھی عبادت خانہ بنائے بغیر نہ رہ سکا۔ جہانگیر اپنی توزک میں لکھتا ہے۔ "در یک طرف آں از صفہ عمارتے بہ اتمام رسانیدہ عبادت کدہ بہ جہت پرستش پروردگار خود ترتیب دادہ کہ ازاں نقش بر جائے نمے باشد"

جہانگیر لکھتا ہے "لوگوں میں اس کا اسقدر احترام ہے کہ اس کو ولی سمجھ کر اس کے خوارق عادات بیان کرتے ہیں۔ چنانچہ جہانگیر اس کی ایک کرامت کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے۔:

روزے یکے از ناخلف زادگان بقصد قتلِ اُو دراں عبادت خانہ اُو را تنہا یافتہ شمشیر کشیدہ درمے آید۔ چوں اور بر سلطان مے اُفتد بنا بر صلابت۔ پدری وشکوہ صلاح سراسیمہ و مضطرب گشتہ مے گردد۔ بعد از لحظہ سلطان از عبادت خانہ برآمدہ باہماں پسر در کشتی مے نشیند و روانہ شہر مے گردد۔ دراثنائے راہ بہ آں پسر مے گوید۔ کہ تسبیح خود را در عبادت خانہ فراموش کردہ ام بر زورتے سوار شدہ۔ تسبیح را خواہی آورد۔ پسر بہ عبادت خانہ درآمدہ پدر را دراں جا مے بیند۔ آں بے سعادت از روئے شرمندگی تمام در پائے پدر افتاد۔ عذر خواہئے تقصیر خود مے نماید۔

جہانگیر لکھتا ہے: بادشاہ بہ ایں سطوت و شوکت چلہ کشی بھی کرتا

Marfat.com

تھا۔ چنانچہ ایک چلّہ اُس نے اُسی عبادت خانہ میں گزارا اور ارباب سلوک وریاضت کے ساتھ عبادت الٰہی میں مشغول ہوا اور اس طویل عرصہ میں دیگر لذات دنیوی کے ترک کے ساتھ اُس نے اپنی آنکھوں کو بھی خواب سے آشنا نہ کیا۔

اس سے زیادہ اس کی عبادت و ریاضت اور اس کی پاک و بے عیب زندگی کا اور کیا ثبوت ہو سکتا ہے۔

Marfat.com

پندرھواں باب

دربارِ بڈشاہی کے ارکان

بڈشاہ کس طرح بڈشاہ بنا بڈشاہ کے حالات میں تم نے دیکھا ہوگا موسیقی اور گانے بجانے کے اہلِ فن سے اُس کا دربار بھرا پڑا تھا۔ اُس نے نہ صرف موسیقی دانوں کی قدر دانی پر ہزاروں اور لاکھوں صرف کر دیے بلکہ آلاتِ موسیقی کو طلاکار بنا دیا۔ اس علم پر کتابیں لکھوائیں اور خود کئی قسم کے ساز ایجاد کیے۔ کیا ایسا بادشاہ جہاں اس قسم کا راگ رنگ رہتا ہو۔ ہندوؤں میں بڈشاہ (یعنی ہندوؤں کا بادشاہ) اور مسلمانوں میں " مقربِ درگاہ لم یزلی" اور عوام کی نظروں میں بڈشاہ یعنی بہت بڑا بادشاہ مشہور ہو سکتا ہے۔

وہ علماؤ صلحا کی صحبتوں کو "حاصل زندگانی" سمجھتا تھا۔ ان کی ناراضگی اس کے لیے سوہانِ روح تھی اور ایک جلیل القدر بادشاہ ہوکر ان کے آستانوں پر جاتا اور گھنٹوں ان کے پاس بیٹھا رہتا اور ان کی خاطر خانقاہیں، مسجدیں، بانات اور مکانات تعمیر کراتا۔ عبادت و ریاضت میں اتنا محو رہتا کہ بقول جہانگیر بادشاہ ایک چِلّہ فقر و فاقہ کے ساتھ کاٹتا

Marfat.com

اور فقہ و حدیث کی کتابوں کے لیے مکہ معظمہ تک آدمی بھیجتا۔ کیا ایسا خشک مُلا کبھی مملکت رانی کا اہل ہو سکتا ہے۔

بات یہ تھی کہ اُس کا ہر کام اپنے اپنے موقعہ اور محل پر ہوتا تھا۔ اس کے دربار میں جو موسیقی دان تھے وہ بڑے بڑے اہل علم تھے۔ اس فن پر کتابیں تصنیف کرتے تھے اور بادشاہ سے انعام لیتے تھے۔ وہ بھڑوے اور میراسی نہ تھے کہ اپنے [illegible] اخلاق سے بادشاہ کی صحبتوں کو بدنام کرتے۔ بادشاہ نے کبھی طوائفوں کی سرپرستی نہیں کی بلکہ اس کے طویل عہد میں بازاری عورتوں کا کہیں کوئی پتہ نہیں ملتا ممکن ہے اس کے مبارک دور میں ان کا وجود تک بھی نہ ہو۔ وہ موسیقی کی قدر دانی ایک علم اور فن کی حیثیت سے کرتا تھا۔

اس کے علما و صلحا بھی اس زمانے کے سے نہ تھے کہ اپنی خود غرضیوں سے بادشاہ کو کسی محکوم قوم کی طرف سے بدگمان و گمراہ کرتے اور نہ بادشاہ کی فطرت اس قسم کی بدگمانیاں قبول کرنے کے لیے تیار تھی۔

وہ خود عالم و شجاع اور بے تعصب و وسیع المشرب بادشاہ تھا اور اُس کے سب درباری بھی اُس کے رنگ میں رنگے ہوئے تھے اور حقیقت یہ ہے کہ اگر درباری ارکان اچھے ہوں، عالم بے تعصب، وارثِ ملک کے خیرخواہ ہوں، بداخلاقی برائیوں سے نہیں بلکہ انسانوں کے سے رہتے ہیں تو بادشاہ اکبر میں کمال و خوبی تھی تو کوئی مملکت و سلطنت کو کسی قسم کا ضعف نہیں پہنچ سکتا۔

رنجیت سنگھ اور اکبر کا ذکر

ہمارے سامنے اکبر اور رنجیت سنگھ دو مثالیں موجود ہیں وہ ہر چند علم کے مادہ سے نہیں تھے اور دولت علم سے

بالکل محروم تھے لیکن یہ سب کو معلوم ہے کہ ان کے ارکانِ سلطنت اگر قابل زیرک اور ملک اور بادشاہ کے نام پر اپنی جان تک فدا کرنے کے لیے تیار نہ ہوتے تو یہ دونوں بادشاہ کبھی لازوال شہرت حاصل نہ کر سکتے۔ ان کے درباروں میں ہندو اور مسلمان دونوں موجود تھے۔ اور گو اکبر کے ہاں بھی رنگ رلیوں کی کمی نہ تھی اور رنجیت سنگھ تو کئی رانیوں کی موجودگی کے باوجود "گل بیگم اور موران" جیسی شاہدان بازاری کے ہاتھوں بک چکا تھا اور قلعہ کے اندر "عورتوں کی ایک مسلح فوج" بھی بطور باڈی گارڈ رکھتا تھا۔ لیکن اس پر بھی دیکھ لو کہ اکبر، اکبرِ اعظم ہو کے مرا اور رنجیت سنگھ پنجاب کے علاوہ افغانستان تک پہنچا۔ اس کی وجہ کیا تھی صرف یہی کہ اکبر کے ارکانِ سلطنت اپنی قابلیتوں اور راعی و رعایا کی خیر خواہیوں کی وجہ سے نورتن اکبری بن کر چمکتے رہے اور رنجیت سنگھ کے مصاحب و مشیر تلوار اور قلم کے دھنی ہونے کے علاوہ ہمیشہ ملک کی نیک نامی اور سلطنت کی تقویت کا باعث بنے رہے۔

خوش قسمتی سے بڈشاہ کو بھی قدرت نے اسی قسم کے مشیر و مصاحب دے رکھے تھے۔ بادشاہ چونکہ کثیر التعداد مسلمانوں کے علاوہ قلیل التعداد ہندوؤں کا بادشاہ بھی تھا۔ اس لیے اُس کے دربار میں ہندو اور مسلمان دونوں مذہبوں کے نمائندے موجود رہتے تھے جس طرح اکبری دربار کے ارکان نورتن اکبری کہلاتے ہیں اسی طرح زین العابدین کے ارکان سلطنت مرینہ رتن کے نام سے موسوم کیے جا سکتے ہیں جن کی ایک مختصر سی فہرست ذیل میں درج ہے۔

ارکان بڈشاہی کی مختصر سی فہرست

نمبر شمار	نام	عہدہ	نمبر شمار	نام	عہدہ
۱	محمد خاں	نائب السلطنت	۲	شری بھٹ	افسر الاطبا

Marfat.com

نمبر شمار	نام	عہدہ	نمبر شمار	نام	عہدہ
۳	سید نصیر الدین خانیاری[1]	سفیر	۱۳	میر علی بخاری	قاضی شہر
۴	ہمت رینہ	سپہ سالار	۱۴	مُلّا جمال الدین	قاضی القضاۃ
۵	احمد رینہ	امیر الجیش	۱۵	مُلّا کبیر	شیخ الاسلام
۶	ملک احمد ایتو	مدار المہام	۱۶	میر علی گنائی	مصاحب
۷	ملک مسعود ٹھاکور	وزیر	۱۷	نتو گنائی	امیر الامراء
۸	ملک جلال الدین بہلکور	مشیر سلطنت	۱۸	سداشیو بائیو	جوتشی و منجم
۹	گوپال کول[2]	صدر قانون گو کشمیر	۱۹	سید حسین قمی رضوی	فخر العلماء
۱۰	مادھو کول[3]	قانون گو کامراج	۲۰	ملا پارسا	مصاحب مدرس
۱۱	گنیش کول[4]	قانون گو مراج	۲۱	سید محمد بیہقی	مصاحب
۱۲	خواجہ بدیع الدین باندی[5]	رئیس الملک	۲۲	سید ناصر الدین	مصاحب خاص
			۲۳	حسین چک	امیر الملک

متذکرہ صدر درباریوں میں سے چند ایک کے حالات طبقہ علما میں درج ہوں گے۔ بعض کا ذکر بادشاہ کی ملکی مہمات کے سلسلہ میں آچکا ہے۔ چند ایک کا ذکر ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

———— ————

[1] از اسرار الاخیار

[2] تا [4] کے لیے ملاحظہ ہو۔ مجموعہ شیوا مصنفہ نرم ہوں کھونی باجی

[5] از گلزار خلیل مصنفہ خواجہ حسن شہری۔

Marfat.com

افسر الاطبا حکیم شری بٹ

سلطانؒ کے نامی طبیبوں، ندیموں اور مقربوں میں شری بٹ کا بہت بڑا درجہ تھا۔ وہ طبابت میں منتخب روزگار تھا اور سلطان اس پر انواع و اقسام کی نوازشیں کیا کرتا تھا حکیم شری بٹ ہی تھا جس کی تحریک و سفارش سے بادشاہ نے حکم عام دیدیا کہ سلطان سکندر کے زمانہ سے جو لوگ جلا وطن ہو کر ممالک غیر میں چلے گئے ہیں وہ وطن میں واپس آسکتے ہیں اور جہاں جہاں ان کی جائیداد ہے وہ اس پر قابض ہو سکتے اور جہاں جہاں ان کے معابد ہیں وہ ان میں عبادت کر سکتے ہیں۔ ان کے علاوہ اور بھی بہت سی رعائتیں دیں۔ جن کا ذکر اپنے موقع پر ہو چکا ہے۔

یہی شری بٹ تھا جس نے اُس زمانہ میں جبکہ لوگ حُبِّ وطن اور قوم پرستی کے جذبات سے محروم اور ایثار و قربانی کے محسوسات سے بے بہرہ تھے وہ کام کر دکھایا کہ اس کے قریباً دو سو سال کے بعد شاہجہان کے زمانہ میں اس کی ایک مثال ملتی ہے جس میں بادشاہ کی بیٹی جہاں آرا بیگم کا کامیاب علاج کرنے کے بعد ایک انگریز انعام و اکرام کے بدلے اپنی قوم کی تجارت پر سرکاری محصول کی معافی کا خواستگار ہوتا ہے شری بٹ نے بھی بادشاہ کا کامیاب علاج کیا اور جب بادشاہ نے اس کو انعام دینا چاہا تو اس نے ذاتی انعام کی بجائے اپنی تمام قوم کے لیے انعام کی درخواست کی اور جزیہ کی معافی مانگی چنانچہ بادشاہ نے جزیہ تمام ہندوؤں پر سے معاف کر دیا۔

طبقات میں ایک اور جگہ شری بٹ کے متعلق لکھا ہے کہ وہ بادشاہ کا وزیر بھی تھا اور بہت قابل تھا۔ بادشاہ کو اس کی خاطر اس قدر منظور تھی اور اس کی خدمات

لہ طبقات اکبری۔

Marfat.com

اور قابلیتوں نے اُس کے دل پر ایسا اثر کر رکھا تھا کہ اس نے اپنے نامی طبیب اور ... مشیر کی وفات پر زبانی افسوس ہی کا اظہار نہیں کیا بلکہ اس کے ... کروڑ زرِ کشمیر جو اکبری سکہ کے مطابق چار سو اشرفی کے برابر ہے مقرر کیا طبقات ... اسناط اس عصبہ کی تصدیق کے لیے حسب ذیل ہیں " شری بٹ۔ ... عالم رفت سلطان یک کروڑ زرِ کشمیر کہ چار صد اشرفی باشد۔ ... مود "

شری بٹ ایسا کامل طبیب ...

" صاحب طبقات اکبری ... اس فن میں منتخب روزگار تھا ... کوئی تصنیف کشمیر میں نہ مل سکے تعجب ہے۔ ہمارے خیال میں ... فن پر کوئی کتاب ملکی کتا بیں لکھی ہونگی۔ جو آج ہماری ...

سید ناصر الدین

سید ناصر الدین زین العابدین کے ... اپنی مجلس میں ان کو (ان کے علم وفضل ... کی وجہ سے) ہمیشہ اپنے آپ پر سبقت و فوقیت دیتا تھا ... ناصر ... نکتوں سے زین العابدین کے پوتے سلطان حسن شاہ ... بیٹے محمد و حسین پیدا ہوئے محمد۔ محمد شاہ کے ... کشمیر کا بادشاہ ...

سلطان حسن شاہ نے ... سلطان ...

وہ چونکہ بڈشاہ جیسے جلیل القدر بادشاہ کی آنکھیں دیکھے ہوئے تھے اور ... بگڑنے اور بننے کے وجوہ و اسباب سے کما حقہ آگاہ رکھتے تھے ... شاہ کو اس کی بے اعتدالیوں سے منع کیا لیکن اس نے راہ راست ... بجائے آپ کی مرتب وقت کوئی سے ناراض ہوکر آپ کا ...

Marfat.com

دہلی چلے گئے اور وہیں رہائش اختیار کر لی۔ جب ان کے بعد باہمی خانہ جنگیوں سے کشمیر میں ابتری پھیلنی شروع ہوئی اور حسن شاہ نے آپ کو یاد کیا اور دہلی میں آپ کے لانے کو آدمی بھیجے۔ آپ اُس وقت ضعیف العمر تھے اور سفر کے ناقابل لیکن ملک کی تباہی کی خبریں سن کر آنسو نکل آئے۔ چنانچہ آپ کشمیر کو روانہ ہو گئے اور جب تمام مراحل طے کر کے درۂ پیر پنجال کی سربفلک بلندی پر پہنچے تو طبیعت زیادہ کمزور ہو گئی اور وہیں ٹھہر گئے۔

حسرت پہ اُس مسافر بیکس کی روئیے
جو تھک گیا ہو بیٹھ کے منزل کے سامنے

خیال یہ تھا کہ ع
آگے چلیں گے دم لے کر

لیکن قدرت اس وقفہ قیام ہی کو دم واپسین بنا رہی تھی۔

چنانچہ آپ نے اسی عالم مہجوری میں جاں جانِ آفرین کو سونپ دی۔ ؎ المؤلف

ہائے اے ولولۂ خواہش اصلاح وطن
تجھ سا پُرحسرت وارمان نہ دیکھا نہ سُنا

ملک مسعود و ملک جلال

تاریخ کشمیر میں ٹھاکور خاندان کا بڑا مرتبہ ہے۔ ملک مسعود و ملک جلال اسی خاندان کے نونہال تھے۔ بابا داؤد

لے ٹھاکر یا ٹھکور کی صحیح وجہ تسمیہ معلوم نہیں ہوسکی۔ بابا داؤد مشکواتی جو اسی خاندان سے شاہجہان کے زمانہ میں ایک عارف کامل بزرگ ہوئے ہیں لکھتے ہیں: ٹھکور ہم غوریوں کا نام ہندوستان میں رکھا گیا تھا جس کے معنے پیشوا کے ہیں۔ مولوی سعادت مفتی گلشن کشمیر میں لکھتے ہیں: ٹھکور کے معنی پہلوان اور "شہ زور" کے ہیں۔ لیکن یہ کوئی نہیں لکھتا کہ ٹھکور ہے کس زبان کا لفظ۔

Marfat.com

مشکواتی اسرار الابرار جو خود بھی اسی خاندان سے ہیں۔ شیخ اوز ٹھکور کے حالات میں اپنا خاندانی تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ ہم ضحاک بادشاہ کی نسل سے ہیں۔ جب فریدوں ضحاک پر غالب آیا تو ضحاک کی اولاد کوہ غور میں چلی آئی۔ اس خاندان میں سب سے پہلے شیب نے مذہب اسلام قبول کیا۔ جب غوریوں پر غزنی و دہلی میں زوال آیا تو حوادث روزگار کے باعث ان کا ایک نامور فرد حسن غوری ایک مختصر سی جماعت کے ساتھ کشمیر چلا آیا۔ شاہان کشمیر نے ان کی نجابت و شجاعت سے آگاہ ہو کر حسن غوری کو عمدۃ الملک کا خطاب دیا لیکن عوام میں وہ صرف ملک کے نام سے مشہور ہوئے۔ چنانچہ ملک حسن، ملک غازی ٹھکور، ملک تیمور ٹھکور، ملک مسعود اور اس کا بیٹا ملک جلال سب اسی نام سے شہرت پذیر ہوئے۔ ملک مسعود بڈشاہ کے عہد میں سپہ سالاری اور وزارت کے عہدوں پر رہا ہے۔ اس کے تدبر انتظام کی بڑی تعریف کی جاتی ہے۔ بڈشاہ ہمیشہ اس کے تدبر و عمل کا محتاج رہا ہے۔ باوجود اس عہدہ اور ان سرکاری مصروفیتوں کے بابا اسمٰعیل زاہد کبروی سے بیعت بھی کی تھی۔ آخر عمر میں مجاہدہ و گوشہ عزلت سے زیادہ سروکار رہا۔ بڈشاہ کی وفات کے ۳۰ سال بعد ۹۱۰ھ میں وفات پائی اپنے باغ میں جو شیخ کدل کے قرب و جوار میں تھا مدفون ہے۔

ملک جلال آپ کا نامور فرزند ملک سیف الدین جو پیر سعد اللہ سکندر بت شکن و علیشاہ برادر بڈشاہ کا داماد تھا۔ ملک سیف الدین کی لڑکی بیبی خاتون اپنے علم و فضل اور اپنے نیک کاموں کی وجہ سے بہت مشہور تھی۔ اس کا نام نیز بیبی کول کی وجہ سے اب تک کشمیر میں زندہ ہے۔ جس کے آثار آج سے چند سال پیشتر راقم الحروف نے جامع مسجد سری نگر کے پاس دیکھے تھے۔

Marfat.com

سولھواں باب

عہدِ بڈشاہی کے مؤرّخ وشاعر

پنڈت زونراج

دارالترجمہ میں تاریخ نویسی کے عہدہ پر ممتاز اور بادشاہ کے معزز درباریوں میں تھا۔ تاریخ نویسی میں اس کو ملک احمد علاّمہ کا ہم پلّہ بتایا گیا ہے۔ زونراج نے کلہن کے مابعد زمانہ سے لے کر سلطان زین العابدین کے وقت تک کے حالات بزبان سنسکرت نظم میں قلمبند کیے۔ جس پر سلطان نے بذریعہ انعام و کرام اپنی پسندیدگی کا اظہار کیا۔ زونراج کی تاریخ کا نام اس کے اپنے اور بادشاہ .. (زین العابدین) کے نام پر زینہ ترنگنی مشہور ہے اور یہ تاریخ کم یاب ونایاب ہی نہیں بلکہ ناپید ہے۔ سٹین صاحب نے اپنے ترجمہ اور نوٹوں میں زینہ ترنگنی کے اکثر حوالجات دیے ہیں اور زونراج کا بھی ذکر کیا ہے۔ چنانچہ وہ لکھتا ہے: زونراج نے اپنی زینہ ترنگنی میں ہندوؤں کے آخری عہد سے لے کر سلطان زین العابدین کے زمانہ تک کے

---

[1] مکمل تاریخ کشمیر حصّہ دوم مصنّفہ راقم الحروف۔

Marfat.com

حالات پر خامہ فرسائی کی ہے۔

زونراج بڑا عالم و فاضل تھا اور کشمیر کے تاریخی حالات پر اسے کامل عبور رہا مگر ہندو مؤرخین کشمیر میں جو درجہ کلہن کو مل چکا ہے وہ کسی اور ہندو مصنف و مؤرخ زونراج، شریدر، شک پرجہ بٹ غرض کسی کو نہیں مل سکا۔

بادشاہ کی وفات سے پندرہ سال پیشتر ۱۴۵۶ء[1] میں کہ ابھی زینہ زندگی اختتام تک بھی نہیں پہنچی تھی۔ زونراج ع

کار دنیا کسے تمام نہ کرد

کے مطابق اپنا کام ادھورا چھوڑ کر اس عالم فانی سے رخصت ہو گیا۔

بادشاہ کی زندگی میں صرف زونراج ہی نے سفر آخرت اختیار نہیں کیا بلکہ اس کی طویل حکومت میں اس کے کئی مصاحب اور وزیر و مشیر بھی ایک ایک کر کے چل بسے اور بالآخر اس کے حال پر اُستاد داغ کا یہ شعر صادق آنے لگا۔ ؎

ہوش و حواس و عقل و خرد جا چکے ہیں سب
اب ہم بھی جانے والے ہیں سامان تو گیا

سوم پنڈت دارالترجمہ کے معزز و سربرآوردہ ارکان میں تھا۔ کشمیر کی تاریخوں کے علاوہ اس کا ذکر صاحب طبقات نے بھی کیا ہے وہ لکھتا ہے: سوم پنڈت سلطان کے دانش مند درباریوں میں تھا۔ وہ کشمیری زبان میں اعلیٰ شعر کہتا تھا اور

---

[1] ترجمہ و نوٹ راج ترنگنی شین صاحب۔

Marfat.com

اور ہندی علوم (سنسکرت) کے علاوہ فارسی عربی اور تبتی زبانوں میں بھی اُسے بڑی مہارت تھی۔ اس نے زین چرت نام ایک کتاب بادشاہ کے نام پر لکھی تھی جس میں اُس کے عہد کے تمام واقعات بالتفصیل درج کیے تھے۔ اُسے علمِ موسیقی میں بھی دخل تھا اور اس علم میں مانک نام ایک کتاب اُس نے لکھی تھی اس لئے ان وجوہات سے وہ ہمیشہ موردِ الطاف شاہی رہا۔ عربی فارسی کی کئی کتابوں کو اُس نے بادشاہ کے حکم سے ہندی زبانوں میں ترجمہ کیا۔ مہابھارت، کہ ہندوؤں کی مشہور و مقدس کتاب ہے۔ سب سے پہلے اسی نے فارسی میں ترجمہ کی راج ترنگنی کو بھی اسی جیّد نامور عالم نے فارسی کا لباس پہنایا۔

زون راج کی زینہ ترنگنی کی طرح سوم پنڈت کی زینہ چرت بھی آج صفحۂ دنیا سے محو و معدوم ہے۔ کشمیر کے یہ علمی و تاریخی جواہرات جانے کس کتب خانہ کی زینت ہیں یا کسی سلطنت کے انقلاب کی نذر ہو چکے ہیں یا کیڑوں مکوڑوں کی خوراک بن گئے ہیں۔ اگر یہ روشنی میں آجائیں تو دنیا کو معلوم ہو جائے کہ کشمیر کا یہ چھوٹا سا مگر خوبصورت، ملک جو آج اپنی علمی و اخلاقی اور سیاسی و مالی کم مائیگی کی وجہ سے دنیا کی نظروں میں حقیر سمجھا جا رہا ہے ہمیشہ سے اسی طرح نہ تھا۔ اس میں علم بھی تھا اخلاق بھی۔ اس کی سیاسیات کشمیر کی حدود سے باہر جا کر کہیں چین و تبت اور کاشغر کے ساتھ ٹکرائی تھیں اور کہیں شاہِ دہلی کے ملک سے دو چار ہوتی تھیں۔ اس کی اقتصادیات کا یہ عالم تھا کہ دُور دراز کے ملکوں سے لوگ اس ملک کی قدر دانیاں اور فیّاضیاں سن کر آتے تھے اور مالا مال ہوتے تھے۔ لیکن آہ آج یہ سب باتیں ایک افسانہ سی معلوم ہوتی ہیں۔ ؎

ہم بھی کبھی باسرو سامان تھے۔۔ ہم بھی کسی وقت میں انسان تھے
ہم نے بھی کھایا ہے بہت شہد و شیر ہم نے بھی پہنا ہے سمور و حریر
لوگ تھے شاگرد ہم استاد تھے سارے زمانے کے ہنر یاد تھے

Marfat.com

ملک الشعرا ملا احمد بڈشاہی

ملا احمد کاشمیری بڈشاہ کے دارالترجمہ و دارالتصانیف کی روح رواں تھا۔ ملا احمد نے بادشاہ کے حکم سے رتنہ پوران اور راج ترنگنی جیسی قدیم سنسکرت تاریخوں کو فارسی کا لباس پہنایا اور نام اپنی تاریخ کا وقائع کشمیر رکھا۔

ملا احمد کی قوت استدلال، لطافت طبع اور قادر الکلامی کا تمام مؤرخین نے اعتراف کیا ہے۔ دربار شاہی کے علمی مباحثوں میں جو نامور ادبا و شعرا حصہ لیتے تھے ملک الشعرا ملا احمد ان سب کا سرتاج تھا۔

ایک دن بزم آراستہ تھی۔ بادشاہ سلامت تخت پر جلوہ افروز تھے ملا احمد بھی دستار کا شملہ پیشانی پر شاخوار لٹکا کر جھومتے جھامتے بلکہ بانپتے کانپتے جب دربار میں آئے تو بادشاہ نے مسکرا کر فی البدیہہ یہ شعر پڑھا ۔

شاخ پیشانیست ملا احمد کشمیر بہ بین
گر نہ دیدستی تو در آفاق انساں شاخوار

بادشاہ مذاق صحیح اور طبع سلیم رکھتا تھا۔ اس کے درباری مصاحب اور شعرا بھی اسی رنگ میں رنگے ہوئے تھے اور ملا احمد تو ملک الشعرا ہی تھا فوراً یوں بول اٹھا ؎

شاخ پیشانیست ندیدا گرگ دارے داشتم
تا نیایم درمیان مادہ گاواں در شمار

Marfat.com

جواب کی برجستگی ملک الشعراُ ملّا احمد کے ذہن رسا کا پتہ دے رہی ہے۔

تاریخی اوراق میں ملّا احمد کے استاد کا نام ملّا محمد افضل بخاری ثم الکشمیری بتایا جاتا ہے۔ شاگرد نے اپنے استاد کی زندگی ہی میں ملک الشعراُ کا خطاب اور بادشاہ کی مصاحبت و قربت کا اعزاز حاصل کر لیا تھا۔ لیکن اس منتہائے کمال پر بھی ملّا احمد اپنے استاد کی خدمت گزاری اپنا فخر سمجھتا رہا۔ بقولِ شاعر ؎

احسان یہی ہے فخر میرا
شاگردِ جلالؔ لکھنوی ہوں

مناظرہ و مباحثہ و بدیہہ گوئی میں فرد کامل تھا۔ ''وقائع کشمیر'' کے علاوہ مہابھارت کا فارسی ترجمہ بھی اس کی یادگار ہے مرنے کے بعد ملک پورہ یعنی ... مزار السلاطین میں جگہ پائی۔ حسد اور حاسدوں سے زمانہ کبھی خالی نہیں رہا۔ مولانا احمد بھی اس سے نہ بچ سکے۔ جب دربار سے ملک الشعراء کا خطاب ملا، حاسد اور بھی جل گئے۔ آخر کہہ سن کر بادشاہ کو ملّا احمد سے برافروختہ کرا دیا۔ یہاں تک کہ ملّا بیچارہ پکھلی (ہزارہ) چلا گیا۔ اور ایک مدت تک وہاں سرگرداں رہا۔ آخر یہ رباعی لکھ کر بادشاہ کی خدمت میں بھجوائی ؎

نے بہ نحوم ز مبتدا خبرے ...
نے بہ منطق ز جزو و کل اثرے
بر من ایں کسر و جر چرا دانند ...
احمد از غیر منصرف خوانند ...

Marfat.com

سلطان اس رباعی کے ملاحظہ و مطالعہ سے بہت خوش ہوا۔ واپس بلایا اور بیش از بیش انعام عطا فرمایا۔[1]

ایک دن ملا احمد[2] نوشہرہ میں سلطان کی خدمت میں حاضر تھا۔ ایک فقیر ہاتھ میں کاسہ گدائی یعنی کچکول لیے آیا اور نہایت بیباکی کے ساتھ اُسے بادشاہ کے سامنے رکھ دیا۔ بادشاہ کو اس کی یہ حرکت ناگوار گزری۔ طیش میں آ کے فرمایا۔ یہ کچکول تم کو کس نے دیا ہے؟ وہ تو خاموش ہو رہا۔ ملا احمد اُٹھا اور فی البدیہہ بولا ؎

اے آنکہ ترا تاجوری داد سری داد
در دست گدا کوزۂ دریوزہ گری داد

اس شعر کا سُننا تھا کہ بادشاہ کا غصہ فرو ہو گیا۔

ملا احمد کے متفرق اشعار جو مختلف تاریخوں اور بیاضوں سے مل سکے ہیں ذیل میں درج کیے جاتے ہیں ؎

"آنچہ ز رشدم بے خبر خویشتنم
نیستم نیستم [illegible] در [illegible] خویشتنم
شور واقعہ ہاے کہ از [illegible] برست
[illegible] افتاد [illegible] بستم

---

[1] از مکمل تاریخ کشمیر حصہ دوم مصنفہ راقم الحروف
[2] ورق ۳ از بیاض خواجہ محمد اسمعیل صاحب نامی سری نگر

Marfat.com

از کوئے کہ شد موج خیالم کہ کزانجا..
ہر کاوش دل گل بہ کنار است دریں باغ
مرہون رگ گل شدہ ہر نالۂ بلبل....
زاں ساں کہ صدا در پئے خار است دریں باغ

*

مُلّا نادری معلوم ہوتا ہے اصل وطن کشمیر نہیں تھا البتہ بادشاہ کی عنایات نے کشمیر کو وطن بنانے پر مجبور کر دیا تھا اور کمالات علمی بھی کشمیر سے باہر ہی حاصل کیے تھے۔ چنانچہ علامہ ہدایت اللہ[۲] اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں: "بعد تحصیل کمالات علمی در عنفوان جوانی بہ کشمیر رسید"۔

ملا نادری کی تاریخ کشمیر اور اس کی شاعری کا ذکر اکثر تاریخوں اور بیاضوں میں درج ہے لیکن نہ اس کا دیوان کہیں ملتا ہے اور نہ اس کی تاریخ کا کوئی پتہ چلتا ہے۔ آج سے پونے دو سو سال پہلے کا مصنف علامہ مولوی ہدایت اللہ جو ۱۱۷۵ھ سے ۱۲۰۶ھ تک عہدہ شیخ الاسلامی پر رہا ہے مصاحبین بڈشاہ کا تذکرہ کرتے ہوئے ملا نادری کے حالات میں لکھتا ہے: "طبع موزوں داشت اشعار آبدار مے گفت تاریخ کشمیر از وے یادگار ست"۔ لیکن وہ تاریخ ہے کہاں اس کے متعلق لکھتے ہیں: "مگر بہ نظر وقائع نگار نہ رسید"۔ صاحب تاریخ حسن بھی ملا نادری کی تاریخ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ "اسمش معلوم و جسمش معدوم"۔

---

[۱] از بیاض خواجہ محمد اسمٰعیل صاحب نامی سری نگر۔

[۲] بعہد نور الدین خاں و جمعہ خاں، الکوزئی ناظمان کشمیر۔ کشمیر میں نہایت نامور عالم گزرے ہیں۔

Marfat.com

صرف آپ کا ایک ہی شعر ملتا ہے۔ وہی درج ہے۔ ؎

برقع نوراست بر رخسار آتش ناک تو
باز تاب عارضت آتش فتادہ در نقاب[1]

برقعہ کا لفظ ظاہر کرتا ہے کہ زمانہ بڈشاہی میں بھی اس کا رواج تھا۔

ملّا محمد شاعر

طبقات اکبری بڈشاہ کے حالات میں ایک شاعر سلطان محمود[2] کا ذکر کرتے ہیں اور لکھتے ہیں۔ وہ اہلِ علم ہونے کے علاوہ نہایت زیرک و دانا تھا۔ ہر قسم کے بحر و قافیہ میں بدیہہ اشعار کہتا تھا اور جب کبھی مشکل سے مشکل علمی سوال اس سے کیا جاتا وہ اسی دقت اور بے تامل اس کا حل کر دیتا تھا۔

افسوس ہے صاحب طبقات نے اس کا کوئی شعر اور اس کی بدیہہ گوئی کا کوئی واقعہ درج نہیں کیا۔

بادشاہ کی شاعری

زین العابدین کے نام سے کشمیر میں ایک مناجات [illegible] زبان [illegible] پڑھی جاتی ہے اور کہا جاتا ہے کہ یہ بڈشاہ کی تصنیف ہے۔ لیکن اس پر وثوق و اعتبار کسی تاریخ داں کو نہیں ہے۔

فارسی میں اس کا ایک مسدس شکوۂ [illegible] کے بارے میں لکھا جا چکا ہے۔ دوسرا شعر بیاض [illegible] [illegible]

---

[1] از بیاض فخر الدین کاشمیری نوشتہ ۱۰۳۳ھ قلمی نسخہ [illegible] صاحب [illegible] سرینگر۔

[2] طبقات اکبری کے علاوہ دوسری تمام تاریخوں میں محمود کی [illegible] محمد [illegible] ہے۔

Marfat.com

کی طرف منسوب کیا گیا ہے اور جو حسب ذیل ہے۔ ؎

جہاں نتواں ستردن نقش عشق سر شکن ہرگز
حکایت ہا زبان تیشۂ فرہاد مے گردد

سو سال کے بعد حضرت یعقوب صوفی کاشمیری (اکبر کے زمانہ میں)

اس کی تضمین اس طرح کرتے ہیں۔ ؎

نگردد کم نوائے بلبل از شور زغن ہرگز
نہ سازد محو ہنگام خزاں حرف چمن ہرگز...
غم دنیا نہ سازد تلخ فکر عیش من ہرگز
جہاں نتواں ستردن نقش عشق سر شکن ہرگز
حکایت ہا زبان تیشۂ فرہاد مے گردد

کشمیر میں اکثر شعرا کے تذکرے بھی ہیں اور بیاضیں بھی۔ میں نے بھی کئی ایک بیاضیں دیکھیں۔ مگر افسوس ہے دور بڈشاہی کے شعرا کے اشعار و حالات حسب خواہش نہ مل سکے اس لیے جو کچھ دستیاب ہو سکا ہے وہ سطور متذکرہ الصدر میں حاضر کر دیا گیا ہے۔

قاضی حمید حمید الدین نام تھا۔ ان کے بزرگ قضا کے عہدوں پر ممتاز رہے ہیں۔ اس لیے قاضی کہلاتے تھے۔ ان کا ذکر کسی جگہ تفصیل سے نظر نہیں آیا۔ تاریخ حسن (غیر مطبوعہ) میں صرف ایک سطر درج ہے۔ "قاضی حمید در زبان بڈشاہ تاریخ تصنیف کردہ است نقل آں نایاب"۔ آج قاضی حمید الدین دنیا میں نہیں ہے بلکہ اُس کی کتاب بھی نایاب ہے لیکن صاحب طبقات یعنی مورخ ہونے کی حیثیت سے تاریخوں میں اُس کا نام آج بھی زندہ ہے۔ سچ ہے ؎

رہتا ہے ذوق نام سخن سے ابد تلک
اولاد سے تو ہے یہی دو پشت چار پشت

Marfat.com

سترھواں باب

عہد بڈشاہی کے علماء و مشائخ

علماء و مشائخ کی کثرت

یہ صحیح ہے کہ بڈشاہ نے ترویج اسلام و تائید سنت نبوی کے لیے وہ لائحہ عمل اختیار نہیں کیا جو سلطان سکندر اور اس کے وزیر ملک سیف الدین کے پیش نظر رہا اور بعض مورخین نے دبے الفاظ میں اس کی شکایت بھی کی۔ جیسا کہ صاحب تاریخ حسن (صفحہ ۱۰۵) لکھتے ہیں: "در ترویج اسلام و سنت نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام بہ مرتبہ پدر توفیق نہ یافت"۔ لیکن اس میں بھی کلام نہیں کہ سکندر اور سیف الدین نے ترویج اسلام کے لیے جو کچھ کیا ہے اگر وہ صحیح ہے تو اسلام نے اور سنت اسلام نے جو اسلام ہی کا دوسرا نام ہے ہرگز اس قسم کی تعلیم نہیں دی۔

باوجود "بہ مرتبہ پدر توفیق نہ یافت" کے بڈشاہ کے عہد میں کشمیر شریعت اسلامیہ کی پابندی کے لیے خاص طور پر مشہور رہا ہے۔ علماء و مشائخ اور فضلاء و فصحاء کی اُس نے وہ قدردانی کی ہے کہ اس نے کشمیر کو علمستان اور اسلامستان بنا رکھا تھا جس قدر

Marfat.com

علماء ومشائخ اس عہد میں کثرت و شدت سے تاریخوں میں نظر آتے ہیں، اس سے قبل اور اس کے بعد کے کسی بادشاہِ کشمیر کے عہد میں دکھائی نہیں دیتے۔ بلکہ کئی ایسے بھی ہوں گے جن کا نام بھی تاریخوں میں نہ آسکا ہوگا۔ ؎

نہ دانم ز آغاز وانجام شاں
مرا بر زبان بس بُود نام شاں

بڈشاہی عہد کے تمام علماء ومشائخ کے حالات کے لیے ایک علیحدہ دفتر کی ضرورت ہے۔ اس لیے چنداں نام یہاں درج کیے جاتے ہیں۔

۱۔ ملا محمد باقر رومی۔ ۲۔ سید برخوردار۔ ۳۔ ملّا احمد رومی۔ ۴۔ سید محمد شیبانی۔ ۵۔ سید محمد رشید۔ ۶۔ سید محمد لورستانی (ایران)۔ ۷۔ حافظ فتح اللہ خوشخوان۔ ۸۔ مولانا احمد مروی۔ ۹۔ مولانا نورالدین۔ ۱۰۔ سید حسین رومی۔ ۱۱۔ شیخ سلطان کبروی پھکلی۔ ۱۲۔ شیخ شمس الدین رینہ پوری۔ ۱۳۔ حضرت سید حبیب کاسانی۔ ۱۴۔ سید ہلال۔ ۱۵۔ میر سید حبیب اللہ سرخابی۔ ۱۶۔ سید شہاب الدین۔ ۱۷۔ سید حضور اللہ۔ ۱۸۔ حضرت بابا بام الدین۔ ۱۹۔ بابا نصرالدین۔ ۲۰۔ بابا لطیف الدین۔ ۲۱۔ بابا قیام الدین۔ ۲۲۔ سید حسن کوزہ گر۔ ۲۳۔ شیخ الاسلام مولانا کبیر۔ ۲۴۔ ملا جمال الدین۔ ۲۵۔ حافظ بغدادی۔ ۲۶۔ علامہ شمس الدین اندرابی۔ ۲۷۔ سید حسن قمی نوری۔ ۲۸۔ بابا حاجی ادہم۔ ۲۹۔ سید محمد مدنی۔ ۳۰۔ سید محمد عالی بلخی۔ ۳۱۔ میر سید حسن۔ ۳۲۔ میر سید حسین منطقی ۳۳۔ سید جان باز ولی۔ ۳۴۔ بابا زین الدین۔ ۳۵۔ بابا عثمان گنائی۔ ۳۶۔ شیخ بہاؤالدین گنج بخش۔ ۳۷۔ شیخ نورالدین ولی رشی۔ ۳۸۔ میر سید محمد امین اویسی۔

یہ سب بزرگ آسمان تصوف وعلم کے درخشندہ ستارے تھے۔ ان

Marfat.com

میں سے کسی ایک کی خدمت میں بادشاہ خود حاضر ہوتا رہا۔ کئی ایسے تھے جن کے لیے بادشاہ نے خانقاہیں اور درسگاہیں تعمیر کرا دیں اور وظائف اور جاگیریں تو قریباً سب کے لیے مقرر تھیں۔ یہی وہ عالی پایہ صالحین تھے جن کے وجود مبارک کو بادشاہ ہمیشہ نزول رحمت و برکت کا باعث تصور کرتا رہا۔ یہی وہ صاحبانِ ولایت تھے ؎

ذات سے جن کی زمین کو آسمان پر ناز تھا
جن کے سنگ آستاں پر رگ گھستے تھی جبیں

ان میں سے نمبر ۲۳ سے لے کر نمبر ۳۸ تک کے مختصر سے حالات قلمبند کیے جاتے ہیں۔ جو بڈشاہ کی اس عقیدت و ارادت پر بھی بالوضاحت روشنی ڈالتے ہیں جو اسے اس متبرک گروہ سے تھی۔

شیخ الاسلام مولانا کبیر | کشمیر ہی الاصل تھے۔ عنفوان جوانی ہی میں کہ سلطان سکندر کا زمانہ تھا ہرات چلے گئے۔ فقہ و حدیث اور تفسیر کے حصول میں وہ سعی کی کہ ان کے نام شہرت و عزت کے پر لگا کر اڑتا تھا اور تمام عالم اسلام سے ان کو روشناس کراتا تھا۔

بڈشاہ جب بادشاہ ہوا تو بڑی منتوں اور آرزوؤں سے ان کو بلوایا خلہ نوشہرہ میں شاہی محلات کے قریب ان کو جگہ دی۔ منصب شیخ الاسلام کہ اس سے پہلے اس ملک میں اس عہدہ کا دستور و رواج نہ تھا عطا کیا۔

تھوڑے عرصہ گئے تھے کہ ان کی مزید وابستگی و دلداری کے لیے اہل زمانہ پر ایک بادشاہی مدرسہ ایجاد حقانی میں قائم کیا جس کا افسر اعلیٰ مولانا کبیر ہی کو مقرر

کیا۔ مولانا کا مقبرہ محلہ نوشہرہ ہی میں ہے۔

قاضی القضاۃ ملا جمال الدین تمام مؤرخوں نے لکھا ہے ان کا وطن ہندوستان تھا۔ جب کشمیر آئے تو خانقاہ امیریہ (شاہ ہمدان) میں رہائش اختیار کی۔ درود وظائف کے بڑے پابند اور بڑے عالم و فاضل اور جید اہلِ قلم تھے مگر عوام سے ہمیشہ اپنے علم کو پوشیدہ رکھا کرتے لیکن عشق و مشک کا چھپانا بڑا مشکل ہے بلکہ ان کے لیے "نتواں نہفتن" اساتذہ نے لکھا ہے۔ چنانچہ آپ نے کسب حلال کے لیے عرائض نویسی کا کام شروع کیا۔ آپ اہلِ مقدمات کی طرف سے بادشاہ کے دربار میں عرضیاں لکھا کرتے اور جو لوگ کسی حاکم کے خلاف کوئی شکایت لکھواتے تو اس کے تدارک یا اصلاح کے لیے آپ اہلِ شکایات کو عرضیاں لکھ کر دیا کرتے۔ بادشاہ ان عرضداشتوں کے مضامین پڑھ کر بڑا متاثر ہوتا اور عرائض نویس کے تبحر علمی کا قائل ہو جاتا۔

بادشاہ نے کئی دفعہ چاہا کہ عرائض نویس کو اپنے دربار میں بلوا کر اس کے کمال فصاحت سے اور بھی زیادہ بہرہ اندوز ہو۔ لیکن کوئی نہ کوئی امر مانع ہوتا رہا۔ آخر جب آپ نے ایک منظوم درخواست بادشاہ کی خدمت میں بھجوائی جس میں سلطان سکندر کی وفات پر قطراتِ اشک بہائے گئے تھے اور جس کا ایک شعر یہ ہے ؎

شہ کہ بود مرادش بجائے مسکیناں

بجان و دل طلبد دعائے مسکیناں!

تو بادشاہ کو زیادہ انتظار کی تاب نہ رہی اپنے ایک درباری کو آپ کے بلانے کے لیے بھیجا۔ جب آپ بادشاہ کے حضور میں گئے تو وہ قدر دانی و مردم شناسی کا پتلا ایک گوشہ نشین درویش کے ساتھ جو ایک خانقاہ پر تجرد کی سی زندگی بسر

Marfat.com

کر رہا تھا، ادب و احترام کے ساتھ پیش آیا۔ اٹھ کر تعظیم کی اور آپ نے پہلو میں بٹھایا۔[۲] آپ نے بادشاہ کی خدمت میں ایک تصنیف ہدیۃً پیش کی۔ بادشاہ اس کے مطالعہ سے بے حد مسرور ہوا اور آپ کی اعلیٰ قابلیت نے اس کو مسحور کر لیا۔

عرائض نویسی میں جو دلائل و براہین آپ لکھا کرتے تھے بادشاہ ان کو نہایت پسند کرتا تھا اور خیال کرتا تھا کہ اگر ایسا شخص جو انشاء پردازی کے ساتھ دماغ بھی منقفن رکھتا ہے میری قلمرو کی عدالت اعلیٰ کا جج ہو جائے تو انصاف اس سے بڑا نیک نام ہو سکتا ہے۔

چنانچہ بادشاہ نے عہدۂ قاضی القضاۃ ان کے سپرد کیا جو اس زمانہ کی چیف ججی کے برابر ہے۔ قاضی جمال علوم دینیہ اور دنیویہ سے آراستہ تھے اور احکام کے فیصلے بلا کسی لحاظ و مروت کے بلا رد رعایت کے ساتھ کیا کرتے تھے بادشاہ ان کے فیصلہ سے خوش ہو کر ہمیشہ ان پر نوازشوں اور شاہی عنایتوں کا اظہار کرتا رہا۔

حافظ بغدادی اصل وطن جیسا کہ نام سے ظاہر ہے بغداد تھا۔ سلطان کی شہرت سن کر وطن کو ترک کیا اور ہزارہا کوس کا فاصلہ طے کر کے کشمیر پہنچے۔ بادشاہ نے جو نہایت جوہر شناس اور مسافر نواز تھا مصاحبوں میں داخل کر کے اس کی قدردانی فرمائی۔ حافظ بغدادی سے بیشتر لوگوں کو علم و عمل کا فیض حاصل ہوا۔ آپ کبھی کبھی جامع مسجد میں وعظ بھی فرمایا کرتے تھے۔

---

[۱] مکمل تاریخ کشمیر حصہ دوم مصنفہ راقم الحروف۔
[۲] تاریخ خواجہ اعظمی۔

Marfat.com

میر علی بخاری بخارا کے رہنے والے تھے۔ جب کشمیر میں آئے اور بادشاہ تک آپ کے علم و فضل کی خبر پہنچی منصب قضا عطا فرمایا اور عنایات خسروانہ کے دروازے کھول کر عطائے جاگیر کے ذریعے مالامال کر دیا۔

علامہ سید شمس الدین اندرابی کشمیر میں خاندان سادات اندرابیہ[۱] کا وجود امیر کبیر مبلغ اسلام سید علی ہمدانی کے زمانہ ہی سے چلا آتا ہے۔ چنانچہ حضرت امیر کی مراجعت کے بعد سید احمد اندرابی نے جو حضرت امیر کے ہمشیرہ زادہ بھی بیان کیے جاتے ہیں۔ اپنے اہل و عیال کے ہمراہ کشمیر ہی میں اقامت اختیار کر لی۔

سلطان سکندر نے محلات شاہی کے قریب آپ کے لیے ایک عالیشان خانقاہ تعمیر کرا دی جو اس وقت سری نگر کے محلہ ملارٹہ[۲] میں خانقاہ اندرابیہ کے نام سے مشہور ہے لنگر کے مصارف کے لیے چند مواضعات جن میں موضع ویدڑ چیرہ ہار اور اچھن وغیرہ بھی شامل تھے بطور جاگیر عطا کیے۔ ۸۰۴ھ میں آپ نے وفات پائی اور سلطان سکندر نے مزار السلاطین کی صفِ اوّل میں آپ کو جگہ دی۔

کشمیر کا مورخ شائق اپنی تاریخ میں آپکے متعلق لکھتا ہے۔

---

[۱] یہ خاندان عرب سے نکل کر پہلے پہل اندراب میں داخل ہوا۔ وہاں سے کچھ عرصہ کے بعد کوہ ہندوکش کے قریب اقامت اختیار کی لیکن عجم کے وطن اوّل یعنی اندراب کی طرف منسوب ہو کر اندرابیہ کہلایا۔ جب یہ خاندان کشمیر آیا تو یہاں بھی سادات اندرابیہ کے نام ہی سے مشہور ہوا۔

[۲] اس کا اصلی نام مُلا عراقی ہٹہ تھا۔ ملا عالم تحریر کرتے ہیں شاید کسی عراقی مُلا کے نام پر ہو۔ اب اسی محلہ کو ملارٹہ کہتے ہیں۔

Marfat.com

حسینی نسب سیّد احمد بنام
کہ بودہ است از اولیائے کرام

زیاران میر کبیر است او
بہ زُہد و ورع بے نظیر است او

سید شمس الدین اندرابی آپ سے تیسری[1] پشت میں ہیں۔ آپ نے اپنے والد ماجد سید ابراہیم اندرابی سے علوم عقلیہ و نقلیہ کی تحصیل کر کے فقہ حدیث اور تفسیر میں امتیازی شہرت حاصل کی۔ بیان کیا جاتا ہے کہ بیس سال ہی کی عمر میں علوم ظاہریہ کی تکمیل سے آپ فارغ ہو گئے تھے۔

آپ نے سلسلہ درس تدریس جاری کر کے اپنی خاندانی روایات کو ازسرِنو زندہ کیا۔ ساتھ ہی ساتھ تزکیہ نفس کرتے ہوئے مدارج سلوک و منازل عرفان بھی طے کرتے رہے اور آخر آپ نے اپنے علم و عمل سے ثابت کر دیا کہ حد

در کفے جام شریعت در کفے سندان عشق

آپ جیسے صاحبان علوم باطنیہ کے لیے ہی موزوں تھا۔

یہ فاضل ترین ہستی محمد شاہ کی نگاہوں سے زیادہ دیر تک پوشیدہ

---

[1] سید احمد اندرابی کے فرزند سید محمد ان کے سید محمد ابراہیم اور ان کے فرزند سید شمس الدین اندرابی۔

Marfat.com

نہ رہ سکتی تھی۔ چنانچہ اس جوہری نے اس نگینہ کی قدر وقیمت سے آگاہی حاصل کر کے اس کو چار چاند لگا دیے بلکہ آپ کی شادی بھی منطقی سیدّوں کے خاندان میں ہوئی جن کے ایک لڑکے محمد امین اویسی کو بڈشاہ نے اپنا لے پالک بنا رکھا تھا۔

شاہی خاندان میں منسلک ہونے کی وجہ سے ان کا ظاہری انداز بھی شاہانہ ٹھاٹھ کے ساتھ رہا۔ بادشاہ نے بھی اپنے الطاف وکرم کے اظہار سے ہمیشہ اپنی عقیدت کا خلوص دیا۔ سلطان سکندر کی بنا کردہ خانقاہ کے باوجود اسی خانقاہ کے متصل ایک عالیشان مسجد مع حمام ان کے لیے تعمیر کرائی۔ ایک پختہ کنواں بھی کھدوایا۔ لنگر کا انتظام بھی کیا جس سے آپ کے طالبان علوم ومعارف کو دو وقت کھانا ملتا تھا۔

سکندر و بڈشاہ کی دونوں عمارتیں اب تک موجود ہیں۔ پہلی عمارت کو گرمیوں میں اور بڈشاہ کی بنائی ہوئی مسجد کو سردیوں میں نماز کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ بڈشاہی عمارت کے اختتام کی تاریخ "عبادت گاہ نکوکاران" کے فقرہ سے نکلتی ہے اور اگر یہ صحیح ہے تو سمجھنا چاہیے کہ بڈشاہ نے یہ مسجد ۸۵۰ھ میں تعمیر کرائی تھی۔

اس قدر ساز وسامان کے باوجود بھی سید شمس الدین پر زہد ودرویشی کا رنگ غالب رہا۔ آخر عمر میں کوہ ماران (ہری پربت) کے جنوب میں عزت و تنہائی کے ساتھ عبادت کرنے کے لیے آپ نے ایک عبادت گاہ بنوائی۔ یہیں آپ نے ۲ رجب ۹۳۲ھ کو انتقال کیا اور یہیں آپ دفن کیے گئے۔[1]

[1] آپ کا مزار قلعہ ناگر نگر یعنے اکبری قلعہ ہری پربت کے اندر قلعہ مذکور (حاشیہ صفحہ ہذا بر صفحہ آئندہ)

Marfat.com

سیّد محمد میرک[۵] اندرابی آپ ہی کے اکلوتے فرزند تھے جن کی ذریّت سے کشمیر کا مشہور خاندان سادات اندرابیہ اس کسمپرسی کے زمانہ میں بھی اپنے علمی و روایتی وقار کو قائم رکھے ہوئے ہیں۔[۶]

سید حسین قمی رضوی رح آپ بڈشاہ کے عہد میں اپنے وطن قُم (ایران) سے تشریف لائے۔ بادشاہ کو جو مردم شناسی میں فرد یگانہ ہونے کی وجہ سے قیافہ

(حاشیہ صفحہ گزشتہ) اور آخون مُلّا شاہ کی مسجد و حمام کے درمیان واقعہ ہے۔

۵ سال وفات ۹۹۰ھ مدفن خانقاہ اندرابیہ کے جانب جنوب۔ اس مزار پاک کو اہل دل نے فیوض و برکات کا سرچشمہ تسلیم کیا ہے۔

۶ آپ کی ذریات میں سے سیّد محمد عنایت اللہ شہید نے ۱۱۵۹ھ میں بعہد افاغنہ شہادت کا درجہ حاصل کیا۔ سید ابراہیم سید شہید کے دوسرے فرزند تھے جو باپ کے واقعہ شہادت کے بعد کانٹھ پورہ علاقہ لولاب (شمالی کشمیر) میں چلے گئے۔ چنانچہ آپ کی اولاد اب تک وہاں موجود ہے۔ سید کمال الدین سید شہید کے تیسرے بیٹے تھے۔ جن کے پانچ فرزندوں میں علامہ سید سعید اندرابی استاذ العلماء کا درجہ رکھتے تھے۔ علامہ سعید کے بڑے فرزند سید جلال الدین نے عالم سفر میں بمقام پٹنہ وفات فرمایا۔ اس زمانہ کے نوجوان عالم دین اور فخر کشمیر سید مولانا میرک شاہ صاحب اندرابی مولوی فاضل سید جلال الدین کے بڑے بیٹے سید عبد الاحد کے پوتے ہیں۔ مولانا میرک کا نام ملکانہ راجپوتوں کی تبلیغ اور سہ بنگر کی انجمن حفاظت اسلام کے سرپرست اور دارالعلوم دیوبند کا ایک قابل و ممتاز علمی فرزند اور معین الاسلام سونپور کے دارالعلوم کا صدر اور تبلیغ کالج کرنال کا ایک معزز رکن ہونے کی وجہ سے آج تمام ہندوستان میں مشہور ہے۔ آپکا نامور خاندان علوم ظاہریہ اور معارف کے مراتب عالیہ کے اعتبار سے جنرل بل شلک شہرت رکھتا ہے۔ اس کے لحاظ سے خاندان سادات اندرابیہ کے حالات کے لیے ایک مستقل تذکرہ کی ضرورت ہے اور اگر زمانہ نے مہلت دی تو انشاء اللہ یہ تذکرہ بھی (حاشیہ صفحہ آئندہ صفحہ پر)

Marfat.com

دیکھ کر اندرونی کیفیت پر رکھ لیتا۔ اور لفافہ دیکھ کر خط کا مضمون بھانپ لیتا تھا۔ جب آپ کے بے مثال علم وفضل، زہد واتقا، عظمت وفضیلت اور کشف وکرامات کا علم ہوا تو زینہ گیر کی آبادی وبرکت کے لیے باغ زینہ گیر ہی میں آپ کی اقامت کا انتظام کیا۔

سید صاحب بھی ایسے ملک (ایران) سے آئے تھے جس کو کوہساروں مرغزاروں اور چشمہ ساروں کے مناظر نے بہشت ارضی بنا رکھا تھا۔ یہاں آکے بھی یہی کیفیت دیکھی خصوصاً قرب وُلر[۱] کو آپ نے بہت پسند کیا۔ بادشاہ نے بھی آپ کی سیر وتفریح کے لیے چاکواری (ہاؤس بوٹ) پرندہ اور شکارے بنوا دیے۔

کشمیر میں تو سادات تو پہلے سے بھی موجود تھے اور بڈشاہ کے زمانہ میں بھی آئے۔ لیکن کشمیر میں خاندان سادات رضویہ کا سلسلہ آپ ہی سے چلا ہے جو امام علی الرضا کی طرف منسوب ہے جن کا روضہ مشہد مقدس میں زیارت خاص وعام ہے۔

آپ کے فرزند کلاں کا نام حاجی محمد سید ہے۔ جن کا روضہ احمد پورہ ماگام (بارہ مولا) میں واقعہ ہے۔ جس کے ساتھ ایک مسجد اور ایک امام باڑہ بھی ہے

(حاشیہ صفحہ گزشتہ) بھی عالم وجود میں آجائے گا۔ اس خاندان کے افراد طلارٹہ اور کہنٹہ پورہ کے علاوہ کشمیر کے دیگر مقامات جو زل رتنی پورہ اور پنجاب میں لاہور میں بھی پائے جاتے ہیں۔

[۱] جھیل وُلر کی وسعت اس زمانہ میں آج کی نسبت بہت زیادہ تھی۔ مواضعات آدی پورہ۔ وارہ پورہ (جو ٹھاکر کرتار سنگھ صاحب گورنر جموں کو ۱۹۲۷ء میں جاگیر میں ملا ہے) اور حبنگی پورہ سب وُلر ہی کا ایک حصہ تھے۔

Marfat.com

آپ کی اولاد[۱] زیادہ تر اسی موضع میں آباد ہے۔ یہ سب لوگ سادات احمد پورہ[۲] کہلاتے ہیں۔

علامہ سید حسین قمی علیہ الرحمۃ کے دوسرے فرزند کا نام آغا سید احمد[۳] تھا۔ جن کی اولاد مرشد آباد، عظیم آباد، پٹنہ، لاہور اور دیگر مقامات کے علاوہ عراق میں بھی پائی جاتی ہے۔ آپ کے خاندان کے کئی افراد کربلائے معلّٰی میں تحصیل علوم کے لیے گئے جنھوں نے وہیں سکونت اختیار کر لی۔ ان میں آغا سید حسن کاشمیری مجتہد عراق کے نام سے مشہور رہے ہیں۔

۱: اس قبیلہ کے ایک درخشندہ گوہر حاجی سید حسن کا حال ہی میں احمد پورہ میں انتقال ہوا ہے۔ آپ نے کئی حج کیے۔ عراق، ایران، شام و عرب کی سیاحت کی کشمیر کے علماء سادات میں خاص طور پر مقدس وجود تھے۔

۲: نصف صدی سے زیادہ عرصہ گزرا کہ سادات احمد پورہ کی شاخ کے ایک سر برآوردہ رکن علامہ سید قاسم شاہ کشمیر سے پنجاب آئے۔ لاہور میں قیام کیا۔ نوابان قزلباش اس زمانہ میں علم و فضل کے قدردان تھے۔ نواب علی رضا خاں نے اس جوہر شناسی سے کام لیا کہ یہ جوہر گرانمایہ واپس کشمیر نہ جا سکا۔ آخر تمام شیعان پنجاب نے آپ کی تبحر علمی سے آگاہ ہو کر آپ کو مجتہد العصر تسلیم کر لیا۔ شمس العلماء مولانا سید علی حائری صاحب مجتہد العصر پنجاب جو لاہور کوچہ شیعان میں رہتے ہیں آپ ہی کے صاحبزادہ ہیں۔

۳: آپ کی اسی شاخ سے جسٹس آغا سید حسین رضوی قمی ہیں۔ جو کشمیر کے سپوت اور کشمیریوں کے فخر ہیں۔ آپ کی پیدائش ۱۹۲۳ء بکرمی میں ہوئی۔ علوم عربی و فارسی کے بعد کشمیر ہی میں انگریزی کی تعلیم شروع کی اور آپ ہی سب سے پہلے مسلمان ہیں جنھوں نے کشمیر میں نئی تعلیم کی طرف توجہ کی۔ سر راجہ امر سنگھ آنجہانی (موجودہ مہاراجہ سر ہری سنگھ بہادر کے والد) نے (حاشیہ صفحہ ہذا آئندہ صفحہ پر)

Marfat.com

غرض بڈشاہ ابھی زندہ ہی تھا کہ سیّد صاحب، رشعبان ۸۷۱ھ کو انتقال فرما گئے اور زینہ گیر ہی میں جہاں آپ کے نام پر موضع سیّدپورہ آباد ہوگیا تھا۔آپ دفن کیے گئے۔آپ کے مزار مبارک کے حالات زینہ گیر کے بیان میں لکھے جاچکے ہیں۔

بڈشاہ اور سیّد صاحب علیہ الرحمت کے تعلقات کے سلسلہ میں یہ نکتہ یاد رکھنا چاہیے کہ بڈشاہ سُنی المذہب تھا اور سیّد صاحب شیعہ تھے لیکن بڈشاہ نے کبھی اس بات کا خیال نہ کیا کہ میں ایک شیعہ بزرگ کی کیوں عزت افزائی اور ارادتمندی کررہا ہوں۔ سیّد صاحب نے بھی کبھی اس بات کو وقعت نہ دی کہ وہ شیعہ مذہب کے بزرگ ہوکر ایک سُنّی بادشاہ کے پاس کیوں پناہ گزیں ہیں۔اگر ان کے بعد بھی عالمان دین اور حکام دنیوی انھی خیالات وجذبات کے مالک ہوتے ان کے دل بھی فرقہ بندیوں کے جھگڑوں اور باہمی تکفیر ونفرت سے ایسے ہی آزردہ ہوتے تو نہ کبھی سُنی بلخ بدنام ہوتا اور نہ شیعۂ کشمیر موردِ طعن سمجھا جاتا۔

باباحاجی ادہم سلطان ابراہیم ادہم کے خاندان سے منسوب ہونے کی وجہ سے ادہمی کہلاتے ہیں۔جامع علوم ظاہر و باطن تھے۔

(حاشیہ صفحہ گزشتہ) آپ کو قابل وہونہار اور خاندانی لڑکا دیکھ کر گورنمنٹ کا ایک افسر بنانے کیلئے محکمہ مال کی ٹریننگ کے لیے سر والٹر لارنس مہتمم بندوبست کے سپرد کردیا۔آپ پچیس سال ہی کی عمر میں اسسٹنٹ سٹلمنٹ افسر مقرر ہوگئے۔لدّاخ کا سب سے پہلا بندوبست آپ ہی نے کیا۔اس کے بعد اسسٹنٹ گورنر، گلگت افسر وزیر و وزارت مہتمم بندوبست کشمیر بھی رہے۔اور جموں کے گورنر بھی۔آپ نے ان عہدہ ہائے جلیلہ کی ذمہ داریوں کو اس محنت وخوش اسلوبی اور اس لیاقت سے انجام دیا کہ مہاراجہ سرہری سنگھ بہادر نے آپ کو جموں وکشمیر کی ہائی کورٹ میں ایک جج مقرر فرما دیا اور آپ بفضلہ تعالیٰ ایک قابل اور ممتاز جج ثابت ہورہے ہیں۔

Marfat.com

ترک وطن کے بعد پہلے حج کیا۔ پھر کشمیر آئے۔ شیخ بہاؤالدین گنج بخش اور شیخ نورالدین ولی کے صحبت داروں میں سے تھے۔ مقام میرداری میں جس کو شاعر داری بھی کہتے ہیں اور جو میر اویسی کے باغ کا نام ہے اور فی الحال حدود قلعہ (اکبری) سے باہر ہے مدفون ہیں۔ میر محمد اویسی کی تعلیم و تربیت بادشاہ نے آپ ہی کے سپرد کر رکھی تھی۔ میر سید حسن منطقی میر سید محمد اور مولانا حسام الدین غزنوی اور بڑے بڑے صوفیا بزرگ اہل اللہ حضرت بابا کے صحبت یافتہ اور مرید تھے۔

حضرت سید محمد مدنی میر سید محمد ہمدانیؒ کے رفقاء بلکہ نسبت داروں میں تھے۔ امیر تیمور نے ان کو سلطان سکندر کے پاس ایلچی بنا کر بھیجا تھا خطہ کشمیر آپ کو ایسا پسند آیا کہ یہیں اقامت اختیار کر لی لیکن تیموری و سکندری عہد و پیمان کی تکمیل کے لیے آپ کو ماوراء النہر جانا پڑا جہاں آپ کے عیال تھے۔ جب آپ واپس آئے تو اہل و عیال کو بھی ہمراہ لیتے آئے۔ محلہ رانیواری (حال رینہ واری) میں مسکن گزیں ہوئے۔ سکندر اکثر مرتبہ خود ان سے ملاقات کرنے کے لیے رانیواری میں آیا کرتا تھا۔ جب بڈشاہ بادشاہ ہوا۔ تو اس نے اپنے جدید دارالخلافہ راجدھانی نوشہرہ کو رونق دینے کے لیے آپ سے التماس کی چنانچہ آپ نوشہرہ میں آگئے۔ عہد شاہجہان کے گورنر نواب علی مردان خاں کے زمانہ تک آپ کا مقبرہ زیارت گاہ خاص و عام تھا۔

سید محمد عالی بلخی بیان کیا جاتا ہے کہ آپ بلخ کے بادشاہ[1] تھے۔ دو سال کی حکومت کے بعد کہ ابھی شباب ہی کا عالم تھا۔ تخت و تاج کو لات مار کر خدا کی یاد اختیار کی۔ اشارۂ غیبی سے کشمیر میں آئے۔ وہ زمانہ سلطان سکندر بت شکن

---

[1] بلخ کی تاریخ اس کی تصدیق یا تکذیب نہیں کر سکتی ہے۔

Marfat.com

کا تھا۔ شیخ العالم شیخ نورالدین ولی نے مقام روپہ ون سے بابا نصیر الدین کو استقبال کے لیے بھیجا۔ سلطان زین العابدین بھی آپ کی بڑی عزت کرتا تھا۔ پرگنہ ناگام آپ کے اخراجات کے لیے وقف تھا۔

میر سید حسن و میر سید حسین منطقی اصل وطن شہر بیہق ملک خراسان تھا۔ چونکہ علم منطق میں کمال رکھتے تھے اس لیے منطقی کے نام سے مشہور ہیں۔

سید حسن باپ کا اور سید حسین[۱] بیٹے کا نام ہے۔ باپ بیٹا دونوں کشمیر آئے لیکن سید حسن کچھ عرصہ کے بعد واپس چلے گئے۔ بادشاہ کو ان کے کمال علم کی وجہ سے ان کی جدائی شاق گذری۔ ان کے بیٹے میر سید حسین کو زادِ راہ دیکر ایک کافی جمعیت کے ساتھ بیہق روانہ کیا کہ ان کو واپس لائیں۔ چنانچہ ان کے واپس آنے پر بادشاہ نے ان کا استقبال کیا اور بڑی عزت افزائی کی۔

وانتی پورہ اس زمانہ میں بادشاہ کی توجہ سے روز بروز رونق حاصل کر رہا تھا اور بادشاہ نے اپنا باغ بھی وہاں تعمیر کرایا تھا۔ اس میں میر سید حسین کو رہنے کو جگہ دی۔ آپ کا مزار بھی وانتی پورہ ہی میں ہے۔

بادشاہ نے ایک دن میر سید حسن منطقی سے تبرک مانگا۔ آپ نے دوسرے دن کا وعدہ کیا اور حسب وعدہ جب دوسرے دن کوئی چیز زیر آستین چھپائے ہوئے سلطان کے پاس آئے تو فرمایا تمہارے لیے تبرک لایا ہوں۔ بادشاہ نے ہاتھ بڑھایا تو آپ نے ایک نوزائیدہ بچہ نکال کر اس کے حوالہ کیا اور کہا میں تم کو اپنا لختِ جگر بطور تبرک

---

[۱] تاریخ حسن میں آپ کو میر سید حسین منطقی کا بیٹا لکھا گیا جو غلط ہے۔ اسرار الابرار اور فتیاب الکبرویہ نے میر سید حسن کا بیٹا لکھا ہے۔

Marfat.com

بخشتا ہوں۔ اس کا نام محمد امین رکھنا۔ بادشاہ اس عجیب تبرک سے خوش بھی ہوا اور حیران بھی۔ لیکن آگے چل کر اس نوزائیدہ بچہ نے پالٹیکس کے بجائے دنیائے تصوّف وسلوک میں وہ نام پیدا کیا کہ آپ کے مناقب وفضائل میں کئی کتابیں لکھی گئیں اور آپ کے مزار فائض الانوار کے متعلق کہا گیا ہے ؎

گلشن نور است یارب یا ہمہ بیت السرور

یا چو بیت اللہ بہر طائفاں دارالاماں

سیّد جاں باز ولی

خضر راہ اہل نیاز حضرت سیّد جانباز کا اصل نام محمد وطن اصفہان اور طریقہ رفاعیہ تھا۔ حضرت سیّد جلال الدین بخاری کے مرید اور علوم ظاہری وباطنی میں صاحب کمال تھے۔ سلطان زین العابدین کے زمانہ میں کشمیر آئے۔ پہلے سیّد رفاعی کے نام سے مشہور رہے۔ پھر ریاضیات کاملہ کی وجہ سے سیّد جانباز مشہور ہو گئے۔

بادشاہ کے امراسے دارالخلافہ (نوشہرہ) کو اپنا وطن بنایا۔ لیکن جب لوگوں کی کثرت عبادت وریاضت اور آزادی میں بارج ہونے لگی تو بادشاہ کو مجبور کرکے اپنی قیام گاہ بدل لی اور بارہ مولا میں آرہے۔

بادشاہ آپ کے ساتھ کشتی میں سوپور تک آیا۔ بلکہ جزیرہ زینہ لنک کی تعمیر کے لیے حضرت سے دعا کرائی۔

آپ کا قیام عین دامن کوہ میں دریا کے کنارہ پر اس جگہ تھا۔ جہاں آج موضع خانپورہ آباد ہے۔ بادشاہ نے حضرت کے خدّام اور لنگر کے اخراجات

Marfat.com

کے لیے تین گاؤں جاگیر میں دیے اور ایک وسیع چراگاہ اُن کے خدام کے گھوڑوں کے لیے عطا فرمائی۔ اسی چراگاہ کے مقام پر آج جانباز پورہ ایک چھوٹا سا گاؤں آباد ہے۔

۲۲ ربیع الثانی ۸۴۲ھ کو آپ کا وصال ہو گیا۔ خانپورہ میں آپ کا مزار مبارک مرجع خاص و عام[۲] ہے۔

جو جاگیر خاندانِ شہیری چکوں کی حکومت مغلوں کے دور اور افغانوں کے عہد میں اس زیارت کے ساتھ وقف تھی۔ سکھوں نے اپنے زمانہ حکومت میں ضبط کر لی۔

بابا زین الدین شیخ نورالدین ولی کے نامور خلفا میں تھے۔ اصل وطن کشتواڑ تھا اور راجگان کشتواڑ کی اولاد سے تھے۔ ابھی بچے ہی تھے کہ دشمنوں نے ان کے باپ کو قتل کر کے یتیم بنا دیا اور ان کی بیوہ ماں نے دُرِ یتیم بنا کر رکھا۔ ایک خواب کے مطابق ان کی والدہ انکو کشمیر لے آئی اور شیخ بابا بام الدین کے پاس جو شیخ نورالدین کے خلیفہ تھے پہنچی۔ اتنے میں شیخ نورالدین ولی بھی آ گئے۔ ان کی ماں نے کہا بس یہی بزرگ تھے یہی شکل اور یہی صورت تھی جو عالم خواب میں میرے پاس تشریف لائے تھے آخر ماں بیٹا حضرت شیخ نورالدین ولی کے ہاتھ پر مسلمان ہو گئے اور نام آپ کا زین الدین

۱؎ اسرار الابرار غیر مطبوعہ تصنیف ۱۰۶۳ھ مکمل تاریخ کشمیر حصہ دوم۔

۲؎ آپ کا عرس زیر اہتمام خواجہ امیر شاہ صاحب رئیس بارہ مولا و ذیلدار خانپورہ ہر سال نہایت دھوم دھام سے ہوتا ہے۔ آپ اس خانقاہ کے متولی بھی ہیں اور زمانہ قدیم سے یہ زیارت آپ ہی کے خاندان کی تولیت میں چلی آئی ہے۔ آپ بڑے مخیر اور صاحب دل ہیں۔

Marfat.com

رکھا گیا[۱]

آپ ایش مقام میں برسوں تک عبادت و زہد میں مصروف رہے۔ اور یہیں آپ کا مزار مبارک بھی بنا۔ لیکن آپ شمالی کشمیر میں بھی مختلف مقامات میں سیر و سیاحت کرتے رہے۔

ایک مرتبہ شیخ زین الدین علاقہ زینہ گیر میں تھے موضع شیوہ[۲] میں ان کا قیام تھا۔ انہی دنوں سلطان زین العابدین بھی زینہ گیر کی آبادی اور نہر کی کھدائی اور تیاری میں اسی علاقہ میں تھے۔ بادشاہ ایک دن موضع شیوہ میں ان سے ملنے کو گیا۔ شیخ عبادت[۳] میں مصروف تھے۔ بادشاہ کی تعظیم و تکریم جیسی کہ چاہیے نہ کر سکے[۴]۔ بادشاہ سجادہ

---

[۱] اسرار الابرار۔

[۲] موضع شیوہ سرپور سے بجانب شمال بین دامن کوہ میں چھ میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ . . محمد الدین فوق مصنف کتاب ہذا اور منشی غلام محمد صاحب خادم کے آباؤ اجداد اسی موضع سے پنجاب آئے تھے۔ آج بھی قبلہ خادم صاحب کی بہت سی اراضیات اس موضع میں آباد ہیں جن میں زراعت کے علاوہ زمین باغات بھی ہیں۔ راقم الحروف کا بھی ایک چھوٹا سا رقبہ شیوہ میں واقع ہے۔

[۳] فتحیاب اکبرویہ صفحہ نمبر ۳۰ (قلمی) پر لکھا ہے "دراں وقت شیخ طہارت سے کرد۔ سلطان آمدہ بنشست بنشست واز شیخ التفاتے نہ یافت۔ تا بہ تعظیم چہ رسد" خوارق السالکین کے مصنف نے بھی صاحب فتحیاب کی تائید میں طہارت ہی کا ذکر کیا ہے۔ اسی واقعہ کو ان دونوں کتابوں سے بہت عرصہ کے بعد کی تصنیف "نور الدین نامہ منظوم تصنیف ۱۲۲۵ھ" میں بڑھا چڑھا کر بابا بام الدین کے ساتھ منسوب کیا گیا ہے۔

[۴] اسرار الابرار سال تصنیف ۱۰۶۳ھ غیر مطبوعہ۔

Marfat.com

پر بیٹھ گیا اور کچھ دیر تک انتظار کرتا رہا۔ جب حضرت نے کوئی توجہ نہ کی تو ملول خاطر ہو کر وہاں سے اُٹھ آیا۔

بادشاہ کے جانے کے بعد جب حضرت بابا عبادت سے فارغ ہوئے۔ حکم دیا سجادہ آلودہ ہو گیا ہے اس کو دھو ڈالو۔ بادشاہ کو ملاقات اور گفتگو سے محروم ہونے ہی کا رنج تھا۔ بعض لوگوں نے نمک مرچ لگا کر سجادہ دھلوانے کا واقعہ بھی بیان کیا۔ جب یہ سنا کہ میرے بیٹھنے سے وہ جگہ بھی ناپاک سمجھی جانے لگی ہے تو اور بھی برافروختہ ہوا۔ حکم دیا کہ اگر میں ایسا ہی ناپاک ہوں تو میرے ملک سے کیوں نہیں چلے جاتے بلکہ بعض تذکروں میں تو لکھا ہے کہ ملک سے نکل جانے کا حکم ہی دیدیا۔ باوجود شدت زمستان کے آپ مریدوں کی ایک جماعت کے ساتھ کوہستان تبت کی طرف چلے گئے۔

چونکہ یہ زمانہ نالۂ پوہرو کی کھدائی اور تعمیر کا تھا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ ۵۵۰ھ یا اس سے ایک دو سال پہلے کا ہے۔

حضرت کے ملک بدر ہونے یا ترک وطن کرنے کے بعد جو واقعہ زین العابدین کو پیش آتا ہے۔ اس میں تذکروں کا بہت کچھ اختلاف ہے۔ صاحب خوارق السالکین[1] لکھتے ہیں۔ چند دنوں کے بعد بادشاہ کا بیٹا پاؤں کے درد میں مبتلا ہو گیا۔ جب علاج معالجہ بے سود ثابت ہوا تو بادشاہ کو خود ہی خیال آیا کہ یہ سزا بابا زین الدین کو ملک بدر کرنے کے نتیجہ میں مل رہی ہے اُدھر بابا زین الدین بھی تھوڑے عرصہ کے بعد خود بخود ہی

---

[1] صفحہ ۹۳، ۹۴، ۹۵ غیر مطبوعہ سال تصنیف ۱۱۰۹ھ۔

Marfat.com

مراجعت وطن پر آمادہ ہو گئے۔ بادشاہ نے اُن کے آنے کی خبر سنی تو بیمار بیٹے کو استقبال کے لیے بھیجا۔ جس کو رستے ہی میں اس شدت درد سے نجات مل گئی۔"

صاحب اسرار الابرار[1] لکھتے ہیں:۔ بادشاہ اس واقعہ کے بعد درد پا میں بیمار ہو گیا۔ جب حکما و اطبا اس کے علاج سے عاجز آ گئے تو اہل دربار سے فرمایا میرے درد کا علاج صرف اس درویش کی رضا ہے جس کو زمستان اور برف و باراں کے شدید موسم میں میں نے محض شاہانہ غرور کی وجہ سے جلاوطن کیا ہے۔ جب تک وہ بزرگ واپس تشریف نہ لائیں گے۔ مجھے شفا کی امید نہیں ہے۔ چنانچہ اپنے ایک فرزند (اور بقول صاحب منتخباب الکبر[2] وبہ شہزادہ حیدر خاں) کو کوہستان تبت کی طرف بھیجا کہ سمجھا بجھا کر اور عذر و معذرت کر کے اُن کو ہمراہ لے آئیں۔ چنانچہ شیخ نے شہزادہ کی التماس قبول کی اور کشمیر کی طرف روانہ ہوئے۔ بادشاہ باوجود اس درد عظیم کے مع امراء وزراء استقبال کو نکلا۔ لکھا ہے کہ جوں جوں شیخ نزدیک آتے تھے۔ بادشاہ صحت یاب ہوتا جاتا تھا۔ یہاں تک کہ وہ بالکل تندرست ہو گیا۔

عیش مقام میں انتقال فرمایا۔ رحلت کے وقت وصیت کی کہ مجھ کو غسل کے وقت کفن پہنا دو اور تابوت رکھ دو اور دیکھو پردہ غیب سے کیا ظہور میں آتا ہے۔

---

[1] غیر مطبوعہ سال تصنیف ۱۰۶۳ھ

[2] صاحب منتخباب نے بھی خود بادشاہ کے بیمار ہونے کی تائید کی ہے۔ لیکن اتنا اضافہ کیا ہے کہ بادشاہ حاضر ہونے کے بعد بابا لطیف الدین کی خدمت میں جو اُس زمانہ میں کامل و اکمل بزرگ تھے، آیا اور شفا کے لیے دعا و التجا کی۔ آپ نے فرمایا بابا زین الدین کی دعا ہی یہاں کارگر ہو سکتی ہے۔ چنانچہ بادشاہ نے اپنے بیٹے حیدر خاں کو استدعائے مراجعت اور عذر تقصیرات کا پیغام دیکر بھیجا۔ انکے تشریف لانے سے بادشاہ کو صحت کلی ہوئی۔

Marfat.com

چنانچہ تابوت کو دیکھا گیا تو اندر کچھ بھی نہ تھا۔ آخر تابوت ہی کی جگہ قبر بنائی گئی [۱]

فانی ز خود وز خویش باقی
این طرفہ کہ نیستند و ہستند

بابا عثمان گنائی آپ خاص سرینگر کے رہنے والے تھے۔ اس زمانہ میں جب معمولی سفر دشوار گذار تھے۔ آپ پنجاب و ہند کی سیر کرتے ہوئے حرمین شریفین تک پہنچے۔

فراز و شیب رہ از رہروان گرم مپرس
کہ پیش مرغ ہوا کوہ و دشت یکساں است

وہاں خواجہ اسحق ختلانی سے ملاقات ہوئی اور ان سے ارادت و بیعت کی خواہش کی۔ خواجہؒ نے فرمایا تمہارے گھر میں گنگا بہہ رہی ہے۔ زیارت حرمین سے فارغ ہوکر سیدھے اپنے وطن جاؤ اور شیخ بہاؤالدین گنج بخش کی خدمت و اطاعت سے مقاصد دلی حاصل کرو۔

چنانچہ آپ واپس تشریف لائے اور ان سے فیوضات باطنیہ حاصل کیے۔ حضرت شیخ نورالدین ولی اور حضرت بابا حاجی ادہم اور دیگر اولیائے کرام کی صحبتوں میں بھی رہے۔

---

[۱] "تاریخ خواجہ اعظمی صفحہ نمبر ۶۲۔

[۲] مزار حضرت شاہ اسحق در کابل در جہت شرقی قریب سواد شہر واقعہ است و دراں جا بہ "شاہ شہیداں" اشتہار دارد از تاریخ اعظمی حاشیہ صفحہ نمبر ۵۲۔

Marfat.com

میں بھی رہے۔

"تاریخ اعظمی[1] میں لکھا ہے "بابا صاحب کمال برد بعد تحصیل علوم به ذوق خداپرستی راہ حرمین گرفت۔ حق تعالیٰ در علم و تقوی او برکت داد۔ اکثر احفاد و ذریات ایشاں را کار با فضیلت و علم افتاد" بابا رجب گنائی۔ بابا زینی گنائی۔ ملا فیروز گنائی۔ نوگنائی۔ بڈشاہی۔ ملا زنی گنائی۔ بایزید ماصی۔ میر علی گنائی۔ وغیرہم۔ جو کشمیر کے نیکوکاروں تقوی شعاروں اور صاحبان علم و فضل میں درجۂ امتیاز رکھتے ہیں۔ آپ ہی کے اولاد و احفاد سے[2] تھے۔

تذکرۃ الحضرات[3] میں لکھا ہے۔ مخدوم بابا عثمان ۱۰۰۸ھ میں پیدا ہوئے۔ خوش نویسی و حساب دانی میں دیگر علوم و فنون کے علاوہ شہرہ آفاق اور جوان رعنا تھے۔ گنائی قبیلہ کے متعلق لکھا ہے۔ گنائی خطاب شاہی ہے جو نویسندہ یا محرر یا منشی کے معنے میں استعمال کیا جاتا تھا۔ بعد ازاں یہ خطاب ایک قبیلہ ہی کا نام ہو گیا۔ صاحب تاریخ اعظمی[4] بھی اس کی تائید کرتے ہیں اور لکھتے ہیں "گنائی در عرف آں وقت نویسندہ را مے

---

[1] صفحہ نمبر ۲۲۶۔ [2] لاہور میں چوہدری جان محمد مرحوم بانی کشمیری گزٹ اور ان کے بھائی چوہدری محمد اسمٰعیل تاجر کتب بھی گنائی خاندان سے ہیں۔ چوہدری جان محمد صاحب مرحوم کے صاحبزادے (خواجہ) الٰہی بخش علمی و درسی مشاغل میں مصروف ہیں اور کشمیر نیشنل بورڈ لاہور کے سیکرٹری ہیں۔ ایک علم دوست گنائی خاندان بون متصل اسلام آباد کشمیر میں آباد ہے۔ جس میں (خواجہ) مختار گنائی سفید پوش راقم الحروف کی تمام تصانیف کے قدیم قدردان ہیں۔

[3] یہ تذکرہ خواجہ امیر الدین کلال صدر الافاضل کی تصنیف (۱۲۵۱ھ) ہے۔ ابھی تک غیر مطبوعہ ہے اور کشمیر میں کئی لوگوں کے پاس ہے۔ [4] صفحہ نمبر ۲۲۔

Marfat.com

گفتند از مفتی تا پٹواری ہمیں لقب بود۔"

کشمیر کے تذکروں میں آپ کی بہت سی کراماتوں کا ذکر ہے۔
صاحب "خوارق السالکین" نے لکھا ہے کہ بڈشاہ نے بھی آپ سے ملاقاتیں کر کے آپ کے کمالات وکرامات کا اعتراف کیا ہے اور اپنے حق میں مخدوم بابا سے دعائے خیر بھی کرائی ہے صاحب تذکرۃ الحضرات نے آپ کی وفات ۸۶۱ھ لکھی ہے۔ مدفن آپ کا مقبرہ سلاطین میں پیش روئے مقبرہ مرزا حیدر کاشغری بیان کیا جاتا ہے۔

شیخ بہاؤ الدین گنج بخش

شاہ اسحاق ختلانی (خلیفہ امیر کبیر علی ثانی) کے تربیت یافتوں اور مریدوں میں تھے۔ ابتداء میں بڑے سیاح تھے۔ چنانچہ شاہ اسحاق کے پاس خود ختلان گئے اور ان سے فیوضات حاصل کیے۔ ان کے جذب وسلوک کی حکایات بے شمار ہیں۔

اصل نام بہاؤ الدین ہے۔ گنج بخش ان کا لقب ہے۔ شیخ سلطان کشمیری سید محمد مدنی اور حضرت شیخ نور الدین ولی کے صحبت یافتوں میں تھے۔ بادشاہ ان کی ایک بشارت کے عملی ظہور کی وجہ سے جس کا ذکر بادشاہ کے بچپن کے بیان میں ہو چکا ہے۔ ان کا بڑا ادب کرتا تھا۔ ایک مرتبہ آپ کو محلات شاہی میں آنے اور دریا کی سیر کرنے کی دعوت دی گئی۔ آپ نے شکریہ کے ساتھ قبولیت دعوت سے انکار کر دیا۔

ایک دن حضرت شیخ بہاؤ الدین موضع کرشہ بل میں لب دریا ایک درخت کے نیچے سر بزانو بیٹھے تھے۔ نصف شب کے قریب چوروں کی ایک جماعت شہر سے مال ومتاع لے کر اس طرف آئی اور چوری کا مال باہم تقسیم کرنے لگی۔

Marfat.com

مال تقسیم کرنے کے بعد ان کی نظر اس تاریکی میں آپ پر پڑی۔ اُن ظالموں نے اس خوف سے کہ یہ شخص ضرور ہمارا راز فاش کر دے گا۔ آپ کو شہید کر دیا۔

بادشاہ کو اس واقعۂ المناک کی خبر ہوئی۔ بہت افسوس کیا۔

شیخ نے اپنے ہم صحبتوں اور ارادتمندوں کو وصیت کر رکھی تھی کہ جب میرا انتقال ہو جائے تو میرا جنازہ کندھوں پر لے جانے کی بجائے یہ کام کرو کہ میرے پاؤں میں رسہ باندھ کر کشاں کشاں لیے پھرو یہاں تک کہ قبرستان میں پہنچا دو۔ لوگ اس وصیت کی تکمیل کے لیے بڑے متردد و مضطرب تھے۔ بادشاہ کو اطلاع ہوئی۔ حکم دیا حضرت شیخ کی وصیت ضرور پوری ہونی چاہیے۔ چنانچہ بادشاہ کے حکم سے ایک گہوارہ بنایا گیا۔ اُس میں آپ کی لاش رکھی گئی۔ گہوارہ کے نیچے پہیے لگائے گئے اور اس کے ساتھ رسہ باندھ کر اس کو قبرستان پہنچایا گیا۔ بادشاہ حضرت بابا عثمان لنانی اور بہت سے بزرگان شہر اور اعیانِ مملکت کے ساتھ آپ کے جنازہ میں شامل ہوا۔ کوہ ماران کے دامن میں کہ بیرون قلعہ ہے اور جہاں ایک وسیع قبرستان ہے۔ آپ دفن کیے گئے۔ مزار آپ کا اور احاطہ قبرستان بڈشاہ کی بیگم نے جو لاولد تھی اپنا زیور فروخت کر کے تعمیر و مرمت کرایا تھا۔

۸۴۵ھ میں آپ نے درجۂ شہادت حاصل کیا۔ تاریخوں میں لکھا ہے کہ شہادت کے وقت آپ کی عمر بہت بڑی تھی۔

آپ کے مزار کے دروازہ پر ڈاشمہ چک کی قبر ہے۔

Marfat.com

جو ۸۹۳ھ میں بعہد سلطان محمد شاہ بن سلطان حسن شاہ کشمیر کا حاکم اور مدار المہام گزرا ہے۔

شیخ نورالدین ولی

اوائل عمر میں اپنے بھائیوں کے اصرار و جبر سے ان کے ساتھ چوری و رہزنی کیا کرتے تھے اور چونکہ جذبہ الٰہی کے شعلہ لا متناہی بطن مادر ہی سے لے کر آئے تھے۔ اس لیے ان کے بھائی ہمیشہ ان پر ناراض رہتے تھے۔ آخر تیس سال کی عمر میں بھائیوں کا ساتھ تعلق ترک کر دیا بلکہ وہ کام بھی جو طبیعت پہ گراں گزرتا تھا چھوڑ دیا اور ایسی توبہ کی کہ ریاضت و جانبازی اور زہد و عبادت میں قدم رکھ کر یادگار متقدین اور افتخار متاخرین ثابت ہوئے اور جب محبوب ذوالجلال سے لو لگائی تو تعلقات زن و فرزند کو بھی حجاب تصور کر کے قطع کر دیا۔

آں کس کہ ترا شناخت جاں راچہ کند
فرزند و عیال و خانماں راچہ کند
دیوانہ کنی و ہر دو جہانش بخشی ...
دیوانۂ تو ہر دو جہاں راچہ کند

بارہ سال تک آپ پہاڑوں کی غاروں میں صرف کاسنی کے پتے کھا کر گزارا کرتے رہے۔ اس کے بعد بارہ سال تک کاسنی کو ترک کر کے دودھ کے ایک پیالہ پر گزر اوقات کی۔ پھر اسے بھی لذت نفس جان کر ترک کیا اور دو اڑھائی سال تک قدرے آب جو پر گزارا کیا۔ غرض گوشہ نشینی و تنہائی اختیار کرنے کے بعد بقول صاحب تاریخ اعظمی "بست و شش سال نان و غلہ نخورد ہ"

حضرت میر محمد ہمدانی، میر سید حسن سامانی، شیخ بہاؤ الدین گنج بخش۔ سلطان بھکلی۔ بابا حاجی ادہم اور دیگر کئی بزرگ آپ کے ہم رتبہ و ہم سال بیان کیے

Marfat.com

جانتے ہیں۔

آپ کی ولادت قریباً تمام مورخین نے بالاتفاق ۸۵۰ھ بیان کی ہے۔ لیکن تاریخ وفات میں مختلف الرائے ہیں۔ بعض نے سال وفات ۹۳۰ھ اور بعض نے ۹۴۲ھ لکھا ہے اور عمر آپ کی ۶۳ یا ۶۴ سال بتاتی ہے اور یہ بھی مورخین نے لکھا ہے کہ بڈشاہ کے زمانہ میں آپ فوت ہوئے اور بادشاہ آپ کے جنازہ پر گیا۔

صاحب تاریخ اعظمی کے حساب ۲۷ سال ویرانوں اور جنگلوں اور پہاڑوں میں رہے۔ تیس سال کی عمر میں انھوں نے رہزنی ترک کی۔ چھپن سال تو ... ہو گئے۔ اُدھر ۸۵۰ھ کی پیدائش اور ۹۰۰ھ کی وفات کے مطابق ... سال ہوتی ہے۔

البتہ اگر ۹۴۲ھ کو سال وفات صحیح تسلیم کیا جائے اور اس کو صاحب اعظمی نے بھی تسلیم کیا ہے۔ تو آپ کی عمر ۸۵۰ھ کے مطابق ... سال ہوتی ہے اور یہ وہ زمانہ ہے کہ بڈشاہ بھی آپ کے سال وفات میں زندہ ... سے اس کا حضرت کی ذات سے فیوض حاصل کرنا اور ان کے جنازہ میں شامل ہونا ... قرین قیاس بھی ہے۔

بڈشاہ سے آپ کا تعارف کس طرح ہوا۔ اس کو ہم معارف الخفائی[1]

---

[1] سال تصنیف رمضان ۱۱۶۴ھ غیر مطبوعہ۔ اس کے مؤلف و مصنف (حاشیہ صفحہ ہذا بر صفحہ آئندہ)

Marfat.com

کے طویل مضمون سے مختصر طور پر یہاں درج کرتے ہیں۔ صاحب "معارف" کہتے ہیں:

ایک مرتبہ بادشاہ بیمار ہو گیا۔ جب علاج سے تمام حکماٗ عاجز آ گئے تو بادشاہ نے نجومیوں کی طرف رخ کیا۔ نجومیوں نے کہا بیماری کی وجہ یہ ہے کہ ملک رانی و عدالت گستری میں کوئی کمی ہو گئی ہے اور حاکموں اور افسروں پر سستی و کاہلی نے عمل دخل کر لیا ہے اور بطور مثال یہ واقعہ بیان کیا کہ گزشتہ زمانہ میں ایک بادشاہ تھا اس کے عہد میں ایک بڑھیا کا اکلوتا بیٹا سخت بیمار ہو گیا اور وہ دربار میں آ کر شور و فغاں کرنے لگی۔ بادشاہ نے سبب پوچھا تو کہا میرا بیٹا سخت بیمار ہے اور اس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ بادشاہی اہلِ کاروں نے کوئی ایسا کام کیا ہے جو عدالت و آئین فرمانروائی کے خلاف ہے۔

بادشاہ نے نجومیوں سے کہا تم اپنی کتابوں میں دیکھو کہ پیرزال کا فرزند کیوں بیمار ہو گیا ہے۔ منجموں نے متفق ہو کر کہا ہمارا علم ہم کو یہی بتاتا ہے کہ بادشاہ کے ملک میں کسی بے انصافی کا واقعہ ظہور میں آیا ہے اور وہ واقعہ یہ ہے کہ ایک قصاب نے اپنا پیشہ ترک کر کے دنیا کمانے کے لیے گوشہ نشینی اختیار کر لی ہے۔ لازم یہ ہے کہ قصاب کو غار سے نکال کر شہر میں لایا جائے اور سزا دی جائے تاکہ کوئی اور شخص آرام طلبی اختیار کر کے مکر و فریب سے دنیا کو لوٹنے اور کاروباری دنیا کو ضعف پہنچا کر گوشہ گیری اختیار کرنے کی جرأت اختیار نہ کرے۔ چنانچہ جب اس کو پکڑ کر لائے اور بزرگی و ریاضت میں لاف زنی کرنے پر تنبیہ کر کے اس سے اس کا آبائی کاروبار

(حاشیہ صفحہ گزشتہ) یعقوب بن عبدالعزیز بن شیخ مظفر بن قطب الدین بن شاہ قاسم حقانی ہیں۔

Marfat.com

شروع کرایا گیا تو اس بڑھیا کے بیٹے کو صحت حاصل ہو گئی۔

نجومیوں نے یہ واقعہ بیان کر کے بادشاہ سے کہا اے بادشاہ
جم جاہ تیرے عہد میں بھی اس قسم کا ایک واقعہ پیش آیا ہے۔ ایک [illegible] کا دربار [illegible]
چوری اور ڈاکہ زنی ہے جنگل میں جا بیٹھا ہے۔ زن و فرزند کو [illegible] چھوڑ [illegible]
اپنے آپ کو عابد و زاہد کہتا ہے۔ جب تک اس کو گرفتار کر کے قتل نہ کیا جائے بادشاہ کو
صحت کلی حاصل نہ ہو گی۔ بادشاہ نے حکم دیا۔ ایسے شخص کو گرفتار کر کے حضور [illegible]
بادشاہی آدمی دوڑتے دوڑتے اس جنگل میں گئے جہاں حضرت [illegible]
حضرت باہر ٹہل رہے تھے کہ بادشاہی پیادوں کو مضطرب الحال دیکھ کر پوچھا [illegible]
جوانان پرستتاب و اضطراب کیوں ہے اور کس کی تلاش میں [illegible]
نے کہا ہم شیخ نور الدین کی تلاش کر رہے ہیں۔ ان کو بادشاہ کے حضور [illegible]
نے کہا جس کی تلاش میں تم نے بیابانوں ویرانوں اور کوہستانوں کو [illegible]
ہی ہوں۔ چلو اسی حال میں تمہارے ساتھ چلتا ہوں۔

جب شیخ بادشاہ کے پاس پہنچے تو [illegible]
شروع ہوا۔ نجومیوں نے کہا۔ بادشاہ سلامت ہم نے جھوٹ نہیں [illegible]
کہ اس کے باپ دادا کا پیشہ ڈاکہ اور رہزنی ہے۔ اب دعویٰ بزرگی کرتا ہے [illegible]
حاضر دربار ہوا ہے۔ حضور کو بیماری کی تکلیف سے نجات مل جائے گی۔

بادشاہ تو [illegible] اور خیالات [illegible]
کہا اے نادانوں اپنی اپنی سمجھ کا پھیر ہے [illegible] بزرگ کے دیدار [illegible]

وفیض آثار سے میری صحت بحال ہوگئی ہے۔ ایسا بزرگ میرے ملک میں ہو، جس کے دیدار ہی سے آثار نحوست وادبار دور ہوجائیں اس سے زیادہ میری کیا خوش قسمتی ہوسکتی ہے۔ یاد رکھو ایک درویش کی ناراضگی اور پھر بلاوجہ ایک عالم کو درہم برہم کردیتی ہے۔

بادشاہ کے دل میں روز بروز شیخ کی عزت بڑھتی گئی بہت عذرخواہی کی اور کہا میرے لیے بدرگاہِ ربّ العلیٰ دعائے نیک فرمایئے۔ حضرت شیخ نے کہا خدا انہیں عدل وانصاف کی توفیق مزید دے کہ اس ملک کے ساتھ ملک آخرت بھی کہ باقی وپائندہ ہے تمہارے قبضہ میں ہو۔

۸۴۲ھ میں کہ بڈشاہ کی حکومت کا اٹھارہواں سال تھا۔ ۶۳ اور بقول بعض ۶۴ سال کی عمر میں انتقال فرماگئے۔ نماز جنازہ اور تجہیز وتکفین میں تمام علماء صلحاء اور بزرگانِ دین جمع ہوئے۔ بادشاہ خود خیل وحشم کے ساتھ چرار شریف پہنچا اور کہنے لگا جسد مبارک شہر میں لے چلو، وہیں حضرت کا مرقد ومقبرہ بنایا جائے گا۔ شہر میں لوگوں کی آمد ورفت زیادہ ہے۔ زیارت سے منوّر ومسرور ہوا کریں گے۔

اس موقع پر گرد ونواح کے قریباً دس ہزار آدمی جمع تھے۔ ان کا منشا یہ تھا کہ مقبرہ خام پور میں ہو جو سر راہ ہے۔ حضرت کے جو درویش تھے اُنکی یہ خواہش تھی کہ اسی جنگل خار دار میں جہاں آپ نے اپنی عمر بسر کردی ہے روضہ مبارک بنایا جائے۔

حضرت بابا نصر الدین جو شیخ کے خلفائے اعظم میں سے تھے اور بادشاہ بھی ان کا بڑا احترام کرتا تھا اس اجتماع وکثرت اور بحث ومباحثہ سے بہت

Marfat.com

متردد تھے۔ آخر آپ کے فیصلہ کے مطابق مقبرہ چرار ہی میں بنایا جانا قرار پایا اور بادشاہ نے بھی اس فیصلہ کو قبول کر لیا۔

بادشاہ ابھی چرار شریف ہی میں تھا کہ اس کے حکم سے کل کاریگر اور کارکن بلائے گئے اور روضہ کی تعمیر شروع ہو گئی۔ چنانچہ روضہ مبارک سب سے پہلے بڈشاہ ہی نے تعمیر کرایا۔ انقلاب زمانہ کی وجہ سے بعد میں اُس میں ترمیم و تعمیر بھی ہوتی رہی ہے۔

میر سید محمد امین اویسی میر سید حسن عرف باباحسن منطقی زرعہ ظاہری و باطنی آراستہ تھے کے چھوٹے بیٹے اور میر سید حسن منطقی کے جن کا مزار وانتی پورہ میں ہے چھوٹے بھائی تھے۔

یہی وہ نوزائیدہ بچہ تھا جس کو اس کے باپ میر سید حسن منطقی نے بڈشاہ کو بطور تبرک دیا تھا اور کہا تھا نام اس کا محمد امین[۱] رکھنا۔ اسی خاندان (بیہق) سے چونکہ بادشاہ کی ایک بیگم بھی تھی جو لاولد ہونے کی وجہ سے ہمیشہ غمگین و ملول رہتی تھی۔ بادشاہ نے وہ نوزائیدہ بچہ بیہقی بیگم کے سپرد کر دیا۔ بادشاہ نے محمد امین کی

---

[۱] عالی کدل میں جس مکان میں آپ پیدا ہوئے وہاں آج کل مفتی اعظم مولانا شریف الدین رہتے ہیں کہ بادشاہ نے یہ مکان آپ کے ایک بزرگ خواجہ موسیٰ کو عنایت کیا تھا۔ جب آپ کے پردادا مولوی نظام الدین محمد شاہ مؤلف تاریخ نظام الواقائع بعہد جہان سکھوں اور پٹھانوں کی لڑائی میں شہید ہو گئے تو سکھوں نے جو علم و ادب کی قدر و قیمت سے مخفی و بے بہرہ تھے۔ مکان کے ساتھ ہی آپ کے خاندانی کتب خانہ کو بھی جلا دیا۔ مولانا شریف الدین ابوالخیر مولوی ذخیر الدین کی جر احاشیہ صفحہ نمبر صفحہ ۔ ۔ ۔

Marfat.com

ظاہری و باطنی تعلیم کا پورا پورا انتظام کیا۔ خواجہ بلال اشم والے ان کے پیر طریقت تھے اور بابا حاجی ادہم کے سپرد ان کی ظاہری تعلیم ہوئی۔ چنانچہ تعلیم قرآن اور علوم دینیہ یعنی فقہ و حدیث و تفسیر اور معقول و منقول سب انھی سے فاضل کیے۔

بادشاہ اس کو اپنے بچوں کی طرح رکھتا تھا۔ ایک تو اس کی پیشانی سے ستارۂ بلندی کی جھلک نظر آ رہی تھی۔ دوسرے وہ ایک بزرگ صاحب علم و فضل سید کا عطیہ و تبرک تھا۔ اس لیے سفر و حضر میں اس کو ساتھ رکھتا اور کہتا ؎

سفر برائے تو جویم وطن برائے تو خواہم[1]

اویس اس لیے مشہور تھے کہ حضرت اویس قرنی سے نسبت رکھتے تھے بلکہ اپنا تخلص بھی اویس رکھ لیا تھا اور اپنے نام کی بجائے میر اویسی کے نام سے زیادہ مشہور تھے۔

جب سن تمیز کو پہنچے تو بادشاہ نے آپ کی فراست و کیاست دیکھ کر بعض امور مملکت آپ کے سپرد کرنا چاہے۔ ماں نے بھی بہت کچھ سنا۔ حشمت و شوکت بادشاہی کی ترغیب بھی دلائی اور بڑی بڑی امیدوں کا اظہار کیا مگر جس کے سر میں فضائے عالم معنوی کی ہوا سے دل کو سیر کرنے کا سودا ہو، وہ لذتِ مال و جاہ صوری سے ذائقہ حلاوت کی کیا تمنا رکھتا ہے۔ غرض آپ نے نہ بادشاہ کا مشورہ قبول کیا۔ نہ بیگم کی بات پر کان

(حاشیہ صفحہ گزشتہ) فتاویٰ عالمگیری مرتب کرنیوالوں میں سے ایک تھے ساتویں پشت سے ہیں۔

[1] منتخباب الکبرویہ صفحہ نمبر ۳۱۵۔

Marfat.com

دھرے بلکہ مندرجہ ذیل شعر ؎

زماسوائے تو آنانکہ فارغ البال اند

بہ عالمے نہ فرد شند ذوق تنہائی

کے علاوہ ایک طویل ترجیع بند بادشاہ کو لکھ کر بھیجا۔ اس کے چند بند یہاں بھی درج کیے جاتے ہیں[1] ؎

عاشقاں ہمتے کہ کردم ساز — رخت بربستم از مقامِ نیاز !

عارفاں رحمتے زراہِ کرم ! — کہ ندارم بجز شما ہمراز !

واصلاں جذبۂ زعین رضا — تا شوم با شما دمے دم ساز

حاضراں التماس تکبیرے — کہ رہ سخت و منزلیست دراز

رہِ صدق و صفا گرفتم پیش — میل مہر و وفا نمودم باز

زمخالف ہمے کنم آہنگ — تا رسم با نواز [illegible] راہ مجاز

ہمچو شمع زجمع دل داراں — میروم با [illegible] از سوز و گداز

مرہم ہمت است و عشق دلیل — [illegible] ہمرہ آہ و نالہ ام دم ساز

چونکہ ایں منزل اقامت نیست — [illegible] مشکنید ہمیں آواز

بعد ازیں [illegible] گفت و شنود

کنج [illegible]

منکہ در اصل بودہ ام عشق — [illegible]

ایں زماں من بہ اصل خویش شوم — [illegible]

کنج وحدت قرارگاہ من است — آنکہ کنج است کنج [illegible]

---

[1] آپ کے اس [illegible] ترجیع بند [illegible] اکثر اشعار [illegible] پڑھے جاتے ہیں۔

آمدہ برطریق مہمانی	پنج روز سے بریں سپنج سرا
میزبانان دہر را دیدم	ہر یکے خود بسانِ اژدرہا
نوش نہ دہند غیر نیش بہ کس	بے سم ذل نوالۂ حلوا
چوں بدیدم براہ معنے میت	بادل خستہ گفتم اے شیدا
کاجیوان کس نہ سازم نوش	گر بمیرم برنج استسقا
کردہ ام عہد و بستہ ام بہ پیماں	کہ بہ توفیق ایزدِ دانا

بعد زیں دیس ترک گفت و شنود
کنج کوہ و عبادت معبود

آزمودم جہان و اہلِ جہاں	آنچہ ہستند آشکار و نہاں
ہمہ در بند خویشتن مشغول	ہمہ در کار خویشتن حیراں
نے ترحم بہ حال غمزدۂ	نے تکلّف بہ لطف یا احساں
جملہ در قصدِ خون یک دگر اند	اوفتادہ چو موش در انباں
کارشان نے بغیر کذّاب	بار شاں نے بہ خلق جز بہتاں
ہر کرا اگر میئے از سر بنیند	بر قدمش کنند سر قرباں
گر بود کارِ سامری اورا	مے بدانند موسیٰ عمراں
کس نگوید کہ ایں خراں تا کے	جاں دہند از برائے یک لب ناں
روشنم گشت چوں حقیقت حال	اے دل وجاں بہ گو بہ جانِ جہاں

بعد زیں دیس ترک گفت و شنود
کنج کوہ و عبادت معبود

نہ نمودیم عجز خود باکس	نہ نشستہ بخوانِ کس چو مگس
بے طمع از در صغار و کبار	بے خصومت بہر کس و ناکس

Marfat.com

نے خیالے بہ کار و بار جہاں — نے حجابے بہ جستجوئے عسس
چوں یقین شد مرا کہ خلق زباں — بہ جفایم کشادہ ہم چو جرس
گاہے گاہے گذر کند در دل — کہ چہ خوردم چہ بردہ ام از کس
منکہ شہباز حضرتم ہیہات — چند باشد دگر بہ بند قفس
بگسلم بند و بشکنم زنجیر — باز رانم بہ آستانہ فرس
ہر کسے را بہ خویشتن کارے — من و سودائے یار دارم و بس

بعد زیں و بیں ترک گفت وشنود
کُنجِ کوہ و عبادتِ معبود

بادشاہ اور بیگم کو محمد امین کی ذات سے ملکی خدمات و فلاح کی بڑی بڑی تمنائیں تھیں۔ اس کے صوفیانہ طرزِ عمل اور اس کے اشعار کے مطالعہ سے سب خاک میں مل گئیں لیکن باوجود ان باتوں کے بادشاہ کو آپ سے کمال محبت تھی۔ سال میں دو تین مرتبہ اُن سے ضرور ملتے۔ کبھی کبھی میر ویسی خود بھی بادشاہ کے پاس چلے آیا کرتے تھے۔

زینہ لنک کے جشن شاہی کے واقعہ کے بعد جس میں میر اویسی ناراض ہو کر چلے آئے تھے اور جس کا ذکر زینہ لنک کی تعمیر کے دوران میں ہو چکا ہے۔ آپ نے محلہ رینچن شاہ میں جس کا نام محلہ ملچہ[۱] بھی ہے۔ رہنا اختیار کیا۔ کبھی کبھی موضع شم

---

[۱] جب رینچن شاہ نے اسلام قبول کر کے اپنا نام ملک صدرالدین بادشاہ کشمیر رکھا اور اس کی دیکھا دیکھی اور لوگ بھی مسلمان ہو گئے اور بادشاہ اور سید بلبل (بلال) شاہ نے جن کے ہاتھ رینچن شاہ نے اسلام قبول کیا تھا۔ اس علاقہ میں اپنے محلات و مکانات بنوالیے تو ہندوؤں نے (حاشیہ صفحہ ہذا بر صفحہ آئندہ)

Marfat.com

میں بھی کئی کئی دن رہا کرتے تھے جہاں آپ کے شیخ طریقت سید ہلال کا قیام تھا۔ بادشاہ نے اشم میں بھی میر اویسی کے لیے کئی عمارات تیار کرا دیں۔

میر اویسی بادشاہ کے گھر میں تعلیم وتربیت حاصل کرنے کے باوجود نہایت درویشانہ زندگی بسر کرتے تھے۔ لطیف طبع تھے اور حسنِ ظاہری کے ساتھ حسنِ خلق بھی بے مثال تھا۔ باوجود غلبۂ حال وکمال اور علوم وافضال انکساری ونیازمندی پر فخر تھا فرماتے ہیں ؎

گناہ ما ز عدم گر نیامدے بہ وجود　　وجود عفو تو در عالم عدم مے بود

لیکن باوجود اس درویشی کے ان کے مکان پر دربان رہتا تھا جب میر اویسی حالت خاص میں ہوتے تھے تو دربان اعلان کر دیتا تھا کہ میر باخداست چنانچہ کوئی شخص ان کے پاس نہیں جا سکتا تھا جب وہ اعلان کرتا تھا کہ میر باخدا و خود است۔ یعنی آپ مشاہدۂ وحدت کثرت میں کرتے ہیں تو لوگوں کو اندر آنے کی اجازت ہوتی تھی۔

جب حسن شاہ بادشاہ ہوا تو سادات بیہقی کے ایک سید "حسین" نام کو کہ سید مبرک میر بھی اُن کو کہتے تھے۔ وزارت کا مرتبہ ملا۔ امرائے ملک نے ایک غیر ملکی کی اطاعت سے انحراف کیا۔ چنانچہ ایک شورش عظیم پیدا ہوئی۔ سید میر اویسی بھی ہر چند

حاشیہ صفحہ گزشتہ) از راہ نفرت وحقارت اس محلہ کا نام ملیچھ مر رکھا۔ ملیچھ اس زمانہ میں ہر غیر ہندو کا نام تھا اور مُر بزبان کشمیری جگہ کو کہتے ہیں۔ چونکہ یہ محلّہ جو عالی کدل سے بجانب شمال ہے۔ بلندی پر واقعہ ہے۔ اس کو بلندی مر یعنی بلندی کی جگہ اور اب تھوڑے سے تغیّر کیساتھ بلدی مر بھی کہتے ہیں۔

Marfat.com

بادشاہ کے گھر کے تربیت یافتہ تھے لیکن ان کے والدین بھی چونکہ سیّد تھے اس لیے مخالفوں نے ان پر بھی اہلِ فتنہ و فساد کو مشورے دینے کا الزام لگایا۔ حالانکہ ان باتوں سے ان کا کوئی تعلق نہ تھا۔

اس زمانہ میں سید میراں بھی سادات کی ایک جماعت کے ساتھ محلہ نوشہرہ میں رہتے تھے۔ اشرار کی جماعت رات کے وقت آپ کے حجرہ میں گھس آئی اور اپنی طرف سے ان کو شہید کر کے چلی گئی[1] لیکن ان میں ابھی جان باقی تھی۔ آپ نے اسی حال میں ایک شعر اور دو حسب ذیل رباعیاں بیان فرمائیں۔ ؎

منم آں رند جہاں گرد مسیحا نفسے..

کز من ایں ہر دو جہاں را نشمارم بخسے

اگر از عشق توام سر برود گو برود....

ہرگز ایں سر نہان تو نگویم بکسے

من فارغم ز مصلحت اہل روزگار

مے داں یقین کہ کشتن من بود بے گناہ

اکنوں بیا و شعر بخواں بر مزار من

تا روئے ظالمان ستم گر شود تباہ

صورت قبرم ز بعد مرگ ویراں خوشتر است

نامرادے ہم چو من با خاک یکساں خوشتر است

---

[1] منتخب اللباب اور خواجہ اعظمی نے لکھا ہے کہ آپ کے ساتھ چودہ اور سادات بھی شہید کیے گئے تھے۔

Marfat.com

تاریخ وفات شہید کشمیر ۸۸۹ھ شہید شرع ۸۸۹ھ اور شہید عرش ۸۸۹ھ ہے۔ خوارق السالکین میں حسب ذیل شعر بھی درج ہے۔ ؎

رفت از جہانِ فانی بیروں چو میر دیسی..
گفتند سالِ وصلش مخدوم واصلیں بود

۸۸۹ھ

مخدوم العرفار شیخ حمزہ کاشمیری اپنے ابتدائی زمانہ سلوک میں مدت تک اس آستانہ پر حاضر ہوتے رہے ہیں۔ محلّہ پنجن شاہ میں جس کو اب بلبل لنگر کہتے ہیں اور جو عالی کدل میں واقع ہے۔ آپ کا مزار زیارت گاہ خاص وعام ہے۔ بادشاہ کی زندگی میں جب آپ شہر میں ہوتے تھے تو یہیں آپ کا قیام ہوتا تھا۔ بادشاہ نے آپ کے لیے رباط بھی تیار کرا دی تھی۔ بادشاہ اور بیگم اسی رباط میں آکر آپ سے ملاقات کرتے تھے۔ آپ کا مزار آپ کی وصیت کے مطابق اسی رباط میں تعمیر ہوا۔ آپ کے مزار پر آپ کے آخری اشعار جو وصال کے وقت آپ نے فرمائے تھے درج ہیں۔ اور ابھی تک موجود ہیں۔

Marfat.com

Marfat.com

Marfat.com

Marfat.com